ہماری ویب ڈیجیٹل بک

کاشف میر

KH KASHIF MIR

ہماری ویب پر شائع شدہ تحریروں کا مجموعہ

SOCIETY & CULTURE

HAMARI WEB .com

E-BOOK SERVICES

Collection of Published Articles
By "Kh Kashif Mir"
at Hamariweb.com

پونچھ ٹورازم فیسٹیول کا انعقاد، چند تحفظات

گزشتہ دنوں راولاکوٹ میں پونچھ ٹورازم فیسٹیول کا انعقاد راولاکوٹ میں کیا گیا، جس میں اسسٹنٹ کمشنر پونچھ طاہر ممتاز نے اہم کردار ادا کیا، اس فیسٹیول کیلئے ایک ©''لوگو'' بنایا گیا جس میں چنار کے پتے کو سبز رنگ دیا گیا، چنار کے پتے کی تین پنکھڑیوں کا اس طرح الگ انداز میں ہونا اس 'لوگو' کی پہچان بنا ہے، 'لوگو' کی تقریب رونمائی مقامی ہوٹل میں چیئرمین پبلک اکاؤنٹ کمیٹی آزاد کشمیر عابد حسین عابد نے کی، اس تقریب میں انتظامیہ کے علاوہ صحافیوں کی ایک بڑی تعداد کے علاوہ دیگر سیاسی جماعتوں کے نمائندوں نے بھی شرکت کی تھی، چیئرمین پبلک اکاؤنٹ کمیٹی نے 'لوگو' کی تقریب رونمائی سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ اس ٹورازم فیسٹیول کو کامیاب کرنے کیلئے منتظمین کو چاہیے کہ وہ دیگر محکمہ جات سے رابطہ کاری کریں انہوں نے یقین دلایا تھا کہ وہ خود بھی محکمہ سیاحت اور دیگر کچھ محکموں سے رابطے کریں گے اور اس فیسٹیول کو کامیاب کروانے میں اپنا کردار ادا کریں گے، فیسٹیول کی ابتداء کار ریلی کے ذریعے کرنے کا جو منصوبہ بنایا گیا اس میں 23 مارچ کے دن راولاکوٹ سے بنجوسہ تک کار ریلی کا اعلان کیا گیا جس میں شامل ہونے والوں کیلئے 2000/ روپے نقد جمع کرنے کا کہا گیا جسے بعد میں 1000/ روپے کر دیا گیا، اس فیس میں شرکاء ریلی کو جو

سروسز مہیا کرنے کا کہا گیا ان میں ایک عدد ٹورازم فیسٹیول کیپ، ایک ٹورازم فیسٹیول ٹی شرٹ اور جھیل کنارے بیٹھ کر کھانے کا انتظام بتایا گیا تھا۔ امید بھی ایسی ہی تھی کہ منتظمین اپنے اس پروگرام کو کامیابی سے ہمکنار کرلیں گے لیکن جب 23 مارچ کو ریلی ہوئی تو تمام پول کھل گئے۔ چونکہ میں 'لوگو' کی رونمائی کی تقریب میں بھی مدعو تھا اور جب اخبارات میں اشتہارات کے ذریعے عوام الناس کو اس ریلی میں شرکت کی دعوت دی گئی مجھے بھی ریلی کی اطلاع ملی۔ ٹورازم فیسٹیول ریلی کا نام سننا تھا کہ ایک مخصوص مذہبی طبقہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی مانند اٹھ کھڑا ہوا انھوں نے اپنی پریس کانفرنس کے دوران انتظامیہ کو باور کروایا کہ اگر اس فیسٹیول میں کوئی بھی غیر اسلامی و غیر شرعی کام کیا گیا تو ان کی ڈنڈا بردار فورس ایسے کسی کام کو ہر گز نہ ہونے دے گی۔ اس تنظیم کے ایسے اقدام کو ملی جلی پذیرائی حاصل ہوئی۔ اکثر تجزیہ نگاروں نے اس تنظیم کے اس عمل کو تنظیم کے اپنے آپ کو ایک بار پھر فعال کرنے کیلئے اقدام قرار دیا اور کچھ نے اسے مثبت اقدام بھی قرار دیا۔ لیکن انتظامیہ نے اپنے پروگرام کو کسی بھی سیاسی و سماجی تنظیم کے پلیٹ فارم پر پیش نہ کیا اور نہ ہی مشاورت کی بلکہ کار ریلی کی خبر 10 دن قبل ہی سامنے لے آئے کہ راولاکوٹ سے بنجوسہ تک کار ریلی ہوگی جس کی فیس مبلغ 1000/ روپے بھی ساتھ بتا دی گئی تاکہ ممبر شپ کر سکیں۔ بعد ازاں اس پروگرام میں عوامی نمائندوں کا بھاری تعداد میں شرکت کرنے کی وجہ بھی یہی بنی کہ عوامی

نمائندوں کو فیس بھی دینی پڑے ،گاڑی بھی اپنی اور پٹرول کے ساتھ ساتھ قیمتی وقت بھی اس لیے کنارہ کشی کو ہی بہتر سمجھا گیا۔ 21 مارچ کو صدر ریاست نے راولاکوٹ آنا تھا،انیس اور بیس مارچ کو بجلی کی غیر اعلانیہ لوڈ شیڈنگ کے خلاف انجمن تاجران اور مقامی ٹرانسپورٹ یونین کی کال پر بھرپور شٹر داؤن اور پہیہ جام ہڑتال کی گئی، شہر کے تمام معاملات ٹھپ ہو کر رہ گئے انتظامیہ صلح صفائی کی کوششوں میں مصروف رہی ، ہڑتال کے پہلے دن رات کے اندھیرے میں مقامی ٹرانسپورٹ یونین کو توڑ کر پاکستان پیپلز پارٹی کے زیر نگرانی نئی تنظیم بنائی گئی جس نے اعلان کیا کہ ہڑتال موخر کر دی گئی ہے لیکن دوسرے دن ہڑتال دن بھر جاری رہی ۔ بالآخر دوسرے دن شب کے وقت انتظامیہ اور ہڑتال کرنے والوں میں مذاکرات کامیاب ہو گئے ،بعد ازاں علم ہوا کہ واپڈا حکام نے تحریری معاہدہ کیا ہے کہ راولاکوٹ کو جو بجلی مہیا کی جائے گی اس میں سے 60 فیصد انہیں مہیا کی جائے گی جس پر احتجاج کی کال واپس لے لی گئی ،صدر ریاست یعقوب خان اپنے آبائی شہر راولاکوٹ آئے تو راولاکوٹ کو میگا پراجیکٹس دینے پر ان کا فقید المثال استقبال کیا گیا ،ریلیاں نکالی گئیں ،شامیانے بجائے گئے لیکن پونچھ ٹورازم فیسٹیول کے حوالے سے ذرا برابر بھی ذکر نہ کیا گیا میری معلومات کے مطابق نہ صدر ریاست ریاست کو اس پروگرام میں شرکت کا کہا گیا۔ 23 مارچ کو جمعہ کے روز دن 11 بجے ریلی نے روانہ ہونا تھا تب ریلی کے وقت کو اچانک تبدیل کر دیا گیا ،اب اس ریلی نے جمعہ کی نماز کے بعد ہجوسہ کی

طرف نکلنا تھا، راقم کے اس فیسٹیول کے حوالے سے دلی جذبات تھے جن کے اظہار کیلئے اس نے انہیں عملی شکل پہنانے کیلئے اس دن دیگر مصروفیات چھوڑ کر منتظمین پروگرام کے ساتھ شریک ہوگیا، بنجوسہ میں اسسٹنٹ کمشنر کے ساتھ سٹیج کی تیاری کے بعد ریلی میں شریک ہونے کیلئے جب واپس راولاکوٹ شہر پہنچے تو مقامی ہوٹل کے سامنے زیادہ تر سرکاری گاڑیاں اور چند پرائیویٹ گاڑیاں کھڑی تھیں، کمشنر پونچھ سمیت چند دیگر ضلعی آفیسران اپنی گاڑیوں کے ساتھ کھڑے تھے، سرخ رنگ کی ٹورازم فیسٹیول کیپ ہر طرف نظر آرہی تھیں جن پر ٹورازم فیسٹیول کا 'لوگو' صرف قریب سے دیکھنے سے ہی دکھائی دیتا ہے۔ ریلی جو تقریباً 25 سے 30 گاڑیوں اور چار، پانچ موٹر سائیکلوں پر مشتمل تھی اس میں زیادہ تعداد انتظامیہ اور صحافی حضرات کی تھی، جبکہ بچوں کے علاوہ تاجران میں سے بھی کچھ نے اس کار ریلی میں شرکت کی، شرکاء ریلی شہر کا چکر لگانے کے بعد بنجوسہ کی طرف روانہ ہوئی، آہستہ رفتار سے سفر کرتی ہوئی یہ ریلی قریباً ایک گھنٹہ میں بنجوسہ پہنچی، جھیل کنارے اختتامی تقریب کا انتظام ایک پرائیویٹ ادارے نے اپنے طور پر کیا تھا، ضلعی آفیسران اور دیگر اعلیٰ عہدیداران کیلئے کرسیوں کا اور بچوں اور سول سوسائیٹی کیلئے گھاس پر بیٹھنے کا انتظام تھا، سیاحوں کی ایک بڑی تعداد کے علاوہ اس تنظیم کے نمائندے بھی پہلے سے موجود تھے جس نے اس فیسٹیول میں کوئی بھی غیر اسلامی کام کرنے سے منع کر رکھا تھا انہوں نے بھی اس سادگی سے مزین پروگرام کو دیکھا، شرکاء ریلی

میں سے کچھ شخصیات کو حاضرین مجلس سے مخاطب ہونے کا موقع بھی ملا جس میں زیادہ تر مقررین نے منتظمین کے اس اقدام کی تعریف کی خاص کر مظفرآباد سے تعلق رکھنے والے راولاکوٹ میں تعینات اسٹنٹ کمشنر کو دیگر محکمہ جات کی عدم دلچسپی اور سپورٹ کے بغیر پروگرام آرگنائیز کروانے پر سراہا گیا اور اس طرح کی سرگرمیوں کو جاری رکھنے کی یقین دہانی کروائی گئی ۔آخر میں ٹھنڈے مشروب اور بسکٹس سے شرکاء اور مہمانان کی تواضع کی گئی اس کار ریلی کے بعد تجزیہ نگاروں کا کہنا تھا کہ پونچھ ٹورازم فیسٹیول کی جس طرح سے ابتداء کی گئی ہے اس سے یہاں کی سیاحت کو فروغ ملنے کی امید ہے ۔ابھی اس فیسٹیول کے سلسلہ میں میٹنگز کا انعقاد کیا جا رہا ہے اور عوام کو اخبارا تکے ذریعے بتانے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ فیسٹیول کے حوالے سے ابھی پروگرامات کیے جانے باقی ہیں جو کہ خوش آئیند امر ہے لیکن اس کے ساتھ ہی مختلف طبقات کی جانب سے تحفظات و خدشات کا سامنا بھی ہے ۔ناقدین کا کہنا ہے کہ مذہبی اقدار پر سمجھوتا کسی صورت نہیں کیا جانا چاہیے اور نہ ہی کسی مخصوص گروپ کی وجہ سے منتظمین کو مصلحت کا شکار ہونا چاہیے ایک طرف سے آوازیں اٹھ رہی ہیں اور کہا جا رہا ہے کہ ایک مخصوص طبقہ ہی پونچھ ٹورازم فیسٹیول کے انعقاد اور اس کے کریڈٹ لینے کی دوڑ میں ہے بے شک اس طبقہ میں بہت ہی قابل اور ذمہ دار لوگ موجود ہیں جن کا پروگرامات کے سلسلہ میں ایک اہم کردار رہا ہے لیکن اب وقت بدل رہا ہے اس لیے پرانے ماہروں کے ساتھ ساتھ نئے لوگوں کو سامنے آنے

دیا جانا چاہیے، اس بڑے کام میں تضاد پھیلنے کا خدشہ ابھی موجود ہے جس کو دور کیا جانا وقت کی اہم ضرورت ہے، دوسرا یہ کہ اتنی فیس دے کر ریلی میں شریک ہونے کی روایت یہاں موجود نہیں تاہم ملک کے دیگر بڑے شہروں میں بناء فیس لیے اس طرح کی ریلی میں شریک نہیں ہونے دیا جاتا، لیکن ابھی یہاں ابتداء ہے اس لیے منتظمین ایسے ایونٹس میں شرکاء کو ریلیف دینے کیلئے پرائیویٹ سیکٹر سے تعاون لیں تا کہ شرکاء پر بوجھ نہ پڑے زیادہ تعداد میں لوگ شریک ہوں اور عوامی دلچسپی بڑھے ۔اس مرتبہ بھی شرکاء ریلی میں سے سوائے چند ایک کے کسی نے بھی فیس نہیں دی اور تقریباً اڑھائی سو روپے میں بننے والی ایک ٹورازم کیپ بھی مفت میں تقسیم کی گئیں۔ اس کار ریلی سے تو ابتداء ہوئی ہے لیکن ابھی اس فیسٹیول کے حوالے سے دیگر بہت سے پروگرامات رہتے ہیں جن سے سیاحت کو فروغ دیا جانا باقی ہے ،انتظامیہ فیسٹیول سے گزارش ہے کہ سب کو خوش کرنا تو ممکن نہیں لیکن منتظمین کو اتنا تو چاہیے کہ پونچھ ٹورازم فیسٹیول میں جس طرح تعصب کا عنصر نمودار ہو رہا ہے اس کو ذائل کرنے کیلئے کام کیا جائے اور دیگر ایسے لوگوں جن کو سائیڈ لائن کرنے کی کوشش کی جارہی ہے ان کو بھی پروگرام کا حصہ بنایا جائے تا کہ اس عظیم کام جس کو شروع کرنے میں منتظمین کو سخت دشواریوں کے ساتھ ساتھ دیگر بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہے سے بھرپور فائدہ اٹھایا جائے اور اس فیسٹیول کو متنازعہ ہونے سے بچایا جائے ، پونچھ راولاکوٹ میں یہ اپنی نوعیت کا منفرد پروگرام

ہے جس کو ہر صورت جاری رہنا چاہیے کیونکہ اس کو کوئی سیاسی جماعت یا صرف حکومتی محکمہ سپانسر نہیں کر رہا اس لیے اس میں سب کو بلا تخصیص نمائندگی دی جانی چاہیے لیکن اس میں پسند ناپسند اور مختلف گروپس کی آپسی آگے نکلنے کی دوڑ سے اگر ایسے پروگرام کو نقصان پہنچتا ہے تو اس کی ذمہ داری بھی منتظمین کے ذمے ہو گی لہٰذا منتظمین و ماہرین سے استدعا ہے کہ خدارا پونچھ ٹورازم فیسٹیول کے نام سے شروع ہونے والے اس پروگرام کو کسی ایک گروہ نہیں بلکہ تمام تعصبات سے پاک رکھا جائے اس میں پونچھ بھر سے نمائندگی دی جائے، بلا شبہ راولاکوٹ کی اپنی اہمیت لیکن پونچھ میں صرف راولاکوٹ ہی تو شامل نہیں جس کو سیاحت میں فروغ کی ضرورت ہے بلکہ دیگر بے شمار علاقے ہیں جن میں تھوراڑ، جھیرہ عباسپور، تراڑ کھل، داتوٹ یا چھیوٹ، علی سوجل وغیرہ شامل ہیں ان علاقوں کو بھی پونچھ ٹورازم فیسٹیول میں جگہ دی جائے، راقم جس طرح پروگرام میں بناء کسی ذاتی لالچ کے دلچسپی لے رہا تھا اس کو نا معلوم وجوہات کی بناء پر اس پروگرام سے الگ کر دیا گیا لیکن اس کے باوجود راقم اس ٹورازم فیسٹیول کیلئے نیک تمناء رکھتا ہے کیونکہ ایسے فیسٹیول کسی کی بھی ذات کے محتاج نہیں ہوا کرتے بلکہ افراد ان کو کامیاب و ناکام کیا کرتے ہیں، اس لیے قلم سے اپنی مشاورت کو جاری رکھنا ہماری ذمہ داری بھی ہے اس لیے ل منتظمین سے ایک اور درد مندانہ گزارش یہ کہ اس پروگرام کو کسی مخصوص طبقہ کی جھولی میں نہ رکھا جائے بلکہ تمام تعصبات سے بالاتر رکھ کر پونچھ کے باسیوں اور

سول سوسائیٹی کے نمائندوں کی مشاورت اور مختلف شعبہ جات سے تعلق رکھنے والے ماہرین کو شامل کر کہ پونچھ لیول کے اس پروگرام کو اس طرح ترتیب دیا جائے کہ اس میں عوام کی نمائندگی و دلچسپی زیادہ سے زیادہ ہو۔ عوام اور طلبہ سے بھی التماس ہے کہ ایسے پروگرامات میں زیادہ سے زیادہ شرکت کریں، یہاں پر ایک نیا ٹرینڈ متعارف ہو رہا ہے جس کی ہمیں ضرورت بھی ہے اسلیے دنیا جو گلوبل ویلج بن چکی ہے میں خود کو بھی شامل کریں اور ملک و قوم کی بہتری و بھلائی کیلئے باہر نکلیں اور ایسی مثبت سرگرمیوں میں شریک ہو کر انہیں کامیاب کریں۔

میڈیا کو موجودہ دور میں کامیابی حاصل کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ قرار دیا جاتا ہے اس لیے ضرورت اس امر کی بھی ہے کہ پرنٹ میڈیا کے ساتھ ساتھ الیکٹرانک میڈیا کو بھی پونچھ ڈویژن میں لانے کی کوشش کی جائے یہ کام مشکل ضرور لیکن ناممکن نہیں ہے ایسے مثبت اقدامات کرنے سے صحیح معنوں میں سیاحت کو فروغ دیا جا کے ریاست کے باسی ترقی کریں گے اور نئے لوگ نئے خیالات و احساسات کے ساتھ میدان میں آئیں گے۔

وزیر اعظم کا دورہ راولاکوٹ اور 9 ماہ کی حکومتی کارکردگی

آزاد کشمیر کی حکومت قائم ہوئے ابھی سال پورا ہونے میں بھی 3 ماہ باقی ہیں اور پہلے بجٹ کی تیاریاں بھی شروع کر دی گئی ہیں ،اس مختصر دورانیے میں وزیر اعظم چوہدری عبدالمجید نے 10 مرتبہ کابینہ میں توسیع کر دی ہے لیکن مسائل ہیں کہ حل ہونے کو نہیں آ رہے جس کی واضح مثال موجودہ 31 ممبران اسمبلی میں بھی گروپ بندیاں ہیں جو کہ موصوف وزیر اعظم صاحب سے ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی اور اکثر و بیشتر وزیر اعظم کے خلاف عدم اعتماد کی باتیں بھی میڈیا میں آ رہی ہیں،اہم حلقوں کی طرف سے کہا جا رہا ہے کہ وزیر اعظم ایک کمزور اعصاب کے مالک شخص ہیں گروپنگ کی وجہ سے وزیر اعظم کو ممبران اسمبلی بلیک میل کر رہے ہیں جس کی وجہ سے موصوف وزیر اعظم صاحب چڑ چڑے پن کا شکار ہو رہے ہیں جس کی واضح مثال ہم نے گزشتہ دنوں ان کے دورہ راولاکوٹ میں ضلعی محکمہ جات کے جائزہ اجلاس کے بعد منعقدہ صحافیوں کے ساتھ ایک نشست کے دوران دیکھی ، موصوف نے انتہائی روکھے پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی حکومتی کارکردگی پر کیے جانے والے سوالات پر انتہائی.برہم انداز میں ڈانٹ پلا کر صحافیوں کو محدود کرنے کی کامیاب کوشش کی ،حکومتی مالیاتی بحران کے حوالے سے جب سوال کیا گیا تو موصوف نے توقع کے انتہائی.برخلاف انتہائی گرجدار آواز میں اس سوال کے جواب

میں کہا کہ خاموش۔۔۔۔۔ کون کہتا ہے یہ۔۔۔ ایسا کچھ نہیں ہے۔۔۔ حکومت مالیاتی بحران کا شکار ہر گز نہیں ہے انہوں نے میڈیکل کالجز اور دوسرے پراجیکٹ کے حوالے باتیں کر کہ مالیاتی خسارے کے سول کو گول مول کر لیا۔آج کے دور میں مفادات اور حق حقوق کی جنگ تو سب ہی لڑتے ہیں اسی تناظر میں جب وزیر اعظم صاحب کو میڈیا کے نمائندگان کیلئے ہاؤ سنگ سوسائیٹی کے حوالے سے ہونے والی محکمہ جنگلات کی طرف سے رکاوٹوں کی اطلاع دی گئی تو انہوں نے اپنے آپ کو انتہائی مظبوط ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کہا کہ '' میں'' جنگلات کی زمین میں ایک انچ بھی نہیں دوں گا ان کی اس'' میں '' سے جو تاثر مل رہا تھا اس میں موصوف حاکم اور وہاں موجود دیگر لوگ محکوم معلوم ہو رہے تھے کیونکہ اس وقت ضلعی محکمانہ جائزہ اجلاس میں اسپیکر اسمبلی غلام صادق ،چیئرمین پبلک اکاؤنٹ کمیٹی عابد حسین عابد ، دیگر وزیر جن میں پرویز اشرف، میاں عبدالوحید اور محترمہ فرازانہ یعقوب کے علاوہ مسلم کانفرنس کے ممبر اسمبلی سیاب خالد بھی ان کے ساتھ شریک مجلس تھے جس وجہ سے ان کو اپنے اوپر زیادہ ہی اعتماد ہو گیا جس وجہ سے موصوف '' میں '' کا استعمال بار بار کرتے رہے خیر موصوف اس وقت وزارت عظمی کا قلمدان سنبھالے ہوئے ہیں اور مجھ جیسے ، ہزاروں کو ایک قلمی مار سے کہیں سے کہیں پہنچانے کی طاقت بھی رکھتے ہیں لیکن ابھی موصوف سے ایسے عمل کی ان سے توقع نہیں ہے۔خیر بات چل رہی تھی ہاؤ سنگ سوسائیٹی کی تو موصوف اس کو صحافیوں کیلئے مزید کٹھن اور طول دے کر چلے گئے

اور جاتے جاتے صحافیوں کو مخاطب کر کہ یہ بھی کہہ گئے کہ آپ جو کچھ بھی لکھ سکتے ہیں لکھ لیں مجھے آپ کے لکھنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا اس میں 'شامل محفل' تمام قلمکار بھی داد کے مستحق ہیں کہ کسی نے بھی وزیر اعظم صاحب کے ایسے الفاظ کی دبے الفاظ میں بھی مذمت نہیں کی ، موصوف کے دورہ راولاکوٹ میں انکے شیڈول پروگرام کے آخر میں پونچھ ٹورازم فیسٹیول کی اختتامی تقریب تھی موصوف وزیر اعظم صاحب نے نمائش کا دورہ کیا انھوں نے جو الفاظ تاریخی ہتھیاروں کے سٹال پر ان کو دیکھتے ہوئے ادا کیے ان کو نمائش منعقدین اور وہاں موجود لوگ بھول نہیں پائیں گے ،اس کے علاوہ بھی بہت سے لوگ ایسے تھے جو موصوف کو شائد نرم گوشہ یا سوج بھوج نہ رکھنے والا سمجھنے کی بھول میں تھے ان کو بھی اپنی رائے میں فوراً تبدیلی لانا پڑی ، ان کے اس دورہ میں مقامی صحافیوں سے کی جانی والی غیر معیاری گفتگو نے مقامی صحافیوں کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کیا ہے خاص کر اس پہاڑی علاقے میں پرنٹ میڈیا کی ابھی سہولت موجود نہ ہونے سے موصوف نے فائدہ اٹھایا ہے ورنہ بڑے شہروں میں اس طرح کے انداز گفتگو کے چرچے بھی فوری عام ہو جاتے ہیں اور بڑے بڑوں کو صحافیوں سے گفتگو کرتے ہوئے اپنے الفاظ کا چناؤ کرنا پڑتا ہے۔ اس دورہ میں موصوف کیلئے ایک مشکل یہ بھی تھی کہ پونچھ میں ایک تو صدر ریاست کی مقبولیت اور ان کے ترقیاتی کاموں کی وجہ سے موصوف کو وہ پذیرائی نہیں مل سکی جو وزارت عظمٰی کے قلمدان سنبھالنے والوں کو دی جاتی ہے جبکہ پاکستان پیپلز

پارٹی پونچھ میں پایا جانے والا آپسی گہرا اختلاف جو پہلے سے گروپنگ کا شکار ہے موجودہ سیاسی ایڈجسٹمنوں کی وجہ سے اختلاف شدت اختیار کر چکا ہے اس کو بھی وزیر اعظم صاحب جو پارٹی سربراہ بھی ہیں اس آپسی ناراضگی کوتاحال حل نہیں کرواسکے یہ تو وزیر اعظم صاحب کے دورہ راولاکوٹ کا انتہائی مختصراً احوال قارئین کو پیش کیا ہے اب موصوف کی حکومتی کارکردگی کا جائزہ بھی لے لیتے ہیں چوہدری عبدالمجید صاحب کو اقتدار ملے 9 ماہ کا عرصہ بیت چکا ہے اس مختصر عرصہ میں وہ متعدد بار حکومتی سیکریٹریز سربراہان محکمہ جات اور بیوروکریٹس کو اس برق رفتاری سے تبدیل کر رہے ہیں، کہگزشتہ تمام ریکارڈ بھی ٹوٹنے کا خدشہ ہے موصوف جو صحافیوں پر گرج اور برس رہے تھے کی حاکمیت کا اصل حال یہ ہے کہ ایک دن تبادلے کا حکم نامہ جاری کرتے ہیں اور کچھ ہی لمحوں میں اس حکم نامے کی منسوخی کا نوٹیفکیشن جاری کر دیا جاتا ہے بلدیاتی ادارہ جات اور دیگر ترقیاتی ادارہ جات میں سیاسی ایڈجسٹمنٹوں کا انبار لگا دیا گیا ہے جب کہ تمام ترقیاتی کاموں جن میں سڑکوں، ہسپتالوں، سکولوں اور دیگر ترقیاتی کاموں کو ایک نوٹیفکیشن کے ذریعے روک دیا گیا ہے جو سمجھداروں کیلئے لمحہ فکریہ ہے۔ کشمیر لبریشن سیل جس کو 24 سال قبل سابق صدر و وزیر اعظم سکندر حیات نے جہاد کشمیر کیلئے قائم کیا تھا اس فنڈ کو آج سیاسی جیالوں کو نوازنے کیلئے استعمال کیا جارہا ہے اس فنڈ کو سرکاری ملازمین کی تنخواہوں، بجلی، پانی سمیت دیگر منصوبہ جات کی رقوم سے کٹوتی کرکے بھرا جا

تا ہے اس فنڈ کی شفافیت پر خدشہ کا اظہار کرنا اصولی اس لیے بھی معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس کو ایک ایکٹ کے تحت کنٹرول کر لیا گیا تھا کہ جس میں واضح ہے کہ اس فنڈ کے بارے میں کوئی بھی پوچھ کچھ نہیں کر سکتا۔ مقبوضہ کشمیر کے عوام کی آزادی کیلئے قائم ہونے والے اس فنڈ کو خفیہ فنڈ بھی کہنا درست ہے عوامی خون پسینہ سے کی گئی کٹوتی جو ایک اندازے کے مطابق سالانہ 1 ارب سے زاید بنتی ہے اس بھاری رقم میں سے جس کو مرضی جتنا نواز دو کوئی پوچھنے والا نہیں۔ موصوف وزراعظم صاحب کو یہ بتانا ضروری ہے کہ اپنی اکھڑ مزاجی سے باہر نکلیں اور حقیقت کا اصل رخ بھی دیکھ لیں انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ 40 لاکھ نفوس پر مشتمل اس آزاد کشمیر میں سے 10 لاکھ کے قریب لوگ بیرون ملک روزگار حاصل کر رہے ہیں 1 لاکھ کے قریب سرکاری ملازم ہیں اور پاک فوج میں بھی 1 لاکھ کے قریب کشمیری فوجی خدمات سرانجام دے رہے ہیں گو کہ آج تک قائم ہونے والی کوئی بھی حکومت ان تمام حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے بہتر حکمت عملی بنانے میں کامیاب نہیں ہو سکی جبکہ اگر ایک مناسب حکمت عملی سے فرض شناس لوگ ان لوگوں سے فائدہ اٹھائیں تو یہی آزاد کشمیر دنیا کیلئے ایک بہترین ماڈل بن سکتا ہے گزشتہ اور موجودہ حکومت ان حقائق سے فائدہ نہیں اٹھا سکی ہیں جس کی بے شمار وجوہات میں سے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جو لوگ بھی حکومتی سیٹ اپ میں آتے ہیں سوائے چند گنے چنے افراد کے وہ بھاری رقم خرچ کر کہ حکومتی سیٹ اپ میں آتے ہیں اور حکومت میں آنے پر وہ اپنی مرضی سے

وزارتوں کی تقسیم میں بھی بھاری رقوم خرچ کرتے ہیں اب فیصلہ قارئین ہی کر سکتے ہیں کہ یہ لوگ حکومت میں وزارتیں لے کر عوامی خدمت کریں گے یا اپنی رقوم کو ڈبل کرنے کے بعد مستقبل کی حکومت میں شامل ہونے کیلئے بار بار ڈبل کرنے کی مشق کریں گے ۔ایسا عمل صرف پیپلز پارٹی کی حکومت ہی نہیں کر رہی بلکہ وفاق میں بھی جو حکومتیں قائم ہوتی ہیں وہ بھی پیسہ کی گیم پے بنتی اور ٹوٹتی ہیں ان کی ہی دیکھا دیکھی آزاد کشمیر کے حکومتی لوگ بھی خربوزے کی طرح رنگ پکڑتے ہیں ۔ موصوف وزیر اعظم صاحب کو کیا یہ نہیں معلوم کہ حصول اقتدار کیلئے اربوں کی بولی لگتی ہے ۔۔؟ تمام ایسے لوگ جو سیاسی ہیر پھیر سے واقفیت رکھتے ہیں انہیں معلوم ہے کہ گزشتہ دو عشروں سے آزاد کشمیر میں جو بھی حکومتیں قائم ہوتی ہیں ان میں جو جتنی بھاری رقم خرچ کرتا ہے اس کو اسی رقم کے معیار کے مطابق عہدے دیئے جاتے ہیں ۔یہ سب کچھ اگر پیسوں نہیں ہوتا تو گزشتہ حکومت کے پانچ سالوں میں چار وزیر اعظم صاحبان کیسے تبدیل ہو گئے ۔۔؟ کشمیر کونسل کیلئے جن لوگوں کو منتخب کیا جاتا ہے ان کی بولیوں سے کون نا واقف ہے؟ ان سوالات کے جوابات تو متعلقین ہی کو بہتر معلوم ہیں لیکن وہ جوان آخر کس کو اور کیوں دیں ۔۔؟ احتساب بیورو آزاد کشمیر کے نے کرپشن کے خلاف جو کام شروع کیا اس کو بھی کنٹرول میں لانے کیلئے متعلقین نے حکمت عملی وضع کر کہ اس پر کام شروع کر دیا ہے ۔اب اقتدار اور وزارتوں کیلئے ہی پیسہ کا خرچ نہیں کیا جارہا بلکہ اب تو جو حکومتی مشیر لگائے جاتے ہیں ان کی

قیمتیں بھی کروڑوں میں کی جاتی ہے اور ضلعی محکمانہ چارج سنبھالنے کیلئے بھی بڑی بڑی بولیاں لگتی ہیں وزیر اعظم صاحب کو غور کرنا چاہیے کہ ان کو اپنے اس مختصر مدت اقتدار پر نظر دوڑانی چاہیے تو ان پر واضح ہو جاتا ہے کہ 9 ماہ کے عرصہ میں 8 مشیر حکومت تعینات ہو چکے ہیں اور بہت سے لوگ ابھی اس لائن میں کھڑے اپنی باری کا انتظار کر رہے ہیں، موصوف وزیر اعظم صاحب کی حکومت پر نظر دوڑائیں کہ 49 ممبران کے ایوان میں ان کے پاس 31 ممبران کی نمائیندگی موجود ہے جن میں سے وزراء حکومت ، ایک اسپیکر ایک ،ڈپٹی اسپیکر ایک چیئرمین پبلک اکاؤنٹ کمیٹی اور 24 پارلیمانی سیکریٹری کے علاوہ دو ممبران جن میں سابق وزیر اعظم سلطان محمود چوہدری اور پیر عتیق الرحمان شامل ہیں ان میں سے بھی سلطان محمود چوہدری صاحب کی نظری اقتدار کی کرسی پر جبکہ پیر صاحب اپنی من پسند وزارت کا قلمدان جلد سنبھالتے ہوئے نظر آ رہے ہیں اب موصوف وزیر اعظم صاحب کو اپنے رویے میں تبدیلی لانے کی ضرورت ہے اور وزارتیں اور مشاورتیں بانٹنے کے بجائے حقیقی معنوں میں عملی کام کرنا ہونگے ورنہ ان کا موجودہ مذاج انہیں بھی گزشتہ حاکموں کی طرح غرق کر سکتا ہے ۔یہ تو آزاد کشمیر میں موجود حکومتی کی کارکردگی پر مختصری رپورٹ ہے آئیندہ آنے والی تحریر میں اپوزیشن جماعتوں کی کارکردگی کو قارئین کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

چوہدری مجید صاحب یہ کرپشن و ناانصافی کیوں دکھائی نہیں دیتی

آزاد کشمیر میں قائم موجودہ حکومت جو کرپشن میں اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتی ،اس حکومت کی انتقامی کاروائیوں کا سلسلہ جاری و ساری ہے ،دیانت دار اور فرض شناس آفیسران کو کھڈے لائن کرنے اور سرکاری وسائل کو بے دریغ استعمال کیا جانے لگا ہے ، وزراء حکومت نے دیانت دار آفیسران کو ذاتی مفاد کیلئے کھڈے لائن لگانے اور سرکاری وسائل کا ناجائز و بے دریغ استعمال کا سلسلہ عروج پر کر رکھا ہے۔ موجودہ حکومت جو وفاقی حکومت کے تمام احکامات کو بجالانے میں دیر نہیں کرتی اور مجید حکومت کی کرپشن کے قصے زبان زد عام ہیں ایک طرف سینئر وزیر چوہدری یاسین کے تحفظات ہیں جن کو کسی بھی طور پر معمولی نہیں لیا جاسکتا دوسری طرف موجودہ حکومت کے اہم حصہ دار سابق وزیر اعظم بیرسٹر سلطان محمود چوہدری مجید حکومت کی کارکردگی کو آڑے ہاتھوں لیتے ہوئے اسے الٹی میٹم بھی دیتے رہتے ہیں اس لیے بیرسٹر سلطان محمود چوہدری کے مجید حکومت پر لگائے جانے والے سنگین الزامات کو کسی بھی صورت نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، وزیر اعظم جو اکثر کارکنان و میڈیا پر برستے و گرجتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں کی اصلیت یہ ہے کہ جب وزیر اعظم اپنے اختیارات استعمال کرتے ہوئے حکومتی انتظامات کو چلانے کیلئے بیوروکریسی میں سے کسی کے تبادلے کا نوٹیفیکیشن

ہی کر دیں تو دوسرے ہی لمحے ان کے ہی دستخط شدہ نوٹیفکیشن کو منسوخ کر دیا جاتا ہے اور نیا نوٹیفکیشن جاری کر دیا جاتا ہے جس سے ان کی کمزور حکومت سب کے سامنے نمایاں ہو جاتی ہے، باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ ایک طرف تو بعض وزراء نے وفاق میں اپنے تجارتی پارٹنر تلاش کر لیے ہیں جن کے ذریعے محکمہ جات کو پرائیویٹائیزڈ کر کہ مال بنانے کا بڑا ذریعہ بنایا جا رہا ہے دوسری طرف جو محکمے فائدے میں بھی چل رہے ہیں ان سے دیانت دار آفیسران کو کھڈے لائن لگایا جا رہا ہے تا کہ ان انتظامی اور مالیاتی پوسٹوں پر اپنی مرضی کے بندے بھرتی کر کے کام آسان کیا جا سکے، اس رپورٹ کی تیاری کے دوران کئی انکشافات سامنے آئے جن سے مجید حکومت کی بے حالی اور بدانتظامی کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے رپورٹ تیار کرنے کے دوران علم ہوا کہ ڈڈیال سے تعلق رکھنے والے برطانیہ پلٹ وزیر حکومت واجدالرحمان مبینہ طور پر مال بنانے میں مصروف عمل پائے گئے ہیں، حکومتی وزیر واجد الرحمان جو برطانیہ میں رہتے ہوئے بھی سیاست میں خاصے ایکٹو رہے ہیں موجودہ حکومت میں وہ اوور سیئرز کی سیٹ پر ممبر آزاد کشمیر اسمبلی منتخب ہوئے ہیں جن کو بعد میں محکمہ وائلڈ لائف اینڈ فشریز کی وزارت دے دی گئی ۔ باوثوق ذرائع نے بتایا ہے کہ واجد الرحمان مبینہ طور پر نجی محفلوں میں یہ کہتے ہوئے سنے گئے ہیں کہ انہوں نے اس وزارت کو حاصل کرنے کیلئے کروڑ روپے خرچ کیے ہیں اب قارئین ہی یہ بہتر فیصلہ کر سکتے ہیں کہ چوہدری مجید 5 حکومت کہ یہ اہم وزیر پانچ کروڑ

روپے کو متعلقہ وزارت سے ہی پورا کرنے کی حکمت عملی بنائیں گے یا کہیں اور سے خسارا پورا کرکہ منافع ڈبل کرنے میں صرف کریں گے۔ باوثوق ذرائع نے بتایا ہے کہ وزیر موصوف واجد الرحمان نے سابق ڈائیریکٹر وائلڈ لائف آزاد کشمیر جاوید ایوب کو جن کا تعلق راولاکوٹ سے بتایاجاتاہے کو ذاتی اعناد کی بنیاد پر محکمہ سے اوایس ڈی کروانے کی کوشش کی جس کی واضح مثال یہ ہے کہ انہوں نے محکمہ کے سیکریٹری چوہدری منیر کو بھی کسی خاطر میں نہ لاتے ہوئے بائی پاس کرتے ہوئے سابق ڈائیریکٹر کو اوایس ڈی کرنے کی درخواست چیف سیکریٹری تک پہنچائی تھی جس کو چیف سیکریٹری نے متعلقہ آفیسر کی فرض شناسی دیکھتے ہوئے منظور کرنے سے انکار کر دیا۔ محکمانہ سیکریٹری چوہدری منیر سے جب ذرائع نے اس واقع کی تصدیق کرنی چاہی تو انہوں نے صرف اتنی تصدیق کی کہ جاوید ایوب کو اوایس ڈی بنانے کیلئے ان سے رابطہ نہیں کیاگیا۔ ذرائع اس تبادلے کی دو وجوہات بتاتے ہیں ایک یہ کہ وزیر موصوف کے کچھ دوستوں و رشتہ داروں نے سیر سپاٹہ کرنے کیلئے وزیر موصوف سے گاڑی مانگی تو انہوں نے محکمہ وائلڈ لائف کے ڈائیریکٹر جاوید ایوب سے اپنے پرسنل اسسٹنٹ کے ذریعے کچھ وقت کیلئے گاڑی مستعار لی، یہ گاڑی محکمہ وائلڈ لائف کی طرف سے ڈائریکٹر جاوید ایوب کو استعمال کیلئے دی گئی تھی، تحقیق کرنے پر علم ہواکہ گاڑی کانمبر MD-572 ہے اور اس گاڑی کے محکمانہ ڈرائیورکانام راشد ہے اس گاڑی کو موصوف وزیر واجد الرحمان کے دوست و رشتہ دار سیر سپاٹے کیلئے استعال کرتے رہے

مزید تحقیق کرنے پر علم ہوا کہ وزیر موصوف کے دوست احباب اس گاڑی سے پیر چناسی،ہتہ پانی، مری ،راولپنڈی اور اسلام آباد گھومتے رہے ہیں،دوسرے مرحلے میں وزیر موصوف نے میرپور میں وائلڈ لائف کی قیمتی زمین کو مبینہ طور پر بیچنے کا منصوبہ بنایا اس منصوبہ کو تکمیل تک پہنچانے کیلئے وزیر موصوف نے محکمہ کے کسی بھی آفیسر کو مطلع کیے بغیر اپنے کارندوں کے ذریعے میرپور میں محکمہ کی زمین کی پیمائش شروع کر وادی جب اس پیمائش کا علم ڈپٹی ڈائیریکٹر کو ہوا تو انہوں نے ان کارندوں کو محکمہ کی زمین فوری طور پر چھوڑنے کا حکم دیا اور دوسری جانب انہوں نے اپنے استعمال کی محکمانہ گاڑی واپس مانگی تو وزیر موصوف واجدالرحمان سیخ پا ہو گئے اور متعلقہ آفیسر کو معطل کروانے کی کوشش کی ذرائع بتاتے ہیں کہ وزیر وائلڈ لائف اینڈ فشریز واجدالرحمان نے غیر اصولی طور پر محکمہ کے سیکریٹری جو چوہدری منیر ہیں جو بائی پاس کرتے ہوئے ڈائیریکٹر جاوید ایوب کو اوایس ڈی بنانے کیلئے سمری وزیر اعظم کو بھیج دی ذرائع بتاتے ہیں کہ اس سمری کو چیف سیکریٹری نے ڈائیریکٹر جاوید ایوب کی دیانت داری اور فرض شناسی کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے نامنظور کر دیا، متعلقہ آفیسر سے رابطہ کرنے پر آفیسر مذکور نے تبصرہ کرنے سے انکار کر دیا لیکن اصرار کرنے پر انہوں نے صرف اس امر کی تصدیق کی کہ مجھے اوایس ڈی کرنے کی کوشش کی گئی تھی جس کو چیف سیکریٹری نے ناکام بنادیا اور اب ان کا تبادلہ بطور چیف پلاننگ اینڈ ڈیویلپمنٹ کر دیا گیا ہے ذرائع نے مزید تحقیق

کی تو معلوم ہوا کہ سابق ڈائیریکٹر جاوید ایوب نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے جب چارج سنبھالنے پہنچے تو معلوم ہوا کہ جس پوسٹ پر انہیں بھیجا گیا ہے یہ پوسٹ محکمہ یں موجود ہی نہیں ہے متعلقہ آفیسر نے محکمانہ گاڑی کے حوالے سے کسی بھی قسم کا تبصرہ کرنے سے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ متعلقہ محکمہ ہی اس کا بہتر جواب دے سکتا ہے جب کہ محکمہ کے نچلے اور درمیانے درجے کے ملازمین سے معلومات لی گئ تو انہوں نے اس امر کی تصدیق کر دی مختصراً یہ کہ ایک اور قابل و دیانت دار آفیسر کو کھڈے لائن کر دیا گیا جس پر آزاد کشمیر بھر کی بیوروکریسی میں بھی شدید تشویش پائی جاتی ہے ، سابق ڈائیریکٹر جاوید ایوب کے اس طرح تبادلے کے حوالے سے اور وائلڈ لائف کی میرپور میں موجود زمین کی فروخت کے حوالے سے متعلقہ وزیر وائلڈ لائف اینڈ فشریز واجد الرحمان سے اس حوالے سے فون پر معلومات لی گئیں تو انہوں نے جاوید ایوب کے حوالے سے بتایا ان کو سابق وزیر اعظم عتیق خان نے ڈائیریکٹر لگایا تھا لیکن مجھے میں ان کی کارکردگی سے مطمئین نہیں تھا جس کی وجہ سے میں نے ان کا تبادلہ کروایا ہے انہوں نے مزید بتایا کہ سابق ڈائیریکٹر کے ساتھ ان کی کوئی ذاتی اعناد نہیں ہے لیکن وہ ایک ایسے شخص کو اس سیٹ پر نہیں بٹھا سکتے جو محکمہ کی کاردگی کو بہتر نہ کر رہا ہو انہوں نے وزارت کو خریدنے کے حوالے سے کہا کہ ایسا کچھ نہیں ہے مجھے پیپلز پارٹی کے کارکنان نے یہاں تک پہنچایا ہے ۔زمین کی فروخت کے حوالے سے انہوں نے کہا کہ میں نے 100 کنال پر

چڑیا گھر بنانے کی تحریک کر دی ہے جس کیلئے فنڈز بھی منظور ہو چکے ہیں جن کی تفصیلات موجودہ ڈائیریکٹر سے لی جا سکتی ہیں، انہوں نے کہا کہ میں ہر وقت احتساب کیلئے تیار ہوں، انہوں نے کہا کہ منگلا ڈیم پر قیمتی النسل مچھلیوں کی پیداوار ہو رہی تھی لیکن سابق نا اہل انتظامیہ سے پوچھیں کہ وہ مچھلیوں کی پیداوار کہاں ہیں۔ سابق ڈائیریکٹر جاوید ایوب کے تبادلے کے حوالے سے تاثرات جاننے کیلئے جب چیئرمین ایمپلی منٹیشن کمیشن سردار نعیم شیراز سے فون پر رابطہ کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ کسی کا کہیں بھی تبادلہ کیا جا سکتا ہے آفیسران کو چاہیے کہ دیانت داری سے کام کرتے ہیں اور تبادلوں کی فکر نا کیا کریں یہی تبادلے کبھی آفیسران کے حق میں ہوتے ہیں اور کبھی نہیں جاوید ایوب کا جس جگہ تبادلہ کیا گیا ہے اگر وہاں پہلے سے پوسٹ موجود نہیں ہے تو محکمہ کی ذمہ داری بنتی ہے کہ ان کو بہتر ایڈجسٹ کرے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ وفاق اور وزراء کے ہاتھوں یرغمال وزیر اعظم جو اکثر بیانات دیتے رہتے ہیں کہ کرپشن کرنے والوں کو پھانسی پر لٹکا دیں گے اور خود کو احتساب کیلئے ہر وقت پیش کرنے کے دعوے کرتے ہیں جب کہ قلم کاروں کو یہ تک کہہ دیتے ہیں کہ جو مرضی لکھیں انہیں فرق نہیں پڑتا کیا یہ کمزور وزیر اعظم چوہدری مجید موصوف وزیر حکومت واجد الرحمان کے خلاف کوئی کاروائی کر پاتے بھی ہیں اور آیا یہ بھی دیکھنا یہ ہے کہ احتساب بیورو آزد کشمیر اس کے بارے میں کیا عملی کاروائی کرتا ہے یہ تو وقت ہی بتائے گا۔

سانحہ سیاچن اور زمینی حقائق

گزشتہ ماہ پاکستان کی تاریخ کا ایک بڑا سانحہ ہوا جس میں قوم کے 139 فوجی جوان جو شہادت کے جذبے سے سرشار تھے نے اپنے عزم و حوصلے کے مطابق وطن کی خاطر قربانی دی ،سیاچن کے اعصاب شکن برفانی علاقہ میں انسان اور فطرت کے مابین نا قابل یقین اور ماورائے فہم کشمکش اور مسابقت جاری رکھی اور ثابت کر دیا کہ ملک وقوم کی نگرانی کیلئے پاک وج ہر جگہ موجود ہے۔جہاں تک بات کی جائے اس المناک حادثے کی تو اس میں پاک فوج کے 139 افسروں،جوانوں اور سویلین افراد شامل ہیں ان افراد کا تعلق ملک کے چاروں صوبوں،آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان سے ہے ان قیمتی جانوں کو جانی کے لیے ایک طرف عسکری قیادت نے مشکل ترین صورتحال میں امدادی کاروائیوں کا امکانی حد تک متحرک نیٹ ورک قائم کیا ہے جس کے تحت فوجی انجینئرز اور ماہرین کی سرتوڑ کوشش ہے کہ ملبہ کو جلد ہٹا کر قیمتی انسانی جانوں کو زندہ سلامت نکال لیا جائے لیکن اب شاید بہت دیر ہو چکی ہے۔یاد رہے یہ تقریباً اسی طرز کی غیر معمولی امدادی کاروائی ہے جو چند ماہ قبل چلی کی حکومت نے کئی فٹ نیچے کان میں پھنسے اپنے کان کنوں کو فاتحانہ انداز یں باہر نکالنے کے لئے کی تھی۔خدا ہمیں اس مشن میں کامیابی عطا کرے۔آمین۔

بری فوج کے سربراہ جنرل اشفاق پرویز کیانی بھی بارہا اس علاقے کا دورہ کر چکے ہیں انہوں نے چند پہلے بھی اس جگہ کا دورہ کیا ہے اور وہاں کاروائی میں حصہ لینے والوں کی حوصلہ افزائی کی ہے، پاکستان سمیت دنیا بھر کے میڈیا کی نظریں بھی اس کاروائی پر گہری نظر رکھے ہوئے ہیں، دیگر فوجی حکام اور ماہرین علاقہ میں ریسکیو آپریشن کی نگرانی پر مامور ہیں۔ بلاشبہ سطح سمندر سے ہزاروں فٹ بلند یخ بستہ ہواؤں اور موسمیاتی شدتوں سے نبرد آزما ان بلند ترین چوٹیوں میں امن کے دورانئے میں اس دردانگیز سانحہ کی شدت کو عالمی برادری نے بھی محسوس کیا اور اس چیلنج سے نمٹنے میں امریکہ سمیت دیگر ممالک بھی پاکستان کے ساتھ عملاً کھڑے نظر آتے ہیں۔ برطانوی ہائی کمیشن نے بھی آرمی چیف جنرل اشفاق پرویز کیانی سے ٹیلی فون رابطہ کرکے ریسکیو آپریشن میں مدد پیشکش کی تھی جسکو بعد میں عملی شکل بھی دے دی گئی۔ چین کے دفتر خارجہ کے ترجمان لیووی من نے بتایا تھا کہ ان کی ہمدردیاں متاثرہ خاندانوں کے ساتھ ہیں تاہم سیاچن گلیشئرز پر برف باری شروع ہونے سے برفانی تودے تلے دبے 128 فوجیوں سمیت 139 افراد کو نکالنے کیلئے امدادی کاروائیوں میں رکاوٹوں کا سلسلہ جاری ہے، خراب موسم کے باوجود امریکی و دیگر برادر ملکوں کی امدادی ٹیمیں بھی ہفتوں سے جائے حادثہ پر پہنچ چکی ہیں اور امدادی کاروائیوں مصروف ہیں۔ اطلاعات ہیں کہ تودے میں 40 فٹ

لمبا، 30 فٹ چوڑا اور 10 فٹ گہرا راستہ بنا لیا گیا ہے اور دبے اہلکاروں کا اگرچہ کوئی سراغ نہیں ملا تاہم امدادی ٹیموں نے ابھی امید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ بتایا جاتا ہے کہ غیر ملکی امدادی ٹیموں کے پاس ایسے جدید آلات موجود ہیں جو برف کے اندر پچیس سے تیس میٹر اندر تک انسان کو دیکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں ملکی اور غیر ملکی امدادی ٹیمیں اس مشن میں کامیابی کیلئے رات دن کوشش کر رہی ہیں۔ آئی ایس پی آر کے مطابق تودے تلے دبے افراد کو نکالنے کیلئے کوششیں مزید تیز کر دی گئی ہیں تاہم خراب موسم کے باعث ہیلی کاپٹروں کی پروازیں متاثر ہونے سے امدادی کام وقتی تعطل کا شکار ہو جاتا ہے۔ ادھر جرمنی کی 6 رکنی ڈیزاسٹر مینجمنٹ اور سوئٹزر لینڈ کی 3 رکنی ماہرین کی ٹیم ریسکیو آپریشن میں تعاون کیلئے ہفتوں پہلے پاکستان پہنچ کر امدادی کام شروع کر چکی ہے، جرمن ٹیم اپنے ہمراہ ضروری آلات بھی لائی ہوئی ہے، جائے حادثہ پر اس وقت 286 جوان، 60 سویلین 5 ہیلی کاپڑوں، ڈوزرز اور برف کھودنے والی مشینوں کے ذریعے ریسکیو آپریشن میں حصہ لے رہے ہیں جبکہ ایس پی ڈی اور این ڈی ایم اے کی امدادی ٹیمیں بھی سیاچن پہنچ چکی ہیں، پاک فوج کے آفیشلز نے دبنے والے افراد کی تعداد 139 بتائی ہے جن میں 128 فوجی اور 11 سویلین شامل ہیں۔ ترجمان پاک فوج میجر جنرل اطہر عباس نے بتایا کہ تودے تلے دبے جوانوں کے زندہ ہونے کے بارے میں کچھ بھی وثوق سے نہیں کہا جا سکتا۔ تاہم اس سانحہ کے وسیع تر اور سٹریٹیجیکل تناظر میں میڈیا نے سیاچن کے

تنازع کا پھر سے تاریخی جائزہ لینا شروع کیا ہوا ہے اور یہ استدلال پیش کیا ہے کہ پاک بھارت تعلقات کو معمول پر لانے اور مسئلہ کشمیر کو حل کرنے کیلئے برسہا برس تک مذاکرات کا اب کوئی نہ کوئی منطقی نتیجہ ضرور نکلنا چاہئے ۔پاک بھارت مذاکراتی تاریخ گاہ ہے کہ اب تک وزیر اعظم ،وزیر خارجہ ،خارجہ سیکرٹریز اور دفاعی حکام کے درمیان اعلیٰ سطح کے متعدد راؤنڈز پر مبنی بات چیت ریکارڈ کی گئی ،کرکٹ ڈپلو میسی اور اب گزشتہ ماہ صدر پاکستان کی اجمیر شریف یاترا کے ذریعے باہمی اعتماد کی نئی اینٹ رکھنے کا عندیہ دیا گیا تاہم ،اہم سیاسی ،دفاعی اور علاقائی تنازعات کو ایک طرف رکھتے ہوئے سیاچن ،سر کریک ،بگلیہار ڈیم ،ویزہ کے اجراء ادبی کتابوں اور رسائل وجرائد کی ترسیل ،پاکستانی قیدیوں سمیت دونوں ملکوں کے ماہی گیروں کی رہائی پر اتفاق رائے اور دو طرفہ معاہدوں کی پابندی اور ان کے حتمی احترام کا مسئلہ جوں کا توں ہے ۔بلاشبہ صدر کے حالیہ دورے سے فضاء سازگار ہوئی ہو گی لیکن عام عوام کو اس سے دلچسپی نہیں کہ صدر صاحب یا دیگر اعلیٰ قیادت کہاں کا دورہ کن مقاصد کیلئے کر رہے ہیں (شاید عوام کی ان جمہوری حکومتوں سے امیدیں ابھی پوری ہونا دور تک نظر بھی نہیں آ رہا) اس میں کوئی شک نہیں کہ دو طرفہ تجارت سے ہلکا سا بریک تھرو بھی ہوا ہے تاہم پیش رفت صرف اسی صورت ممکن ہے کہ پاکستان اور بھارت زمینی حقائق کا ادراک کرے اور دیرپا امن ،مفاہمت اور غربت و بے روزگاری کے خاتمہ کو مد نظر رکھ کر نتیجہ

خیز مذاکرات کے لئے اپنا ذہن تیار کرے۔ سیاچن کے محاذ سے اکیلا پاکستان کسی طور غیر مشروط انخلا کا سوچ بھی نہیں سکتا کیونکہ جس علاقہ کو ڈی ملٹرائز کرنے کی بات کی جارہی اس بیں بھارت نے خود اصولوں سے انحراف کیا اور سیاچن میں اربوں ڈالر خود بھی پھونکے اور دوسری طرف پاکستان کو موردالزام ٹھہراتا رہا جس نے اپنی سالمیت کی خاطر علاقہ میں اپنی پوزیشن برقرار رکھی ہے، دونوں ملکوں کا بھاری زر مبادلہ اس محاذ پر صرف کیا جارہا ہے اگر دونوں ملک کسی ایک نقطہ پر متفق ہو کر اس پورے محاذ کو ہی فوج سے خالی کر دیتے ہیں تو اس میں دونوں ملکوں کے عوام کی بھلائی ہے ویسے بھی آج ٹیکنالوجی کا دور ہے اور اس جدید ٹیکنالوجی سے سیٹلائیٹس کے ذریعے سرحدوں کی نگرانی کی جا سکتی ہے۔ ایک طرف کی لاحاصل شٹل ڈپلومیسی چلنے کا کسی کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ میرا ماننا ہے کہ دنیا بدل اب بہت حد تک تبدیل ہو چکی ہے ۔ابھی حال ہی میں صدر زرداری نے سانحہ سیاچن سے ایک دن بعد بھارت کا نجی دورہ کیا۔پاکستان واپسی کے بعد انھوں نے کہا ہے کہ ہم دنیا سے علیحدہ ہو کر نہیں رہ سکتے ،ہم بھارت سمیت تمام ہمسایہ ممالک سے اچھے تعلقات چاہتے ہیں، بھارتی وزیر اعظم سے ملاقات میں کشمیر ،پانی اور سیاچن کے مسئلے پر رسمی بات چیت کی ہے پاکستان اور بھارت کو اب اچھے پڑوسیوں کی طرح مل کر رہنا سیکھنا ہوگا، اصولی طور پر تو بھارت بھی ہمارا ہے کیونکہ وہاں مسلمان ایک بہت بڑی تعداد میں ہیں اور مسلمان ہونے کے ناطے دنیا بھر

میں جہاں بھی مسلمان ہیں سن کو اکٹھا ہو کر اسلام کیلئے جنگ لڑنی چاہیے لیکن یہ جنگ ایک حکمت علی کے تحت ہونی چاہیے ۔ہم نے یہی پیغام بھارت کو دینا ہے کہ انسانیت کی بھلائی کیلئے اتنی بھاری تعداد میں خرچ ہونے والے پیسے کو بچا کر اپنے غریب لگوں کی مدد کی جائے اور بے روزگاری کم کی جائے ۔ اصولی طور پر ہمسائے آپس میں کبھی تعلقات ختم نہیں کرتے، یہاں صرف چین کی ہی مثال لے لیں اس نے تمام تر کشیدگیوں کے باوجود بھی دنیا بھر سے کاروبار جاری رکھا ہوا ہے اور اب تمام ملکوں کی منڈیوں کی ضرورت چین نے اپنے آپ کو بنا لیا ہے، ہمیں اپنے بعد آزاد ہونے والے چین کے نقش قدم پر چلتے ہوئے کاروبار پر توجہ دینا ہو گی ۔ اگر یہی انداز نظر پاکستان اور بھارت کا ہو جائے تو گاڑی آگے چل سکتی ہے اور دونوں ملکوں کے عوام بے شمار مسائل سے نجات حاصل کرنے میں کسی حد تک کامیاب ہو سکیں گے۔ادھر پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق نے سیاچن میں تقریباً ڈیڑھ سو افراد کے برف کے تودے تلے دبنے کے واقعہ پر گہرے دکھ کا اظہار کرتے ہوئے مستقبل میں ایسے سانحوں سے بچنے کیلئے ضروری اقدامات کی ضرورت پر زور دیا ہے ۔ کمیشن نے کہا کہ ایچ آر سی اس بات کا فوری جائزہ لے کہ سیاچن گلیشئر پر تعینات فوجیوں کو کن حالات کا سامنا ہے اور ان کے تحفظ کے لئے کیا اقدامات کئے گئے ہیں۔ یہاں ایک خاص بات قارئین کو بتاتا چلوں کہ سیاچن میں جس جگہ یہ گلشیر کا سانحہ رونما ہوا ہے بتایا جاتا ہے کہ اس جگہ پر 800 سال سے ایک مسجد تعمیر تھی اس کا

مطلب یہ ہوا کہ یہ جگہ اس حد تک خطرناک نہ تھی اس جگہ کے چناؤ کو فوجی تکنیکی مہارت میں کمی کہا جائے۔ کمیشن اراکین پارلیمان و دونوں ملکوں کے عوام کے اس مطالبے کو خوش آئند قرار دیتے ہیں کہ بھارت اور پاکستان سیاچن کا تنازعہ مذاکرات کے ذریعہ حل کیا جائے۔ پاکستان کے حکومتی ذرائع کافی پُر امید ہیں کہ موجود حکومت کے دور میں بھارت کے ساتھ سیاچن اور سرکریک کے معاملات طے پاجائیں گے اور اس کا اعلان من موہن سنگھ کے دورہ پاکستان کے وقت ہونا بھی متوقع ہے،امید کی جانی چاہیے کہ پاک بھارت تعلقات تنازعات کے تصفیہ کی کوششیں زمینی حقائق اور قیام امن کی حقیقی کوششوں سے ہم آہنگ ہوں گی۔ توقع ہی کی جاسکتی ہے کہ سیاچن جیسے دنیا کے بلند ترین محاذ پر قائم مورچوں میں تعینات پاکستانی و بھارتی فوجیوں کو دوطرفہ حکومتی ڈپلومیسی کے ذریعے اس جان لیوا محاذ سے چھٹکارا دلوانے میں کامیابی ہو جائے اور قوم بھر کی دعا ہے کہ موجودہ اس بڑے سانحے سے پاکستانی سرحدوں کے محافظوں کو سلامتی سے محفوظ نکالا جاسکے یا کم سے کم ان کے والدین تک ان کی لاشیں ہی پہنچائی جا سکیں۔

ریاست کشمیر، جوناگڑھ اور حیدر آباد کی تقسیم کے تاریخی حقائق

موجودہ وقت میں ہم جس خطہ میں زندگیاں بسر کر رہے ہیں اس کے باسیوں کا ایک اپنا الگ ہی انداز ہے، رہن سہن رسم و رواج اور دیگر خصلتیں دیگر خطوں کی بنسبت بلکل مختلف سی ہیں گو کہ پوری دنیا کے ہر خطہ میں بسنے والے لوگ اپنی الگ الگ شناخت رکھتے ہیں اور سب کی ترجیحات ہی دیگر سے مختلف ہوتی ہیں۔ اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ہمارے خطہ کے لوگ صدیوں پرانی اپنی روایات کو برقرار رکھے ہوئے ہیں گو اس بات کی تائید و تصدیق کرنا فل وقت ممکن نہیں کہ ہماری روایات و اقدار موجودہ وقت میں اپنائے رکھنا کس حد تک دانش مندی ہے، لیکن میں ذاتی طور پر اس بات کا حمایتی ضرور ہوں کہ ماضی میں جو اچھے کام اس وقت کے حساب سے کیے گئے ہوں ان پر تعریفی الفاظ ادا کیے جانے لازم ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس بات پر بھی زور دوں گا کہ ماضی میں جو ہم سے غلطیاں ہوئی ہیں ان پر اڑے رہنا کسی طور پر درست نہیں اور نہ ہی یہ مہذب قوموں کی میراث ہوتے ہیں مہذب کا لفظ بھی اپنے اندر ہزاروں معنی چھپائے ہوئے ہے لیکن میں ہر گز یہ نہیں مانتا کہ میں یورپ یا امریکہ کو مہذب قرار دوں کیونکہ وہاں وقت گزارنے کا میرا کوئی ذاتی تجربہ نہیں ہے اور کتابوں، انٹرنیٹ اور وہاں وقت گزار کے آنے والوں سے معلومات ملتی رہتی ہیں جن سے میں نے یہی نتیجہ اخذ کیا ہے کہ

وہاں کا حال بھی قابل مثال اور قابل تقلید نہیں ہے ان میں بھی آپسی تضاد پایا جاتا ہے ہمارے یہاں کہ کچھ لوگ وہاں کے ماحول کو الگ تناظر میں دیکھتے ہیں مختصراً یہ کہ اکثریت وہاں سے بھی ناخوش ہے۔

موجودہ وقت میں برصغیر کے لوگوں کی بڑی تعداد ریاست کشمیر کے باسیوں کے مسائل کے حوالے سے الجھن کا شکار ہے، کشمیر ایک ایسا موضوع ہے جس پر موثر تحریر لکھنا ایک کٹھن سی مشق معلوم ہوتی ہے اسی ریاست کشمیر کے نام کو ذاتی کمائی کا ذریعہ بنائے ہوئے ہیں گو کہ اکثریتی کشمیری اس بات سے نابلد ہیں کہ ریاست کشمیر کی اس تقسیم سے قبل اس کی اصل حیثیت کیا تھی اور رفتہ رفتہ وقت گزرنے کے ساتھ اس کی حیثیت میں کیا کیا تبدیلیاں آتی رہی ہیں۔یوں کہ میں کوئی بڑا فلاسفر یا محقق نہیں ہوں لیکن اس کے باوجود ایک کوشش کر رہا ہوں ریاست کشمیر، جوناگڑھ اور حیدرآباد ہم سے کیوں اور کیسے چھینی گئیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ ریاست کشمیر کی اپنی اہمیت ہے، اس میں قدرتی وسائل، جغرافیائی تناظر اور یہاں کی ثقافت اسے دنیا بھر میں ایک بڑا رتبہ دیئے ہوئے ہے دورا یہ کہ یہاں کہ محنت کش و خوددار لوگوں نے صدیوں سے اپنی منوائی رکھی ہے لیکن اب کی بار شاید یہاں کے لوگوں میں وہ دم خم نظر نہیں آتا جو ان کی تاریخ رہی ہے۔ اس خطہ کو دوسری اقوام کی طرف سے قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے ریاست کشمیر کی ایک اپنی الگ حیثیت رہی ہے میں تو اسے

کشمیریوں کی نادانی کہوں گا کہ انہوں نے اس خطہ کو محدود کرنے میں پاکستان و بھارت کی مدد کی اور اس جرم میں شرکاء کی تعداد ان گنت ہے، موجودہ وقت میں بھارت اور پاکستان کے لیے کشمیر کی سرزمین میں اپنے اپنے دفاعی، سیاسی، نظریاتی اور اقتصادی مفادات ہیں، کہا جاتا ہے کہ پاکستان کے لیے کشمیر کی اہمیت نظریاتی یعنی دو قومی نظریہ کے تحت جو تقسیم بر صغیر کا عمومی اور اصولی فارمولہ تھا کشمیر کو مسلم اکثریتی ریاست کے طور پر پاکستان کے ساتھ حصہ بنا چاہیے تھا پھر پاکستان کے کھیتوں کو سیراب کرنے والے تمام دریا کشمیر سے نکلتے ہیں جب کہ شمالی کشمیر کے بلند و بالا برف پوش پہاڑوں کا پاکستان کے دفاعی معاملات سے گہرا تعلق بنتا تھا جب کہ دوسری طرف یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ بھارت کے لیے کشمیر پر دعوے کی پہلی بنیاد پنڈت نہرو کا کشمیری النسل ہونا اور اس بنا پر پیدا ہونے والی جذباتی وابستگی تھی کانگریس کے رہنما اپنے سیکولر نظریے کی تائید اور دو قومی نظریے کو غلط ثابت کرنے کے لیے مسلم اکثریتی ریاست کو اپنے سیکولر وجود کے سر کا تاج بنائے رکھنے کی خواہش کا شکار تھے پھر کشمیر سے نکلنے والے دریاؤں پر کنٹرول اور بمطابق پاکستانی تاریخ اس کے نتیجے میں پاکستان کو بے آب وگیاہ بنانے کی خواہش کشمیر پر کنٹرول حاصل کرنے کی سوچ کے بنیادی محرکات میں سے تھی گو کہ چوہدری رحمت علی نے جب پاکستان کا نام تجویز کیا تو اس میں "ک" کا حرف کشمیر کو ظاہر کرتا تھا لیکن تقسیم بر صغیر کا جو اصول طے کیا گیا

تھا اس کا ا ر خود اطلاق کشمیر سمیت تمام دیسی ریاستوں پر نہیں ہوتا تھا کشمیر، حیدر آباد اور جونا گڑھ اس وقت ایسی ریاستیں تھیں جو متحدہ ہندوستان کے صوبے نہیں تھے (یہ داخلی طور پر خود مختاری ریاستیں تھی) بلکہ ان کے حکمرانوں نے انگریزوں کے ساتھ الگ الگ معاہدات کر رکھے تھے جب ان ریاستوں کے مستقبل کا سوال اٹھا تو اصولی طور پر کانگریس اور مسلم لیگ میں واضح اختلاف پیدا ہوا۔ کانگریس ان ریاستوں کے حق خود مختاری کی مخالف تھی جب کہ مسلم لیگ اور قائد اعظم محمد علی جناح ذاتی طور پر یہ فیصلہ ریاستوں کے عوام پر چھوڑنے کے حامی تھے یعنی یہ کہ اگر ریاستوں کے عوام پاکستان بھارت میں سے کسی کے ساتھ بھی اپنا مقدر وابستہ نہ کرنا چاہیں تو انھیں کسی نئے، انتظام اور اصول کے تحت خود مختاری کا حق دیا جائے اس لیے ان تمام دیسی ریاستوں کے مستقبل کے لیے الگ اصول مقرر کیے گئے۔

میری نظر میں یہ وہ مرحلہ تھا جہاں مسلم لیگ کی قیادت سے اندازے یا حکمت عملی کی غلطی ہوئی تھی جس کے نتائج کو یہ قوم آج تک برداشت کر رہی ہے، ریاستوں کے مستقبل کے معاملے میں ریاستی حکمران کی رائے کا اصول تسلیم کر لیا گیا اس کی وجہ یہ تھی کہ حیدر آباد میں اکثریت ہندوؤں کی تھی لیکن وہاں کے حکمران میر عثمان علی مسلمان تھے جب کہ کشمیر میں صورت حال کلی طور پر اس کے برعکس تھی جہاں اکثریت مسلمانوں کی تھی اور حکمران ہندو مہاراجہ ہری

سنگھ تھا تاریخ کے ابواب کا درست سندوں سے مطالعہ کیا جائے تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ مہاراجہ ہری سنگھ کشمیر کے بھارت کے ساتھ الحاق کی بجائے خود مختار کشمیر کا حامی تھا اور مہاراجہ ہری سنگھ کے وزیراعظم پنڈت رام چندر، مسلم لیگ اور کانگریس کو کشمیر کی خود مختاری کا فارمولہ قبول کرنے کی کوشش کرتے رہے جب کہ شیخ محمد عبداللہ بھی الحاق بھارت کی بجائے ریاست کی خودمختاری کی حکمت عملی پر عمل پیرا تھا۔ کشمیر میں تحریک پاکستان کی علمبردار مسلم کانفرنس بھی نظریاتی لحاظ سے پاکستان، قائداعظم اور مسلم لیگ کی حامی تو تھی لیکن کشمیر کو بھارت کی طرف جانے سے بچانے کے لیے مسلم کانفرنس بھی خود مختاری کے اصول پر مفاہمت کے لیے تیار تھی اس کا ایک ثبوت جولائی 1947ء میں چوہدری حمید اللہ کی قیادت میں مسلم کانفرنس کے کنونشن میں ایک ایسی قراردار کی منظوری کی کوشش ہے جس میں کشمیر کی خود مختاری کا مطالعہ کیا گیا تھا لیکن بعد میں سردار محمد ابراہیم کی قیادت میں مسلم کانفرنس کی جنرل کونسل نے اس قرارداد کا جو مسودہ اپنایا اس ہیں مہاراجہ سے کشمیر کے پاکستان سے الحاق کا مطالبہ شامل تھا (شاید اس وقت الحاق کی قرارداد کے بجائے خودمختاری کی قرارداد پیش کی گئ ہوتی اور وہ شاید منظور بھی ہو جاتی تو آج بھارتی مقبوضہ کشمیر والوں کو بھارت کی غاصبیت سے نقصان نہ اٹھانا پڑتا وہاں ہماری ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کی عصمتوں کو اسروریزنہ کیا جاتا نہ اور پاکستانی آزاد کشمیر کہلائے جانے والے علاقے میں ایسی ڈمی

حکومتیں قائم نہ ہو پاتی جن کے اختیارات انتہائی محدود ہیں) اسی قرار دار کو آج قرادار الحاق پاکستان کہا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جب نظام حیدر آباد نے خود مختاری کا اعلان کیا تو ہندو اکثریت نے اس فیصلے کو تسلیم نہیں کیا پاکستان نے نظام حیدر آباد کے اسی اعلان کو تسلیم کرکے آزاد حیدر آباد کے ساتھ سفارتی تعلقات استوار کر لیے جب کہ ایجنٹ جنرل کے نام سے آزاد حیدر آباد کا سفیر بھی کراچی ہیں تعنیات کر دیا گیا بھارت ایک طرف یہاں حیدر آباد کے حکمران کا فیصلہ تسلیم نہ کرتے ہوئے ریاست کی خود مختاری پر شب خون مارنے کا فیصلہ کر رہا تھا تو دوسری طرف کشمیر کے حکمران مہاراجہ ہری سنگھ کو شدید دباؤ میں لا کر اور مذہب کے واسطے دے کر اسی اصول کے تحت الحاق بھارت پر آمادہ کرنے کی حکمت عملی پر عمل پیرا تھے جس میں وہ کامیاب بھی ہو گئے تھے۔

دوسری طرف جوناگڑھ نے پاکستان کے ساتھ الحاق کا فیصلہ کیا اور پاکستان نے اس حق کو تسلیم کر لیا اس طرح دفاع، خارجہ معاملات اور مواصلات کی ذمہ داری پاکستان نے اٹھالی اور جب جوناگڑھ میں اس فیصلے کے خلاف گڑبڑ پیدا کرنے کی کوشش کی گئی تو پاکستان کی فوج یا پولیس اس کا دفاع کرنے نہ پہنچ سکی (یہ بھی حکمت عملی کا فقدان تھا کہ ہم جوناگڑھ کی حفاظت بھی نہیں کر سکے اور بد بختی یہ کہ بعد میں اس کیلئے آواز بھی نہ اٹھا سکے اسی وجہ سے آج

ہمیں جو تاریخ پڑھائی جاتی ہے اس میں ایسے ابواب شامل نہیں کیے جاتے جن سے ہماری غلطیاں اور کوہتایاں ظاہر ہوتی ہوں ،بلکہ ہمیں سب اچھا ہے کا سبق پڑھایا جاتا ہے۔) چنانچہ بھارت نے جوناگڑھ پر فوج کشی کرکے قبضہ کر لیااور پاکستان اصول تقسیم کے تحت بننے والے حصے کا دفاع نہ کر سکا البتہ پاکستان کے اس وقت کے سیاسی راہنماؤں نے یہ قیاس کر لیاکہ جس طرح بھارت نے جوناگڑھ پر قبضہ کر لیااسی طرح وہ کشمیر میں مہاراجہ کی رائے کے برعکس فوجی طاقت سے کشمیر حاصل کر سکتے ہیں لیکن یہ سوچ اس وقت غلط ثابت ہوئی جب قبائلی لشکر اور آزاد فوج کشمیر میں داخل ہوئی تو کشمیر کے مستقبل کے بارے میں مخمصے کا شکار مہاراجہ ہری سنگ مکمل طور پر بھارت کی گود میں چلاگیا۔ اس نے اپنی حکومت کی ڈوبتی ہوئی ناؤ کو بچانے کے لیے بھارت کی غلامی قبول کرنے کا حتمی فیصلہ کر لیالیکن بھارت نے اس کے لیے الحاق کی شرط عائد کی اور یوں حیدرآباد اور جوناگڑھ میں حکمرانوں کے فیصلوں کو روندنے والے بھارت نے کشمیر میں حکمران کے فیصلے کو گلے کا تعویذ بنالیا۔ قبائلی لشکر کشی سے کشمیر میں صورت حال بہتر ہونے کی بجائے پیچیدہ ہوئی اگر لشکر کشی ہوئی تھی تو پھر انھیں بارہ مولہ سے آگے کیوں نہیں جانے دیا گیا اور وادی کے اندر پہنچ کر انھیں پسپائی پر کیوں مجبور کیاگیا۔۔؟ کیوں کہ اگر حیدرآباد اور جوناگڑھ کے رد عمل میں طاقت کے مقابلے میں پاکستان نے طاقت کا اصول اپنانے کا فیصلہ کیا ہی تھا تو پھر اس پر عمل درآمد کے لیے جس بصیرت اور

حکمت کی ضرورت تھی وہ نظر نہ آ سکی۔

آزاد کشمیر حکومت کے پہلے سیکریٹری جنرل (چیف سیکریٹری) قدرت اللہ شہاب نے اپنی کتاب شہاب نامہ میں اس حکمت عملی کا یوں جائزہ لیا ہے۔

سری نگر کے ہوائی اڈے پر بھارتی افواج ،اسلحہ ٹینک، انڈین ایئر فورس کے جہازوں " کے برآمد ہوتے ہی آزادی کشمیر کی جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔ مجاہدین کے لشکر کا زیادہ حصہ دوروز سے خواہ مخواہ بارہ مولہ میں اٹکا ہوا تھا اگر اس لشکر کا تھوڑا سا حصہ بھی یلغار کر کے سری نگر کے ہوائی اڈے پر قابض ہو جاتا تو بھارتی فوج وادی کشمیر پر تسلط جمانے میں کسی طرح کامیاب نہیں ہو سکتی تھی اس کے برعکس مجاہدین کی ہمت ٹوٹ گئی۔ ان میں ایک طرح کی بھگدڑ مچ گئی اور وہ انتہائی غیر منظم طور پر اپنے اپنے علاقوں کی طرف واپس لوٹنا شروع ہو گئے۔

لشکر کے بارہ مولہ میں قدم رکنے کی وجہ حد درجہ پر اسراریت ہے۔ اس ایک بے وجہ پڑاؤ نے قافلہ حریت کے پڑاؤ کو دہائیوں اور عشروں پر محیط کر دیا اور طویل عرصہ گزرنے کے باوجود کشمیر کی تاریخ اس پڑاؤ اور اس پسپائی کے اثرات سے باہر نہیں نکل سکی۔ کیونکہ یہی وہ لمحے تھے جب بھارت کو اپنی فوج سری

نگر میں اتار کر مہاراجہ حکومت کے خاتمے سے پیدا ہونے والا خلاپ ±ر کرنے کا موقع ملا۔ یہی وہ دن تھے جب حالات سے مجبور مہاراجہ نے بھارت سے الحاق کی شرط تسلیم کرکے خود سپرگی کا فیصلہ کیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ لشکر کے کمانڈر میجر خورشید انور جن کا تعلق جموں سے تھا نے 24 اکتوبر کو آزاد کشمیر کی انقلابی حکومت کے اعلان کے بعد اپنے کردار کا تعین ہوئے بغیر بارہ مولہ سے سری نگر کی جانب پیش قدمی روک دی۔ کشمیر پر بھارت کی باقاعدہ فوج کشی کی اطلاع پر قائداعظم نے کشمیر میں باقاعدہ فوج بھیجنے کا حکم دیا۔ جسے پاکستانی کے ہی ملازم جنرل گریسی نے ماننے سے انکار کر دیا جب کہ بھارتی فوج کے انگریز کمانڈر کشمیر پر بھارتی قبضے کی مسلسل نگرانی اور راہنمائی کرتے رہے۔ کشمیر میں بھارتی فوج اترنے کے بعد پاکستان نے کشمیر میں دفاعی جنگ لڑنے کا آغاز کیا اور پھر یہ جنگ ہمیشہ دفاعی ہی رہی۔ یہاں تک کہ مسئلہ کشمیر کو اقوام متحدہ میں لے جانے کا کام بھی بھارت کے وزیراعظم پنڈت نہرو نے یہ کہہ کر کیا کہ پاکستان نے کشمیر میں جارحیت کر دی ہے۔ قائداعظم کے سابق سیکریٹری کے ایچ خورشید کے مطابق کشمیر پر سویلین یلغار کی ساری پالیسی چند سرکاری افسروں اور سرحد کے گورنر خان عبدالقیوم خان کے ذمے تھی۔ جو اپنے محدود اختیارات کی حد تک ہی کام کر سکتے تھے۔ البتہ جب بھارت نے کشمیر میں اپنی باقاعدہ فوج اتار دی تو آزاد کردہ علاقے کے دفاع اور کنٹرول کے لیے پاکستان کو اپنی فوج کشمیر میں بھیجنا پڑی اور یوں باقاعدہ افواج کی

کشمیر میں آمد سے وہ لکیر ابھری جسے آج منحوس سیز فائر لائن کہا جاتا ہے۔

تقسیم کے وقت کشمیر کو مسئلہ بنانے میں انگریز کا کردار بنیادی اور متضاد ہے پاکستان اور بھارت کی جغرافیائی حد بندی کے لیے قائم باؤنڈری کمیشن کے سربراہ ریڈکلف کے سابق سیکرٹری کرسٹوفر ہیومونٹ جو برٹش سول سروس کے ایک اعلیٰ افسر بھی تھے کی یاد داشتیں اس متضاد کردار کا پتا دیتی ہیں۔ ۲۰۰۲ء میں انتقال کرنے والے کرسٹوفر مونٹ تقسیم برصغیر کے آخری حقیقت آشنا اور چشم دید گواہ تھے جنھوں نے کئی بار لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی غیر منصفانہ پالیسیوں سے اختلاف رائے بھی ظاہر کیا۔ ریڈکلف کے ذاتی سیکرٹری کرسٹو ہیومونٹ اپنی یاداشتوں میں لکھتے ہیں کہ "وائسرائے لارڈماؤنٹ بیٹن اگرچہ 1948ء میں برصغیر میں ہونے والے کشت و خون کے تنہا ذمہ دار نہیں لیکن پھر بھی انھیں پنجاب میں ہونے والے قتل عام کی ذمہ داری قبول کرنی چاہیے جس میں پانچ سے دس لاکھ کے درمیان مرد عورتیں اور بچے مارے گئے اقتدار کی منتقلی اور تقسیم کا عمل کچھ زیادہ ہی تیزی سے انجام دیا گیا۔ ہیومونٹ کی تاریخی یاداشتوں میں یہ بار ہا کہا گیا ہے کہ ماؤنٹ بیٹن نے نہ صرف تقسیم کے وقت مروجہ قوانین کو توڑا بلکہ سرحدوں کی تشکیل کے حوالے سے بھارت کا ساتھ دیا اور اس کے لیے ریڈکلف پر باقاعدہ دباؤ بھی ڈالا گیا کرسٹوفر ہیومومنٹ لکھتے ہیں کہ " مجھے ماہرانہ انداز میں ایک ایسے ظہرانے سے الگ کر دیا گیا کہ جس میں ماؤنٹ

بیٹن اور ریڈکلف نے ایک مسلم اکثریتی علاقے کو پاکستان کی بجائے بھارت میں شامل کرنے کا فیصلہ کیا۔

اپنی اور دوسروں کی تاریخ کے ابواب کا مطالعہ کرنے سے قومیں سیکھتی ہیں،ان سے سب لیا جانا بھی چاہیے لیکن صد افسوس کہ سابقہ و موجودہ حکمرانوں اور پالیسی میکرز کی نااہلیوں کی وجہ سے اصل تاریخ سے ہم میلوں دور چلے گئے ہیں یہی وجہ ہے کہ اب درست تاریخی مندات آسانی سے میسر آتی ہیں اور نہ ہی اس طرف نئی نسل کا رجحان پایا جاتا ہے۔

پاکستان وآزاد کشمیر میں سیاحت کی خدوخال اور اسکے معیشت پر اثرات

پاکستان سیاحت کے لیے انتہائی پر کشش ملک اور آزاد کشمیر کو بر صغیر بھر میں سیاحت کے کیلئے موزوں ترین مقام قرار دیا جاتا ہے۔ میرا ماننا ہے کہ اگر پاکستان وآزاد کشمیر میں کوئی مخلص حکومت کو اقتدار میسر آجائے اور سیاحتی صنعت پر خاص توجہ دی جائے ،قومی سیاحتی پالیسی کی جدید خطوط پر تشکیل ہو ،غیر ملکی سیاحوں کے تحفظ کے لیے مناسب اقدامات کیے جائیں اور ملک میں امن وامان کی مجموعی صورت حال بہتر ہو تو آئندہ 5 سے 10 سال کے دوران یہ ملک اپنے قدرتی حسن کی بدولت 3 سے 5 ارب ڈالر سالانہ کما سکتا ہے ،پاکستان وکشمیر میں سیاحت کو درپیش مسائل کو حل کرنے کی ترغیب دینے کیلئے تمام شعبہ ہائے زندگی کے لوگوں کو اپنا کردار ادا کرنا ہوگا تبھی ہماری سیاحت اس نہج پے پہنچ پائے گی جس کی ہم امید لگائے بیٹھے ہیں۔ تفصیلی دیکھا جائے تو ہمارے وطن کا سیاحتی شعبہ غیر معمولی کشش کا حامل ہے اور اس کے ذریعے قومی آمدنی میں بڑے پیانے پر اضافہ کرنا ممکن ہے اس مقصد کے حصول کے لیے ہنگامی بنیادوں پر فیصلے کرنے کی ضرورت ہے تاکہ ملک میں ٹورازم انڈسٹری کا مستقبل محفوظ اور افادی ہو ،ہمارے ملک میں سیاحت کو حکومتی توجہ کی ہمیشہ سے ضرورت رہی ہے 1960ء سے 1970ء کے دوران اس حوالے سے نتیجہ خیز اقدام بھی کیے گئے لیکن "بہت دیر کی مہرباں

آتے آتے "کے مصداق سیاحت کو "انڈسٹری" کا مقام بہت دیر سے دیا گیا، حالانکہ دنیا کے باقی ممالک ہمیشہ کی طرح اس معاملے میں بھی ہم سے بہت آگے نکل چکے ہیں۔ سیر وسیاحت کا انسانی شوق بہت قدیم زمانے میں بھی امیر لوگ عظیم الشان عمارات تعمیراتی فن کے شاہکار، قدرت کے حسین منظر، مختلف خطوں کی موسمی رنگینیاں دیکھنے، مختلف ثقافتوں کے مشاہدے اور یہاں تک کے نئی زبانیں سیکھنے کے لیے بھی اپنے آبائی خطوں سے دور دراز ممالک میں سیاحت کی غرض سے جاتے تھے قدیم رومن شہنشاہوں نے بحیرہ روم کے ساحلی علاقوں میں جگہ جگہ تفریح گاہ بنائیں، جہاں امراء سلطنت کے ہر حصے سے آکر سیر و تفریح کیا کرتے تھے۔

لفظ سیاح 1772ء تک استعمال ہونے لگا اور سیاحت کی اصطلاح 1811ء میں سامنے آئی ۔ 1936ء میں اقوام عالم کی زبانوں میں غیر ملکی سیاح کی تعریف یہ بیان کی گئی کہ کم از کم 24 گھنٹے ملک سے باہر سے سفر کرنے والا مسافر سیاح کہلاتا ہے 1945ء میں سیاح کی مذکورہ بالا تعریف میں اقوام متحدہ کی طرف سے یہ ترمیم کی گئی کہ 24 گھنٹے کا دورانیہ 6 ماہ کی مدت سے بدل دیا گیا۔ "تفریح وسیاحت " کا آغاز برطانیہ میں صنعتی انقلاب آنے کے نتیجہ میں ہوا، یہاں یہ بیان کرنا محل نہ ہوگا کہ سیاحت کی کئی اقسام ہیں مثلاً گروہی سیاحت ،انفرادی سیاحت ،زرعی سیاحت ،جغرافیائی سیاحت ، ثقافتی سیاحت جنگلی سیاحت ، کوہی سیاحت ، جنگی سیاحت ،خلائی سیاحت ،مذہبی سیاحت ، طبّی سیاحت، طویل والمدتی سیاحت ، مرحلہ،

وار سیاحت ، معاشرتی سیاحت، بحری سیاحت ، پسماندہ علاقوں کی سیاحت ، شکاری سیاحت مہماتی سیاحت وغیرہ۔ بیسوی اور اکسویں صدی میں سیاحت کے فروغ کے لیے دنیا، بھر میں نہایت تیزی سے کام ہوا سیاحتی علاقوں کے قریب ہوائی اڈے ،ریستوران ،اعلیٰ معیار کی اقامت گاہیں ،انٹرنیٹ سمیت تمام جدید سہولتوں کی فراہمی ،شاہراہوں کی تعمیر صاف ماحول ، کھانے پینے کی کم قیمت ،اور افراد اشیاء کی فراہمی یقینی بنائی گئی ۔عالمی، سیاحتی صنعت کی یہ تیز رفتاری جاری تھی کہ امریکہ پر 11/9 کے حملوں کے باعث عالمی سیاحت کے خدوخال بدل گئے اور دنیا بھر میں سیاحتی سرگرمیاں ٹھپ ہو کے رہ گئیں۔اس غیر معمولی واقع کے بعد "دہشت گردی کے خلاف نام نہاد امریکی جنگ" کی وجہ سے عالمی سیاحت کی مثالی ترقی رک سی گئی ۔تب سے لے کر آج تک دنیا بھر کے سیاح خود کو کسی بھی خطے میں محفوظ تصور نہیں کرتے ،اور ایسا ہی ایک خطہ ہمارا پاکستان وآزاد کشمیر بھی ہے جہاں ہر قسم کی سیاحت کے لیے بھرپور کشش اور بہترین مواقع ہیں ۔سیاحت کے حوالے سے بھی پاکستان قدرت کی فیاضیوں کی منہ بولتی تصویر ہے،ہمارے ہاں ہر قسم کا موسم زمینی ساخت اور بے شمار قدرتی مناظر ہیں۔سمندر سے گلے ملتی ہماری سرزمین پر سندھ میں کراچی اور بلوچستان میں کنڈملیر کے ساحل نانگاپربت ،گنگا چوٹی ،راکا پوشی، K-2 جزیرے ،دنیا کی دوسری بلند ترین پہاڑی چوٹی، پربتوں کی شہزادی کہلانے والی دلفریب وادیاں، مسحور کر دینے والی منفرد، جھیلیں،دریا ،برف پوش پہاڑی سلسلے ، لہردار سنہری صحرا، صحرائی شکار گاہیں،گنگناتی

ندیاں، جھرنے، شفاف پانی کے چشمے ،انتہائی مضبوط قلعے ، قدیم مساجد،تاریخی عمارات تاحد نظر پھیلے ہوئے گلستان، وسیع و عریض جنگلات ، مندر اور محلات گویا قدرت، انسانی کمال اور تاریخ کی وہ عظیم شہادتیں ہیں جو ارضِ پاک کے سینے پر قلم بند ہیں ۔پاکستان کے تمام صوبوں گلگت بلتستان اور آزاد کشمیر میں قدرتی حسن اور قابل دید مقامات کی فراوانی اور من مو لینے والی ثقافتی رنگا رنگی ہے ۔ہمارے ملک کے رنگا رنگ علاقائی اور قبائلی ثقافتیں، پہناوے طرز زندگی ،علاقائی رقص ،لوک گیت ، میلے ٹھیلے اور ثقافتی تہوار ،انتہائی لذیذ اور اشتہار انگیز مہک والے کھانے مہمان نواز لوگ اور دلچسپ رسوم و رواج سیاحوں کے لیے موثر ترغیبات کی حیثیت رکھتے ہیں۔ہمارا خطہ دنیا کا وہ مختلف خطہ ہے جہاں بلوچستان میں 9ہزار سال قدیم اراضی آثار بھی سیاحوں کے لے ے انتہائی دلچسپی کا باعث ہیں اور 23مارچ2007 کو اسلام آباد میں تعمیر ہونے والی یاد گار پاکستان بھی سیر وسیاحت کے دلداوہ افراد کی توجہ کا مرکز ہے ۔ملک کے دار لحکومت کو ہی لے لیں ،جہاں مارگلہ پہاڑیاں ،شکرپڑیاں ، نیشنل آرٹ گیلری ،دامن کوہ ، نیشنل زو ،راول جھیل ، سملی ڈیم ، پیر سوہاوا،شاہدرہ،پاکستان میوزم آف نیشنل ہسٹری ،لوک ورثہ عجائب گھر،ٹیکسلا عجائب گھر، فیصل مسجد ،گلستان گلاب و یاسمین بہترین سیاحی مقام ہیں۔بلوچستان میں مہر گڑھ اوریاکے آثار وادیِ سندھ کی تہذیب سے بھی 2 سے 3 ہزار سال زیادہ قدیم ہیں۔نوشیر وانی کے مقابر ، قلعہ لداگشت ،ہزار گنجی ،حنا

، جھیل، صوبائی اراضیاتی، عجائب گھر، زیارت میں قائدِ اعظم محمد علی جناح کی ریذیڈینسی اور جونی پیر کے قدیم جنگلات دیکھنے والے یہاں دوبارہ آنے باندھتے ہیں پہاڑوں کے اندر سے ہو کر دوسری طرف نکلتے راستوں میں سے درۂ لیک اور درہ ہرنائی قابل دید ہیں جبکہ گوادر یہاں کی سب سے بڑی بندرگاہ ہے۔ خیبر پختون خواہ عظیم سیاحتی اور ثقافتی ورثہ رکھتا ہے، گندھارا تہذیب کے آثار، تخت بھائی ،پشکالاوتی، قلعہ بالاحصار، ہٹکار، اسٹوپا، کنشک اسٹوپا، چکدارا، وادی پنج کور، پشاور میں کافر کوٹ کے مقام پر قدیم ہندو منادر کے آثار، گور کھتری کی ارضیائی آثار اور شہباز گڑھی مشہور مقامات ہیں۔ سوات کی وادی بے مثال سیاحتی اہمیت کی حامل ہے اور پاکستان کا سوئٹزر لینڈ کہلاتی ہے، سوات اور پاکستان کے شمالی علاقہ جات کا حسن دیکھنے والوں کو غیر اراضی محسوس ہوتا ہے، وادی کاغان، شاہراہ قراقرم، بالاکوٹ، ناران، اور پھر سب سے بڑھ کر جھیل سیف الملوک جس کے شفاف پانی میں مقامی روایت کے مطابق پریاں نہانے آتی ہیں، سیاحت کے شوقین ہر ممکن کوشش کرتے ہیں کہ چودھویں کے چاند کی چاندنی میں اس جھیل کا نظارہ کریں اور دیکھنے والے یہ روایت بھی کرتے ہیں کہ واقعی یہ طلسمی منظر دیکھنے والا آنکھ تک جھپکنا بھول جاتا ہے۔ کالام اور مالم جبہ کبھی برف کی چادر اوڑھتے ہیں اور کبھی اتار پھینکتے ہیں اسی طرح ایوبیہ کا تفریحی اور سیاحتی مقام بھی سیاحوں کی دلچسپی کا بڑا مرکز رہا۔ درہ لواری اور درہ بابوسر اور چلاس کے علاوہ یہاں

ملک کی بلند ترین کوہی گزرگاہ درہ شندور بھی اپنی تمام تر رعنائی اور تعمیراتی شان وشوکت کے ساتھ سیاحوں کو دعوت نظارہ دیتا ہے" اور دنیا کی چھت کے نام سے جانا جاتا ہے"

پنجاب کے جن تاریخی مقامات میں سیاح دلچپی لیتے ہیں ان میں شالیمار باغ، ٹیکسلا کے عالمی شہرت یافتہ آثار قدیمہ، بادشاہی مسجد، مقبرہ جہانگیر، دریا راوی کے بیچوں بیچ واقع مزار کامران کی بارہ دری، مزار اقبال، بارہ دری حضوری باغ، مینار پاکستان، مزار قطب الدین ایبک، انار کلی کا مشہور باغ، رنجیت سنگھ کی سمادھی، گوروواراجنم استھان ننکانہ صاحب، چھانگا مانگا کا جنگل (قصور) ہرن مینار (شیخوپور) چودھویں صدی میں تعمیر ہونے والا شاہ رکن الدین عالم کا مزار، (ملتان) قلعہ روہتاس ٹیلہ جوگیاں (جہلم) بھوربن پتریاٹا، ملکہ کوہساری مری، صحرائے چولستان اور تھر، قلعہ شیخوپورہ اور ہڑپہ شامل ہیں۔ سندھ کا خطہ وادی سندھ کی ہزاروں سال قدیم تہذیب کا گہوارہ ہے اس صوبہ میں مسجد شاہجہان مرزہ شاہ عبدالطیف بھٹائی، کراچی کی بندرگاہ، قلعہ کوٹ ڈھجی مکلی، مزار قائداعظم، مانچھر جھیل، جنگلی حیات کارن آف کچھ میں قائم مرکز، مشہور جزیرہ منوڑا مزار لال شہباز قلندر اور کلفٹن کا ساحل سیاحتی حوالے سے خصوصی اہمیت کے حامل، ہیں۔ آزاد کشمیر میں ضلع پونچھ خصوصاً سیاحت کیلئے آزاد کشمیر بھر میں مشہور ہے اس میں تولی پیر، بنجوسہ، جنڈالی مشہور

سیاحتی مقامات ہیں، ضلع باغ بھی سیاحتی حوالے سے ایک خاص مقام رکھتا ہے، نیلم کے سرسبز جنگلات اور وہاں کا رہن سہن سیاحوں کو اپنی طرف کھینچتا ہی چلا جاتا ہے۔انٹر نیشنل ٹورسٹ آرگنائزیشن کی فہرست کے مطابق پاکستان میں 300 سے زائد مقامات غیر معمولی سیاحتی کشش کے حامل ہیں جو پاکستان کی سیاحتی صنعت کو دنیا بھر میں مقبول ممتاز اور ترقی یافتہ بنانے کی غیر معمولی خصوصیات رکھتے ہیں۔پاکستان میں، K-2 نانگا، پربت اور راکاپوشی کے علاوہ کئی چوٹیاں 7ہزار میٹر سے بلند ہیں۔حالیہ عالمی کساد بازاری کا آغاز ہونے سے پہلے پاکستان اوسطاً 5لاکھ غیر ملکی سیاحوں کی میزبانی کر رہا تھا۔اس کے بعد 11،2005/9ء کے شدید زلزلے کی تباہ کاریوں اور 2010ء کے سیلاب کے باعث قومی سیاحتی صنعت کو بے حد نقصان پہنچا۔2006-07ء کے دوران سیاحتی صنعت کی قدرے فروغ پذیر سرگرمیوں کے باعث اس شعبہ کی آمدن میں 6فیصد اضافہ ریکارڈ کیا گیا۔اس وجہ سے پاکستان کو ایک سال کے دوران 276 ملین ڈالر سے زائد آمدن ہوئی۔2008-09ء کے لیے سیاحتی صنعت کے لیے 350 ملین ڈالر کا ہدف مقرر کیا گیا،اس دوران اقتدار کی منتقلی اور موجودہ جمہوری حکمرانوں کے برسر اقتدار آنے کے بعد 2009ء میں پاکستان نے شعبہ سیاحت سے صرف 240 ملین ڈالر حاصل کیے جو اس جمہوری حکومت کیلئے ایک سوالیہ نشان ہے۔2010-11ء کے اعداد وشمار سیلاب اور شدید بارشوں کے نتیجہ میں ہونے والی تباہی کی وجہ سے قابل ذکر نہیں ہیں۔ایک تخمینہ کے مطابق 2011ء میں 5ہزار غیر ملکی سیاح پاکستان

آئے اور اگر اس سال امن عامہ کی صورت حال ماضی کے مقابلے میں بہتر رہی تو 10 سے 15 ہزار سیاحوں کی آمد ممکن ہو سکتی ہے۔ یہاں ہمیں یہ حقیقت نہیں بھولنی چاہیے کے دنیا کے 50 فیصد سے زائد ممالک اپنی اقتصادی بہتری کے لیے سیاحتی صنعت پر انحصار کرتے ہیں اور ہمیں بھی ان کی صف میں شامل ہونے کے لیے سر توڑ کوشش کرنی ہو گی ۔ سیاحت کے حوالے سے پاکستان جنوبی ایشیاء ہی نہیں بلکہ ایشیاء پیسیفک ممالک میں بھی خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ اقوام متحدہ کے ذیلی ادارہ یونیسکو کی عالمی ورثہ کمیٹی نے شمالی امریکہ اور یورپ کے 73 قدرتی ،432 ثقافتی اور 11 متفرق مقامات کو عالمی ثقافتی ورثے کا حصہ قرار دے رکھا ہے ۔ایشیاء پیسیفک ریجن کے 52 قدرتی ،142 ثقافتی اور متفرق مقامات اس فہرست میں شامل ہیں ،اٹلی کے 47 سیاحتی مقامات عالمی ثقافتی9 ورثے کا حصہ ہیں۔ لہٰذا وہ اس درجہ بندی میں سب سے آگے ہیں ۔ سپین 42 مقامات کے ساتھ دوسرے جبکہ چین 41 مقامات کے ساتھ 3 نمبر پر ہے۔ ایران 13 ممالک کے ساتھ اسلامی ممالک میں سے اس فہرست میں سب سے آگے ہے۔ بلجیم، جنوبی کوریا اور ترکی کے 10/10 مقامات کو اقوام متحدہ نے عالمی ثقافتی ورثہ تسلیم کیا ہے۔ عالمی ورثہ قرار دیے جانے والے قدرتی اور ثقافتی سیاحتی مقامات کی اس درجہ بندی میں جنوبی ایشیاء کے 41 مقامات شامل ہیں۔ پاکستان کے جو سیاحتی مقامات عالمی تاریخی ورثہ قرار دیئے گئے ہیں۔ ان میں خیبر پختون خوا میں بدھ مت سے متعلق آثار قدیمہ موئنجودڑو، لاہور کا شاہی قلعہ ،شالامار باغ اور ٹیکسلا، مسکلی،

کے تاریخی آثار اور قلعہ روہت اس شامل ہیں۔پاکستان کی وزارت سیاحت اگراپنی ذمہ داریاں قومی سیاحتی مقامات کی اقتصادی اہمیت کے حوالے سے پوری محنت ، منصوبہ بندی اور شفاف انداز میں انجام دے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہمارا پاکستان و آزاد کشمیر اپنی سیاحتی صنعت کے ذریعے قومی آمدنی میں غیر معمولی اضافہ نہ کر سکے۔ترکی اس شعبے کے ذریعے سالانہ 20 ارب ڈالر کمارہا ہے اور مصر صرف اہرام مصر کی سیاحتی سرگرمی سے سالانہ ساڑھے 6 ارب ڈالر کماتا ہے۔نیپال کی سیاحتی آمدن ہم سے کہیں زیادہ ہے لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ بیرون ملک پاکستان کے تمام سفارت خانوں اور مشیروں کے ذریعے قومی سیاحتی مقامات کا بھرپور تعارف کروایا جائے تاکہ غیر ملکی سیاح بھاری تعداد میں اس سرزمین پاک و کشمیر کے خوبصورت مناظر اور عظیم مقامات کا رخ کر سکیں۔اس حوالے سے اندونِ ملک بھی سیاحتی سرگرمیوں کو فروغ دینا ہوگا،تاکہ رفتہ رفتہ سیاحت ہمارے قومی مزاج کا حصہ بن جائے ،سیاحت کی اقتصادی اہمیت پر مذاکرے سیمینارزاور تقاریب کے انعقاد کے لیے پی ٹی ڈی سی کو پوری طرح منظم ، فعال اور موثر، ہونا چاہئے ۔ہمارے سینکڑوں مقامات عالمی سیاحتی دنیاکے لیے اہمیت کے حامل ہیں۔اگر ہم ان جگہوں پر سرمایہ کاری کرکے سیاحوں کو سہولتیں فارام کریں،انفراسٹرکچر کو بہتر بنائیں ،ترکی کے سیاحتی ماڈل کو سامنے رکھیں تو آئندہ ایک عشرے میں کیری لوگر بل کے تحت ملنے والی مشروط امریکی امداد سے تین گنازیادہ رقم پاکستان کی سیاحتی صنعت سے حاصل کی

جا سکتی ہے۔دلکش نظارے منتظر ہیں کہ لاکھوں آنکھیں انہیں دیکھنے کو آئیں۔حکومت کو چاہیے کہ بدامنی سے متاثرہ علاقوں میں امن کی فوری بحالی کا لائحہ عمل اپنائے تاکہ پورے ملک میں سیاحتی سرگرمیاں پوری طرح عروج پا سکیں۔اس سے ایک طرف قومی آمدن میں اضافہ ہوگا اور دوسری طرف ہمارا ملک انتہا پسندی اور دہشت گردی جیسی اصطلاحوں سے نہیں پہچانا جائے گا بلکہ اپنے قدرتی حسن اور رعنائی،تاریخی اہمیت،ثقافتی دلفریبی اور سیاحتی کشش کی وجہ سے شہرت پائے گا۔موجودہ دنوں میں آزاد کشمیر میں خصوصاً راولاکوٹ پونچھ میں سیاحوں کیلئے ایسا ماحول میسر ہے جس کیلئے سیاح پورا سال انتظار کرتے رہتے ہیں ان دنوں یہاں سیاحوں کا رش بھی زیادہ ہوتا ہے اور موسم میں ہلکی ٹھنڈک دور سے آنے والے سیاحوں کو اور بھی زیادہ لطف مہیا کرتی ہے۔

دلکش سیاحت کی رنگارنگ اقسام

تفریحی سیاحت کا آغاز برطانیہ میں صنعتی انقلاب آنے کے نتیجہ میں ہوا۔امید ہے کہ سیاحتی صنعت کے حوالے سے دنیا بھر میں تسلیم کیے جانے والے حقائق کے مطابق آپ کے لیے یہ حقیقت بہت دلچسپ ہوگی کہ سیاحت کی کئی اقسام ہیں۔مثلاً گروہی سیاحت انفرادی سیاحت،زرعی سیاحت،جغرافیائی سیاحت،جنگلی سیاحت،کوہی سیاحت،جنگی، سیاحت،خلائی سیاحت،مذہبی سیاحت،طبی سیاحت،طویل المدتی سیاحت،مرحلہ وار سیاحت،معاشرتی سیاحت،بحری سیاحت،پسماندہ علاقوں کی

سیاحت، شکاریاتی سیاحت، مہماتی سیاحت وغیرہ۔ بیسویں اور اکیسویں صدی میں سیاحت کے فروغ کے لیے دنیا بھر میں نہایت تیزی سے کام ہوا۔

تحریک انصاف آزاد کشمیر میں قیادت کا فقدان دور کیا جائے

میر صاحب ۔۔۔کیا تحریک انصاف پاکستان میں واقعی ایک انقلاب لانے والی ہے ؟کیا عمران خان کے پاس اتنی بہتر ٹیم موجود ہے کہ وہ اپنی حکومت بنانے کے تین ماہ بعد ہی میرٹ کو بحال کرتے ہوئے کرپشن سے چھٹکارا دلوا پائیں گے ؟اگر عمران خان کی حکومت آئے تو ہم بھی وطن واپس آکر وہیں روزی روٹی کما کر اپنوں کے پاس رہ سکیں گے ؟آزاد کشمیر میں تحریک انصاف کا سونامی کہاں تک پہنچا ہے ؟مصدق خان کی کیا پوزیشن ہےَ؟کیا وہ آزاد کشمیر میں اس سونامی کو سنبھال پا رہے ہیں ؟ مجھ سے یہ سوالات گزشتہ دنوں لندن میں مقیم ایک دوست نے رابطہ کرتے ہوئے کیے تھے،ابتداء میں کہنے لگے اللہ بھلا کرے ان سوشل ویبزاور سافٹ ویئرز بنانے اور چلانے والوں کا، جنھوں نے اپنوں سے رابطے کرنے اور دنیا بھر کی معلومات تک رسائی انتہائی آسان کر دی ہے۔ میری ان سے دوستی قریباًدو سال پہلے ایک سوشل ویب کے ذریعے ہوئی تھی ،جو دن بدن پختہ ہوتی گئی ،معلومات لینے سے علم ہوا کہ وہ گزشتہ 17 سال سے لندن میں مقیم ہیں ،ان کے بقول وہ معمولی سا ذاتی کاروبار کرتے ہیں اور ہر پانچ،چھ سال بعد اپنے ملک میں مختصر مدت کیلئے آتے ہیں ،یہاں اپنوں سے ملتے ہیں ان کے دکھ درد میں شریک ہوتے ہیں یہاں کے حالات دیکھتے ہیں مہنگائی کا خود بھی شکار ہوتے ہیں،اور اپنوں سے بے روزگاری،

مہنگائی اور لوڈ شیڈنگ جیسے مسائل کے بارے میں سنتے ہیں،ان سے جو ہو سکے ضرورت مندوں کی حوصلہ افزائی بھی کرتے ہیں اور پھر سے روزگار کیلئے واپس لوٹ جاتے ہیں۔ میں نے انہیں بتایا کہ میں آپ کے سوالات کا جواب تحریری طور پر دوں گا کیونکہ جو سوالات آپ کے ہیں ایسے ہی سوالات دیگر ہزاروں پاکستانیوں اور کشمیریوں کے بھی ہیں ، میں نے انہیں یقین دلانے کی کوشش کی کہ عمران خان مخلصانہ طور پر تحریک انصاف کے سونامی کو آگے بڑھا رہے ہیں،اس سونامی میں ان کے ساتھ جہاں مفاد پرست ٹولہ بھی شامل ہو رہا ہے (یہ لوگ ہر دیگ کے چمچے بن جایا کرتے ہیں) اس کے ساتھ عمران خان کی سونامی پہ بے شمار مخلص لوگ شامل ہیں جن میں ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں ہے جنہوں نے ملکی خدمت میں بڑا نام کمایا ہے، سونامی میں شامل ہونے والوں میں سابق ججز، مصنفین، بیوروکریٹس، وکلائ، سابق فوجی آفیسران، تجزیہ نگار، سول سوسائیٹی کے نمائیدگان، شوبز، کھلاڑی اور طلباء و نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد ان کے ساتھ شامل ہوئی ہے جو ماضی میں سیاست کا نام بھی لینا گوارا نہیں کرتے تھے۔اس لیے امید کی جا سکتی ہے کہ وہ اچھا مینڈیٹ حاصل کر سکتے ہیں۔جہاں تک بات ہے ملک سے کرپشن کو ختم کرنے کی تو عمران خان اگر ایسے مخلص لوگوں کو سامنے لا سکتے ہیں جو کبھی سیاست میں شریک کار بھی نہیں رہے اور جنہوں نے ملکی خدمت

بھی کچھ نہ کچھ حد تک کر رکھی ہے ،ان کے پاس وسیع تجربہ بھی موجود ہے اور سب سے بڑھ کر وہ لوگ جو ماضی میں کسی گند کا حصہ رہے ہوں تو ان سے یہ امید بھی کی جا سکتی ہے کہ وہ اقتدار میں آ کر کرپشن کو کم کر سکتے ہیں اور خود میرٹ پر آ کر بلا شبہ ملک میں میرٹ کو بھی بحال کر سکتے ہیں اور روزگار کے مواقع بھی لا سکتے ہیں اس لیے آپ امید رکھیں کہ تحریک انصاف اقتدار میں آئے گی اور بیرون ملک آپ جیسے لاکھوں محنت کش وطن واپس لوٹ کر ملکی ترقی میں شریک بھی ہو سکیں گے اور اپنوں کے ساتھ رہ کر زندگی کی نعمتوں سے فیضیاب بھی ہو سکیں گے۔

جہاں تک بات رہی مصدق خان کی سیاست کی اور آزاد کشمیر میں تحریک انصاف کے سونامی کی تو مصدق خان سے مجھے زیادہ امید نہیں ہے ،ان کو تبدیل کیا جانا وقت کی ضرورت بن چکا ہے تبدیلی تحریک انصاف کی مجبوری بھی بنتی ہوئی دکھائی دے رہی ہے۔ان میں توازن تو نہیں کیا جانا چاہیے لیکن پھر بھی تجزیے کے طور پر عمران خان اور مصدق خان میں موازنہ کیا جائے تو ان میں زمین آسمان کا فرق ہے ،عمران خان اپنوں کی قدر کرتا ہے،خود بھی محنتی ہے اور محنتی اور سمجھ دار لوگوں کو سامنے بھی لا رہا ہے اس میں اکڑ نام کی چیز نظر نہیں آتی ، ماضی میں ان کی کامیابی کہ ہم سب گواہ ہیں۔، لیکن جہاں تک مصدق خان کی بات ہے تو ان کا ماضی بھی زیادہ شاندار نہیں رہا،انگلینڈ میں کچھ وقت گزارنے

کے بعد آٹھ ،دس سال پہلے وطن واپس لوٹے تھے ان کے بقول یہ وہاں پر پارٹی کو مضبوط کرنے میں محنت کرتے رہے ہیں ۔ (لیکن اصلیت یہ تھی کہ یہ تو وہاں پر پیپلز پارٹی بیرسٹر سلطان محمود چوہدری کی ٹیم کا حصہ رہے)جب پارٹی کو وہاں ایک خاتون کی صورت میں اچھی محنتی ورکر ملی توانہوں نے مصدق خان سے پارٹی کی ذمہ داری واپس لے لی ، مصدق خان آبائی شہر میرپور آزاد کشمیر لوٹ آئے ،پارٹی سے تعلقات پھر سے جوڑنے کی تگودو کی جس میں کامیاب ہو گئے ،آزاد کشمیر میں تحریک انصاف اتنی فعال نہ تھی ، کرنل (ر) مجاہد حسین جن کا تعلق میرپور سے تھا وہ آرگنائیزر آزاد کشمیر رہے، جنھوں نے کمال مہارت سے پارٹی کو جوڑے رکھا اور خطوط کے ذریعے تمام ضلعی عہدیداران کو رابطے میں رکھتے تھے ،ان کے بعد عبوری طور پر مصدق خان کو آزاد کشمیر تحریک انصاف کا مرکزی چیف آرگنائیزر بنا دیا گیا اور آج تک بغیر انتخابی پراسیس کے مصدق خان آزاد کشمیر تحریک انصاف کے آرگنائیزر ہیں ، مصدق خان کی داستان تحریک انصاف قابل غور ہے ،ان کے آٹھ سالہ دور اقتدار (آرگنائیزر تحریک انصاف آزاد کشمیر) میں یہ پارٹی کو آزاد کشمیر میں فعال کرنے میں کلی طور پر ناکام رہے ہیں ، مصدق خان تحریک انصاف آزاد کشمیر میں ڈیکٹیٹر بن بیٹھے ہیں۔ کبھی ان کا موڈ بن جائے تو ایک، ایک ضلع میں تین، تین آرگنائیزر لگا کر ان کو آپس میں بھی لڑا دیتے ہیں،انہوں نے کارکنان سے بارہا وعدے کیے لیکن ان پر عمل نہیں کیا جاسکا، مرکز کے دباؤ کے باوجود یہ آزاد کشمیر میں کہیں بھی رکنیت سازی مہم

نہیں چلاسکے، جبکہ تحریک انصاف کے جیالوں نے ذاتی طور پر محنت کی اوران کی ذاتی کاوشوں سے رکنیت سازی کی گئی، گزشتہ آٹھ سال سے پارٹی فنڈز کا بے جا استعمال کر رہے ہیں ،پارٹی کیلئے فنڈنگ کرنے کا بہانہ بنا کر کہ لندن گھوم کر آتے ہیں لیکن نہ پارٹی فنڈ میں اضافہ کرسکے نہ کوئی بڑی مہم چلاسکے،آزاد کشمیر جہاں کہیں بھی پارٹی کارکنوں نے پروگرامات کروائے ان سے لا تعلق سے رہتے ہیں ، رسم پوری کیلئے کبھی کبھار جیالے کارکنوں کی منتیں کرنے پر حاضری لگانے پروگرامات میں پہنچ جاتے ہیں ،سب سے بڑھ کر ان میں سیاسی خامی یہ معلوم ہوئی کہ آزاد کشمیر کا مرکزی چیف آرگنائیزر ہونے کے باوجود وہ آزاد کشمیر کے دیگر زیرق سیاستدانوں تک رسائی نہیں رکھتے،نا ہی وہ کسی ایسی سیاسی ساکھ والی شخصیت کو پارٹی میں آنے دے رہے ہیں جو بڑے سیاسی قد کاٹھ کا مالک ہو اس کا واضح ثبوت سب کے سامنے ہے کہ انہوں نے گزشتہ آٹھ سال میں کسی بھی سیاسی قد کاٹھ والی شخصیت کو پارٹی میں نہ شامل کیا اور نہ انہوں نے اس طرف کسی کو لایا، کرنل (ر) نسیم خان سابق وزیر حکومت تحریک انصاف میں شمولیت کرنے ہی والے تھے کہ مصدق خان کی سیاست سامنے آگئی ، کرنل (ر) نسیم خان کے خلاف اخبارات میں من گھڑت خبریں چلائی گئیں جن سے وہ بھی پارٹی میں شامل نہ ہوئے دوسری طرف پونچھ حلقہ 3 سے سابقہ الیکشن میں آزاد امیدوار قانون ساز اسمبلی نیئر ایوب جو ایک بڑا ووٹ بنک بھی رکھتے ہیں اور ذرائع کا کہنا ہے کہ وہ تحریک انصاف کیلئے درد دل بھی رکھتے ہیں لیکن نیئر

ایوب تک پاکستان تحریک انصاف آزاد کشمیر کی قیادت نے کوئی باضابطہ رابطہ نہ کیا، نیئر ایوب کی طرح آزاد کشمیر بھر میں بہت سے ایسے سیاستدان ہیں جن کے پاس ایک بڑا ووٹ بنک بھی ہے لیکن تحریک انصاف آزاد کشمیر کی مرکزی قیادت کا یا ضلعی قیادت کا ان میں سے کسی سے رابطہ نہیں ہو پاتا، شاید تحریک انصاف کہ یہ عہدیداران شاید اس گھمنڈ میں ہیں کہ لوگ ان کے قافلے میں خود شامل ہونے آئیں گے اور انہیں پارٹی میں آنے کی درخواستیں دیں گے۔ یہاں ایک اور ذکر کروں گا کہ پونچھ کے آرگنائیزر سردار ابرار جاوید جو پارٹی کے ساتھ ایک لمبے عرصہ سے مخلصانہ کھڑے ہیں ان کی سیاسی تربیت و سرپرستی بھی اس طرح نہیں کی گئی کہ وہ اپنے ضلع کے حد تک ہی قابل سیاستدانوں تک پہنچ سکیں، ایسا ہی حال آزاد کشمیر کے تقریباً ہر ضلع کا ہے، جب تک مرکزی قائدین اپنی ذمہ داریاں صحیح طرح سے نہیں نبھائیں گے تب تک آزاد کشمیر میں یہ سونامی خاموش ہی رہے گا، آزاد کشمیر کے مرکزی قائدین کی اس سست روی اور کاہلی کی مرکزی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ شاید ان کو یہ خوف ہے کہ کسی مضبوط امیدوار کے اس تحریک انصاف میں شامل ہونے سے ان کے نزدیک انکی اپنی پوزیشن کمزور ہو جائے گی، مصدق خان یا ان کی ٹیم سے میرا اور تحریک انصاف کیلئے نرم گوشہ رکھنے والے دیگر لوگوں کا اصولی اختلاف یہ بھی ہے کہ وہ زبانی تو کہتے ہیں کہ وہ پارٹی منشور سے ہٹ کر کام نہیں کرتے اور نہ کریں گے لیکن حقیقت میں وہ پارٹی سربراہ کی پالیسیوں پر عمل نہیں کر رہے، عمران خان جس طرح پاکستان کی

مختلف سیاسی پارٹیوں کے تمام زیرک سیاستدانوں سے رابطے میں ہیں اور ایک بڑی تعداد میں ایسے لوگوں کو پارٹی میں لانے میں بھی کامیاب رہے ہیں حتیٰ کہ وہ پارٹی میں مخدوم جاوید ہاشمی جیسی شخصیت کو بھی لے آئے اور ان کو ان کی حیثیت کے مطابق ایڈجسٹ بھی کر دیا ہے۔ مصدق خان کو چاہیے تھا کہ وہ پارٹی میں آزاد کشمیر سے اچھی شہرت والے سیاستدانوں کو لیتے اور ان کو مرکز کی مشاورت سے مناسب ایڈجسٹ بھی کروا دیتے کیونکہ مرکز میں دیکھا جاتا ہے کہ آپ کے ساتھ عوام کی کتنی طاقت ہے، عوامی وسماجی تعلق کیسا ہے، مصدق خان اچھی طرح جانتے ہیں کہ اگر وہ آج جنرل الیکشن میں اپنے حلقہ سے حصہ لیتے ہیں تو خود کتنے ووٹ حاصل کر سکیں گے ؟اس سوال کا بہتر جواب ان کے حلقہ کے لوگ ہی بہتر دے سکتے ہیں۔ ایک اور المیہ یہ بھی ہے کہ آزاد کشمیر میں مرکز کی منشاء کے مطابق چیف آرگنائیزر کی منظوری تو دی جاتی ہے لیکن کیا ہی بہتر ہوتا کہ آزاد کشمیر سے چیف آرگنائیزر لینے کیلئے یہیں سے ایک آرگنائیزنگ کمیٹی بھی بنائی جاتی جو ووٹ کے ذریعے اس چیف آرگنائیزر کو منتخب کرتی تاکہ مرکزی چیف آرگنائیزر بھی اس کمیٹی کو اعتماد میں لے کر فیصلے صادر کرتا، یہاں پر میں ان کی ہٹ دھرمی کی ایک تازہ مثال آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں، گزشتہ دنوں راجہ تجمل جو پارٹی کے دیرینہ سرگرم کارکن ہیں کا تعلق کوٹلی سے ہے،انہوں نے پارٹی کیلئے لمبے عرصہ سے جدوجہد کی ہے اور آزاد کشمیر سمیت پاکستان کے مختلف شہروں میں سیاستدانوں اور پارٹی کارکنان سے رابطے میں ہیں ان کی

کارکردگی کو مد نظر رکھتے ہوئے ان کو مرکز نے چیئرمین مانیٹرنگ سیل آزاد کشمیر کا نوٹیفکیشن جاری کیا لیکن چیف آرگنائیزر مصدق خان جن کے بارے میں آواز ا±ٹھ رہی ہے کہ وہ خود غیر آئینی حیثیت سے ذمہ داریاں سرانجام دے رہے ہیں نے غیر آئینی طور پر راجہ تجمل کے نوٹیفکیشن کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا یہیں تک نہیں انہوں نے اخبارات میں اس نوٹیفکیشن کی تردید تک کر دی اور یہاں تک کہہ دیا کہ تجمل خان بے شک ن لیگ میں چلا جائے اور ڈاکٹر لطف الرحمان جو ایم کیو ایم کے پلیٹ فارم سے الیکشن بھی لڑتے رہے ان کو مظفرآباد ڈویژن کا عبوری انچارج بنا دیا گیا۔ یہ وہی راجہ تجمل ہیں جنھوں نے مصدق خان کی سرپرستی کرکہ انہیں پارٹی میں مضبوط کیا اور چیف آرگنائیزر بنوانے کیلئے بھی تگو دو کرتے رہے ,آج ا±سی راجہ تجمل کو سائیڈ لائن کیا جارہا ہے جس نے ساتھیوں کے ساتھ مل کر مصدق خان کو سیاست میں چلنا سکھایا تھا،مصدق خان کی اس نا بالغی پر تحریک انصاف کے کارکنوں کی ایک بڑی تعداد نے آواز بھی اٹھا رکھی ہے ، تحریک کے سیاسی کارکن ان کے خلاف پریس کانفرسز کر رہے ہیں، مرکز پر بھی دن بدن دباؤ بڑھ رہا ہے کہ وہ ایک عرصہ سے پارٹی کی سرپرستی اور پارٹی کیلئے عملی کام نہ کرنے والوں کا محاسبہ بھی کریں اور انہیں تبدیل بھی کریں۔اس وقت تحریک انصاف آزاد کشمیر کے مرکزی چیف آرگنائیزر کیلئے کچھ اور لوگ بھی موزوں ہیں جن میں سرینگر سے آئے ہوئے فیصل حسین پیرزادہ سہر فہرست ہیں جو پنڈی سٹی کے صدر بھی رہے ہیں ان کے علاوہ یاسر

حفیظ ایک متحرک کارکن ہے ان کو آزاد کشمیر میں واپس لایا جانا چاہیے اور راجہ تجمل خان کو بھی مزید اہم ذمہ داری دی جا سکتی ہے۔

ایٹم بم بنانے سے کیا ہم اپنے مقاصد حاصل کرنے کامیاب ہو گئے؟

28 مئی 1998ء کو 3 بجکر 16 منٹ پر جب پاکستان نے پہلی دفعہ چاغی بلوچستان میں اپنا کامیاب نیوکلئیر ٹیسٹ مکمل کیا۔ ایسا کیوں ہوا، اس کی کیا ضرورت تھی ، کیا ہم اس ایٹم بم کی وجہ سے اپنے کردار واہمیت کو بہتر کر سکے ؟

جب 98ء میں پاکستان نے ایٹمی دھماکے کر کہ خود کو ایٹمی قوت ثابت کروایا تھا تب ہم بچے تھے ، ہر طرف خوشی کا سماں تھا جس کی جھلک اس وقت سرحد پر کھڑے فوجی سپاہیوں ، طالب علموں اور تمام عوام کیلئے جذباتی کیفیات پیدا کرنے کا باعث تھا، ہم سکول میں جاتے تو ہمارے اساتذہ بڑے فخر سے ہمیں یہ بتاتے کہ اب پاکستان و کشمیر کی طرف کوئی بھی میلی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتا، اب ہم بھارت سے اپنے کشمیریوں کو بھی آزاد کروالیں گے چونکہ اس وقت کارگل سیکٹر پر دونوں ملکوں کی افواج ایک دوسرے کے خلاف لڑ رہی تھیں اور ملک بھر میں جنگ چھڑنے کا قوی امکان موجود تھا ،اس لیے ہمیں یہ ایٹم بم کوئی ایسی چیز معلوم ہو رہی تھی کہ جس سے ہم اپنے ہر ایک دشمن کو ڈرا دھمکا سکتے تھے ، ہمیں یہ باور کروایا جا رہا تھا کہ اب کوئی دشمن ملک ہماری طرف حقارت کی نگاہ نہیں ڈال سکے گا، صرف اپنا نہیں بم نہیں ہے بلکہ یہ بتایا جا رہا تھا

کہ یہ تو اسلامی بم ہے جو اسلام کے نام لیواؤں کی حفاظت کرے گا، جس خطہ میں بھی مسلمانوں کو ہماری ضرورت پڑے گی ہم حاضر ہو جائیں گے۔ لیکن یہ کیا ہوا۔۔! کچھ ہی وقت کے بعد صورت حال تبدیل ہوتی ہوئی محسوس ہونے لگی، پڑوسی ملک بھارت نے کشمیریوں پر ظلم و بربریت کم نہ کیا بلکہ دن بدن اس میں بھی شدت آتی ہی گئی جو آج بھی جاری و ساری ہے، امریکہ نے ہم سے اڈے لے کر برادر اسلامی ملک افغانستان پر حملہ کر دیا، عراق کو نیست و نابود کیا، کئی بار خود ہم پر چڑھ دوڑا تب سے ہماری ایک نہ چلنے دی گئی، گو کہ ایٹم بم ٹیکنالوجی ہمارے پاس آج بھی موجود ہے لیکن آخر ہمیں اتنا بے بس کیوں کر دیا گیا کہ ہم ترقی کرنے کے بجائے دن بدن پیچھے کی طرف دھکیلے جا رہے ہیں، ہمارا معاشی نظام بدتر کر دیا گیا، آئی ایم ایف اور کیری لوگر نے ہمیں آج بھی دبوچ رکھا ہے، ہماری اپنی سرحدوں پر حملے کر کہ درجنوں جوان شہید کر دیئے جاتے ہیں، ہماری سرحدوں کے اندر غیر ملکی افواج داخل ہو کر بڑی کاروائی تک کر جاتی ہیں، لیکن ہم بے بس۔۔آخر یہ جدید ٹیکنالوجی کس کام کی جب ہمارے جذبات ہی مرجائیں۔۔! پڑوسی ملک پانی میں رکاوٹ ڈال کر ہماری زرخیز زمینوں کو سہرا بنارہا ہے لیکن ہمارے اپنے اندرونی اختلافات ہی ختم ہونے میں نہیں آرہے۔اب دیکھتے ہیں اس پس منظر کی طرف جس کے تحت پاکستان نے ایٹم بنایا تھا۔

بتایا جاتا ہے کہ بھارت نے جب ایٹمی دھماکے کرکے پاکستان کو ڈرانے کی کوششیں کی کہ وہ پاکستان کو دنیا کے نقشے سے مٹا دیں گے۔ اس دفاع کے لیے پاکستان کے لیے ضروری ہو چکا تھا کہ وہ بھی ایٹمی طاقت بنے اور اپنے حریف ملک کو بتا دے کہ وہ کسی سے کم نہیں پاکستان کے پاس بھی ایسے نیوکلئیر ہتھیار موجود ہیں اور ایسے با صلاحیت لوگ موجود ہیں کہ جو ان نیوکلئیر ہتھیاروں کو استعمال کرکے ملک کو ایٹمی طاقت بنا سکتے ہیں۔

اس ایٹم بم کی اس وقت ضرورت یہ تھی کہ امریکہ ،اسرائیل ،بھارت اور دوسری اسلام دشمن طاقتوں نے پاکستان کے وجود کو مٹانے کی کوششیں جاری رکھی ہوئی تھیں۔ ایسے حالات میں پاکستان کے لیے ضروری ہو چکا تھا کہ وہ اپنی حیثیت کو برقرار رکھنے کیلئے اپنے دشمن کو ایسا وار کرکے دکھائے کہ وہ کسی سے کم نہیں ہے اور جو بھی طاقتیں اس ملک پر میلی نگاہیں رکھے ہوئے ہیں ان کے لیے وارننگ تھی کہ وہ پاکستان کو کسی بھی لحاظ سے کم نہ سمجھیں کیونکہ پاکستان بھی اب ایک ایٹمی طاقت بن چکا تھا۔ گو کہ ایٹمی بم بنانے کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ اس سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کی جائے لیکن ملکی سالمیت کی حفاظت کیلئے ایٹم بم ایک موثر ہتھیار بنا۔ اس ایٹمی دھماکے کا مقصد کوئی خون خرابہ کرنا نہیں تھا اور نہ ہی کوئی فساد پھیلانا تھا بلکہ یہ صرف اسلام کی سربلندی اور دین و ملک کی حفاظت کے لیے کیا گیا تھا۔

جدید ٹیکنالوجی حاصل کرنا مسلمانوں کیلئے اس لیے بھی ضروری ہوتا ہے کیونکہ ہمارے پیارے نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ صفیں بندھے رکھو اور ہمیشہ تیار رہو۔ دشمن کی حرکات کی خبر رکھو اور ان کے خلاف ہتھیار تیار رکھو اور ہر طرح کی جنگی حکمت عملی اختیار کیے رکھو۔ سو نبی پاک ﷺ کے فرمان کو مد نظر رکھتے ہوئے دشمنان اسلام کی حرکات کی جوابی حکمت عملی یہی تھی کہ انہیں اینٹ کا جواب پتھر سے دیا جائے لیکن کیا آج یہ سوال نہیں اٹھتے کہ ایٹم بم کو بنے 14 سال ہو چکے لیکن کیا اس ایٹم بم کی وجہ سے پاکستان و کشمیر کے لوگ دنیا کی ظلمت و بربریت سے بچ سکے ہیں؟کیا ہماری سرحدیں محفوظ ہیں ؟اس وقت کی یہ جدید ٹیکنالوجی تو ہم نے حاصل لی تھی لیکن کیا ہم اپنے عوام کیلئے مناسب سہولیات کا انتظام کر سکے ہیں؟پاکستان و کشمیر کو موجودہ حالات و مسائل دیکھ کہ ایک بڑا سوال یہ بھی اٹھایا جا رہا ہے کہ ایک طرف ملک کے پاس نام نہاد جدید ٹیکنالوجی تو موجود ہے لیکن دوسری طرف ملک اندھیروں میں کیوں ڈوب رہا ہے،لوڈ شیڈنگ جیسے بڑے مسائل نے عوام کا جینا دو بھر کر دیا ہے،لوگ اب یہ تک کہہ رہے ہیں کہ ہمیں ایٹم بم سے مطلب نہیں ہے۔اے حکمرانو۔۔! بس ہمیں ہمارے بنیادی حقوق ہی دے دو۔

جب ہم نے ایٹم بم بنایا تھا اس وقت اس کی قدر منزلت بہت زیادہ تھی اس کی

اہمیت سے آج بھی انکار نہیں کیا جاسکتا۔ایٹمی سائنسدان ڈاکٹر عبدالقدیر خان اور ان کی ٹیم کی کمال مہارت و مہربانی کی وجہ سے ہم نے ایٹمی ٹیکنالوجی حاصل کی تھی لیکن اب میرے خیال میں دنیا ٹیکنالوجی میں بہت آگے نکل چکی ہے ،اب ملکوں کو فوجی قوت سے فتح کرنے کا رواج کم ہو رہا ہے اب جدید سیٹلائیٹس کے ذریعے ملکوں کی حفاظت کی جاتی ہے ،بڑی جنگیں لڑنے کے بجائے ڈرون حملوں جیسے اقدامات کیے جاتے ہیں، سوشل میڈیا کے ذریعے ملکوں کی پالیسیاں تبدیل کی جاتی ہیں ،دنیا گلوبل ویلج بننے کی وجہ سے جدید ترین ٹیکنالوجی کے حامل ممالک بھی اب اپنے تھینک ٹینکس کے ذریعے دوسرے ملکوں کی پالیسیوں پر اثر انداز ہونے کیلئے حکمت عملی بنا کر ان پر مختلف طریقوں سے حملہ آور ہو رہے ہیں لیکن ہم شاید ابھی بھی خواب غفلت میں پڑے ہیں، ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلام کی سربلندی کیلئے اور ملک پاکستان و ریاست کشمیر کو اس کے اصولی حقوق دلانے کیلئے ، عوام کو ریلیف دینے کیلئے مناسب حکمت عملی ترتیب دی جانی چاہیے جس کیلئے ضروری ہے کہ اس ملک و ریاست کی بھاگ دوڑ ایسے ہاتھوں میں ہو جو اسلام کی سربلندی کیلئے مخلص ہوں نہ کہ ایسے لوگ جو پاکستان بننے کے بعد سے اب تک ذاتی مفادات کیلئے پیش پیش تھے وہی لوگ نئے روپ میں سامنے آجائیں چونکہ تبدیلی کا وقت آتا ہوا نظر آرہا ہے اس لیے سب کو مل کر مخلصانہ طور پر تبدیلی کا ساتھ دینے کی ضرورت ہے۔

اللہ کا نظام اور کرپشن کا خاتمہ

تحریر: عمران ایوب

اس بات سے ہر شخص واقف ہے کہ اگر اسلامی فلاحی مملکت کا قیام عمل میں آگیا تو زندگی کے کسی بھی شعبہ میں کرپشن ناممکن بن کر رہ جائیگی۔ لیکن ہم سب اس بڑی حقیقت سے آنکھیں چرا کر کبھی کسی انسانی تخلیق کردہ فرسودہ نظام کر قیام کے لئے فضول جدوجہد کر رہے ہوتے ہیں اور کبھی یہودیت کے پھیلائے ہوئے جال میں مفاد پرستی کا دانہ چگنے کے لئے جا کر پھنس کر اپنی مرضی کے اور فطرت کے عین خلاف حالات کے ساتھ سمجھوتہ کر بیٹھتے ہیں۔ ہم نے آج تک اللہ کی دھرتی پر اللہ کے قانون کے عملاً نفاذ کے کے لئے جدوجہد پوری دلچسپی کے ساتھ شروع ہی نہیں کی۔اللہ کی دھرتی پر اللہ کے قانون کی جدوجہد کرنے کے لئے مکمل طور پر مخلص ہونا پہلی شرط ہے۔ ہم سب اللہ کو مانتے ہیں۔اللہ کی دی ہوئے نعمتوں کا بڑے فخر سے استعمال کرتے ہیں ۔ہمارے کرتوتوں کے باعث جب کوئی مصیبت ہم پر ٹوٹتی ہے تو ہم تائب بھی ہوتے ہیں اور لمبی لمبی نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور اللہ تعالی سے لمبی لمبی دعائیں بھی مانگ مانگ کر اپنی مصیبت و آلام کو دور کروانے کی سعی بھی کرتے ہیں۔ لیکن ہم کبھی بھی اللہ کے ساتھ از خود مخلص نہیں ہوتے اکثر ہم نے اپنی ذمہ داریوں اور اپنے اوپر

عائد دینی پابندیوں کو مولوی سے سر تھونپا ہوا ہے۔ہم ذہنی طور پر کچھ اس طرح ہو چکے ہیں کہ اپنی تمام دینی ضرورتوں اور جدوجہد سے ہم نے چشم پوشی کر رکھی ہے۔ موجودہ وقت میں کرپشن کے ہم خود ذمہ دار ہیں۔دین سیدھے راستے کا نام ہے جو شخص دینی راستوں کو سمجھ گیا وہ سمجھدار کہلاتا ہے اور جو نہیں سمجھ سکا وہ فاترالعقل کہلائے گا ۔محض چند وقتی مفادات کی خاطر دائمی مفادات کو ٹھکرانے والے حضرات کس طرح اپنے آپ کو عقل مند کہلائیں گے۔پاکستان تقریباً چالیس سالوں سے بین الاقوامی استعماری قوتوں کی آماجگاہ بنا ہوا ہے اور اب استعماری قوتیں پاکستان کے اندرونی معاملات میں پوری طرح دھنس کر مقتدر قوت کی شکل اختیار کر چکی ہیں۔پاکستان دنیا کے نقشے پر اسلامی جمہوریہ کی شکل میں ابھرا تھا اس کے قیام کا ایک عظیم مقصد تھا۔جس طرح ترکی میں اسلام کے خلاف یہودی لابی کمال اتاترک کی صورت میں اور مصر میں یہودی لابی جمال عبدالناصر کے ذریعے اسلامی اقدار کے خاتمے کا باعث بنی اسی طرح پاکستان میں چالیس سال قبل یہودی لابی کی پوری توجہ پاکستان پر مرکوز ہو گئی تھی۔ کیونکہ ترکی اور مصر میں بہترین اسلامی تشخص کو یہودی لابی نے اپنی پر فریبیوں کی بھینٹ چڑھا دیا تھا۔اور ان دو جگہوں کے بعد باشعور اور انقلابی مسلمان صرف اور صرف پاکستان اورانڈیا ییں موجود تھے۔انڈیا میں موجود مسلمانوں کو ہندو حکومت کے ساتھ مل کر دل فریب جال ییں بڑی آسانی سے جکڑ لیا گیا اور پاکستان کے لئے بھی یہودی لابی کو اپنے مقصد کے

چند اوباش اور ہر قسم کے "فروش" مل گئے پھر انہوں نے اپنے حلیف ہندوں کے ذریعے عظیم پاکستان کو پہلی فرست میں دو ٹکڑے کر دیا پھر اس ملک کے عوام کو روٹی کپڑا اور مکان کا لادینی اور بے دینی جھانسہ دے کر ان کے ایمان پر پہلی کاری ضرب لگائی پھر پاکستان کے عوام کو بے ایمان، مکار، جعلساز، بے ضمیر، مفاد پرست، اور بد کردار بنانے کے لئے جو پروگرام شروع کئے گئے ان کو " شعور " کا نام دیا گیا اس طرح ملت اسلامیہ کی غیرت میں نقب زنی شروع ہوئی لیکن پاکستان بھر کے عوام ہندوانہ اور یہودیانہ ذہنیت کے حامل نہیں ہیں بلکہ اکثریت اب بھی پاکستان کا مطلب کیا " لاالہٰ اِلااللہ " کہتی ہے اور دو قومی نظریہ پاکستان پر یقین رکھتی ہے۔ انشااللہ وہ وقت دور نہیں کہ جب شیطانی چالیں چلنے والوں کو مسلم پاکستانی قوم کے علاوہ حقیقت پسند پاکستانی اقلیت بھی ٹھکرا کر حقیقی اسلامی سیاسی نظام کے قیام کے لئے متحد اور منظم ہوں گے۔ اور یقیناً اللہ بھی اپنے بندوں کا ساتھ دے گا۔ مجھے لگتا ہے کہ عنقریب اسلامیان پاکستان متحد ہو جائیں گے پاکستان اور صرف پاکستان کی باتیں کرنے والے بھی کہیں گے کہ پاکستان مسلمانوں کا ملک ہے اور اس کا آئین بھی ایک مکمل اسلامی آئین ہو گا اور ملک کا بچہ بچہ اسلامی سیاسی فکر اپنا کر وطن نذیر کو مملکت خداداد سمجھ کر زمین کے اس ٹکرے میں اللہ کے قانون انصاف اور نظام عدل کے حقیقی نظام کے نفاذ کے لئے مخلصانہ جدوجہد میں کامیاب و کامران ہو گا۔ پاکستان کسی ہندو ازم، سوشل ازم، کیمونزم، اور

یہودی لابی کی اماجگاہ بننے کے لئے معرض وجود میں نہیں آیا تھابلکہ یہ ملک برصغیر کے مسلمانوں کی قربانیوں کی بدولت اسلام وحق، عدل وانصاف اور توازن کے لئے معرض وجود میں آیا تھاجب اس میں اللہ کے نظام کا قیام عمل میں آ جائے گاتو ہر قسم کے کرپشن کا خاتمہ ہو جائیگا۔پاکستان میں مسلمان آباد تھے 1969 تک عوام کی ایک ہی رائے تھی کہ اس مملکت خداداد میں اللہ کا قانون نافذ ہو گا 1973 کا آئین بناتو پہلی مرتبہ پاکستان بھر کے علماءاور دینی حلقوں نے محض اس لئے اس آئین کو قبول کیا کہ اس میں پانچ سالوں کے اندر اندر پاکستان کو مکمل اسلامی ریاست بنانے کا اندیہ موجود تھا یہ آئین پاکستان بھر کے مسلم پارلیمنٹرین نے ملکر بنایا تھا۔اور دل سے قبول کیا تھا لیکن اس وقت کی سوشلسٹ مقتدر طاقتوں نے متعدد بار اس آئین میں ترامیم کرواکہ آئین کی حقیقی حیثت کو نا صرف مشکوک کر دیا بلکہ مسخ کر دیا پھر پاکستان بھر کے مسلمانوں نے از سر نو متحد ہو کر غیر اسلامی یلغار کے خلافایک مثالی اتحاد قائم کر کے ثابت کیا کہ پاکستان میں مسلمان کسی غیر اسلامی سازش کو یا داس بیل (لوط بوٹی) کو پھیلنے نہیں دیں گے لیکن شومی قسمت کہ پاکستانی فوج کی اقتدار میں مداخلت کی طوالت نے پاکستان کے مسلمانوں کے اسلامی تشخص کو خاطر خواہ سہارا نہ دیا۔اگر جنرل ضیاءالحق 90 دنوں میں الیکشن کروا کر واپس بیرک کا رخ کر لیتے تو آج پاکستان کی دنیا میں شناخت کا ایک خوبصورت اور منفرد انداز ہوتا۔پاکستان پیپلز پارٹی کو

جنرل ضیاء الحق سابق صدر پاکستان کا کچھ اس طرح شکر گزار ہونا چاہیئے کہ ان کو ہر سال عزت و احترام کے ساتھ جنرل ضیاء الحق کا دن منانا چاہیے کیونکہ اگر جنرل ضیاء الحق اپنے صدارتی اختیارات کو استعمال کرتے ہوئے بھٹو کی پھانسی رکوا لیتے تو پیپلز پارٹی کا پاکستان میں وجود تک باقی نہ رہتا۔ اگر یہ پارٹی آج تک قائم ہے اور پاکستان کے عوام میں اس کی تھوڑی سی بھی اہمیت ہے تو صرف ضیاء الحق کی اس غلطی کی بدولت ہے۔ یہ بات بلکل درست ہے کہ پاکستان کے عوام کو غیر مسلم بنانا نہایت مشکل کام ہے۔ پاکستان کے ہر شہر سے نماز کو ختم کروانے اور غیر اسلامی طور طریقوں کو عام کرنے اور اسلام کو ختم کرنے کے جو حربے یہود و ہنود کے گٹھ جوڑ کی پیداواری پارٹیاں صاحب اقتدار بھی رہیں اور بار بار رہیں پھر بھی مسلم سوسائٹی کو مکمل طور پر 40 سال کی انتھک محنت کے باوجود ختم نہ کر سکیں اس سے اندازہ ہو جانا چاہیئے کہ پاکستان میں ہے جو امریکہ (Supreem power) اسلام کو محفوظ رکھنے کے لیئے کوئی بڑی طاقت اسرائیل ، انڈیا سے بھی بڑی ہے اور امریکہ نواز اسرائیل نواز ،انڈیا نواز جماعتوں اور حکومتوں اور امریکہ بھارت اور اسرائیل کا منحوس مشن ایک ہے دوسری طرف امریکہ اسرائیل اور انڈیا کی بھی ہر طرح کی دوڑ پاکستان کے اور دنیا بھر کے مسلم کے خاتمے کے لئے دوڑی جا رہی ہے لیکن پھر بھی پاکستان کے غریب مسلم عوام کا خاتمہ ممکن ہو سکا اور نہ ہی پاکستان اور اسلام کا خاتمہ کرنے والوں کو اپنے اپنے مقاصد میں کامیابی ممکن ہو سکی

۔ انشااللہ ہر وہ شخص جماعت اور وہ منحوس طاقت جو پاکستان اور اسلام کو میلی آنکھ سے دیکھے گی تباہ و برباد ہو گی ۔اس میں شک و شبے کی کوئی گنجائش نہیں کہ ماضی میں بھی جس نے بھی پاکستان اور اسلام کو میلی نظر سے دیکھا اللہ نے اس کو غارت کیا اور آیندہ بھی پاکستان اور اسلام کے خلاف کسی بھی مشن کو چلانے والوں کو تباہ و برباد کردے گا۔ اس لئے تمام بھائیوں بہنوں اور اہل نظر سے اپیل ہے کہ پاکستان میں اس ملک کی شان کے مطابق یہاں نظام عدل و انصاف "اسلام " کے قوانین کے عملاََ نفاذ کی جدو جھد کریں اور اس کو باقاعدہ ایک مربوط سیاسی عمل کے ذریعے جاری رکھا جائے تاکہ کرپشن کا حقیقی مکمل خاتمہ ممکن ہو سکے۔اسلامی جدو جھد ہی حقیقی سیاسی جدو جھد ہے ۔مثلاََ پاکستان میں 97 فی صد لوگ کلمہ گو ہیں جو اسلام کے مضبوط عدل و انصاف والے مکمل ضابطہ حیات کے عملی نفاذ کی انتظار میں ہیں ۔ لیکن کچھ ذمہ داروں وڈیروں، سرمایہ داروں اور اہل ثروت نے غریب مسلم آبادی کو اپنے ذاتی مفادات کی خاطر کرپشن کا شکار کر رکھا ہے ۔یعنی شیطانی عمل کو سیاست کا نام دے کر مسلم عوام کو ان ہی کی دھرتی پر ان ظالموں نے تختہ مشک بنا رکھا ہے ۔ یاد رہے کہ ان ذمہ داروں ،وڈیروں اور سرمایہ داروں کا نہ ہی کوئی مذہب ہے اور نہ ہی کوئی وطن ہے ۔ اس لئے یہ حضرات اپنے مفادات کی راہ مین ہمیشہ سے کسی قسم کی "فروشی" سے گریز نہیں کرتے ۔ سیدھی بات یہ ہے کہ یہ لوگ نہایت کرپٹ ہوتے ہیں اور پورے ملک میں کرپشن پھیلانے کے یہی ذمہ دار ہیں اور یہی لوگ

مختلف حربوں سے غریب عوام سے ووٹ لے کر اقتدار تک پہنچے ہیں اور پھر زیادہ خوبصورت طریقوں سے کرپشن پھیلاتے،بڑھاتے ہیں۔ پاکستان کو ان لوگوں نے اپنے مفادات کی خاطر کئی مرتبہ یہود و ہنود کے پاس بیچا۔پاکستان کی غیرت مند فوج ہمیشہ سے ان کے راستے کی رکاوٹ بنتی رہی اور اب تو ان وطن فروشوں نے اپنے حلقوں میں یہ باتیں بھی بڑی دلیری سے کرنا شروع کر دی ہیں۔فوج بھی اب مفاد پرست بنا دی گئی ہے اور فوج بھی اب ان کے ساتھ ہے اس قسم کی باتیں یہ بے حیاء کر سکتے ہیں مگر یہ کبھی نہیں ہو سکتا پاکستان آرمی میں ایک گندہ انڈہ پرویز مشرف انہی کا آلہ کار ضرور تھا مگر وہ اپنی کوششوں کے باوجود پاکستان کی غیرت مند آرمی کو کرپٹ کرنے میں بری طرح ناکام ہوا پرویز مشرف پاکستان پیپلز پارٹی کا ایک ادنی کارکن تھا اور ابھی بھی پارٹی اندرون خانہ اس کو مکمل طور پر سپورٹ کر رہی ہے اگر پیپلز پارٹی پرویز مشرف کی سپورٹ نہ کر رہی ہوتی تو مشرف کبھی بھی ملک سے باہر جانے میں کامیاب نہ ہوتا وہ صرف اور صرف پیپلز پارٹی کے مفادات کی خاطر مختلف روپ دھارتا رہا جب لوگ یہ بات اچھی طرح سمجھ چکے ہیں کہ پیپلز پارٹی غریب مسلم عوام کی پارٹی نہیں ہے اور یہ پارٹی غریب مسلم عوام کی دشمن پارٹی ہے اس پارٹی کے پاس غریب عوام کے لئے کوئی نظام نہیں ہے پھر عوام کا رخ کسی اور مسیحاء کی طرف ہونا ایک فطری عمل ہے دوسری طرف یہود و ہنود لابی نے جب دیکھا کہ پاکستانی عوام نے ان کے چہروں کو (Reject) کر دیا ہے تو انہوں نے اپنا نیا

چہرہ آزمانے کے لئے عمران خان کو میدان میں اتارنے کا پروگرام بنا لیا ہے جبکہ پاکستان کے عوام اچھی طرح سمجھ چکے ہیں کہ اب اللہ کی دھرتی پر اللہ کے نظام کے قیام کی بات کرنے والے کے علاوہ کوئی بھی مخلص نہیں ہو سکتا۔ اللہ کے بندوں کے ساتھ نہایت بے رحمانہ کھیل ماضی میں پاکستان کی سرزمین پر کھیلا جا چکا ہے لہٰذا اللہ بھی احمقانہ خیالات اور فرسودگی کا ساتھ نہیں دیتا اب رب کی رضاء کی خاطر پاکستان کی بقا کی خاطر صرف اور صرف اللہ کی زمیں پر عدل و انصاف کے نظام اسلام کے عملاً نفاذ سے ہی انسانیت کی فلاح ممکن ہے اور اب عوام جو کہ اللہ کے فضل سے مکمل طور پر مسلمان ہیں اور اسلامی نظام کے حق میں ہیں کیونکہ کرپشن سے یہ عوام مکمل طور پر تنگ ہے اور کرپشن کی چکی میں پسے ہوئے ہیں ملک میں کرپٹ عناصر نے ہوش رباء کرپشن پھیلا رکھی ہے اور کرپشن کی بدولت کارخانہ حیات.بری طرح اس ملک میں متاثر ہو رہا ہے ہر طرف انارکی اور اندھیر نگری پھیل چکی ہے اس لئے اب ایک رائے بچت باقی ہے کہ آئندہ کسی غیر اسلامی وڈیرے اور غیر مسلم سرمایہ دار کو ووٹ دینے کے بجائے اب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے پروگرام پر مکمل یقین رکھنے والے غریب لوگوں کو پارلیمنٹ کا ممبر منتخب کیا جائے پاکستان بھر کے تمام علماء مشائخ اسلامی جماعتیں اور عام غریب مسلم جب تک متحد و متفق نہیں ہوتے اسلامی انقلاب کی راہ ہموار نہیں ہو سکتی لیکن خوش خبری ہے کہ اسلامی انقلاب اب بہت قریب ہے اور ہر مکتبِ فکر سے متعلق فی صد پاکستانی کلمہ گو مسلم عوام اب یہ بات 97

اچھی طرح سمجھ چکے ہیں کہ اسلامی انقلاب لائے جانے کہ سوا کرپشن ، ظلم و ستم ،اندھیر نگری ، ناانصافی، لوٹمار ،بربریت ، غنڈہ گردی، اقرباء پروری ، مفاد پرستی جیسی لعنتوں سے نجات ممکن نہیں اور اگر علماء نے نے بھی تکبر کیا تو عام مسلمان عوام اب اسلامی انقلاب کے لئے ایک منظم جدوجہد کاآغار کریں گے۔علماء کے تکبر سے مراد علماء کا اپنے آپ کو دوسرے عام مسلمانوں اور دیگر علماء سے بہتر ثابت کرنے کی شدت والی پالیسی ہے۔وہ پالیسی جس کی بدولت علماء اسلام نے اپنی راہیں جدا جدا کرکے ماضی میں بھی اسلام کو شدید نقصان پہنچایا حالانکہ عبادت کے طور طریقوں کے علاوہ آپس میں کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے پھر بھی بریلوی ، دیوبندی اور اہل حدیسثی دھڑے بنا کر علما نے عوام کو کنفیوز کیا۔اور خود بھی اپنی اصلاح کے بجائے ہٹ دھرم ہین اس قسم کی ہٹ دھرمی کو کسی صورت بھی مکمل اسلامی نہیں کہا جا سکتا۔اسلامی انقلاب کی خاطر موجودہ دور میں شدت پسندی کو اختیار کرنے سے غیر مسلم ایجنڈے کو سہارا مل رہا ہے

۔یہودی بہانے بازیو سے اسلام کو شدت پسند مذہب قرار دے رہا ہے۔ہندوں اسرائیلوں اور امریکیوں کے اتحاد و موقف کو کسی بھی شدت پسند گروہ کی بدولت، تقویت ملتی ہے اس لئے بھی ہمیں تعلیمات اسلامی اور گھر گھر پر خلوص محنت کے ذریعے انقلاب اسلانی کی راہ کو ہموار کرنا ہے۔

ازبس کرپشن کا خاتمہ صرف اور صرف اسلامی انقلاب سے ہی ممکن ہو سکتا ہے اور

اسلامی انقلاب کی خاطر بریلوی، دیوبندی، اہل حدیثی اور دیگر مکاتب فکر کو ایک مثالی اسلامی اتحاد و اتفاق کا سیاسی میدان میں مظاہرہ کرنا ہوگا۔ اسلامی سیاست کو بھرپور فروغ دینا ہوگا۔ یعنی شیطانی عمل کو سیاست کا نام دے کر امریکی، اسرائیلی اور انڈین ایجنڈوں پر گامزن مسلم آبادی کو انہی کی دھرتی پر تختۂ مشق بنانے والوں اور وڈیروں اور سرمایہ داروں۔ کرپشن کے شہنشاہوں سے جان چھڑانی ہوگی۔

بجٹ عوام کی آنکھوں میں دھول، آمدن ہو گی تو بجٹ بنے گا

حکومت ہو یا کوئی پرائیویٹ ادارہ اصل ریڑھ کی ہڈی اس کا بجٹ نہیں اس کی آمدن ہوتی ہے،آمدن ہو گی تو وہ اس کے حساب سے بجٹ مرتب کرے گا ہوتا ہے ،آمدن سے ہی مناسب بجٹ تشکیل دیا جائے گا لیکن یہاں حال یہ ہے کہ ہمارے ملک پاکستان و ریاست کشمیر کے اس ٹکڑے میں عوام کے ساتھ بھیانک مذاق کیا جاتا ہے لیکن ہم ہی عوام ہیں کہ ان چال باز حکمرانوں کی چالوں میں اور ان کے اعداد و شمار کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں ، گو کہنا تو میں کوئی ماہر اکانومسٹ ہوں نہ ہی میرا تعلق اکانومی کے معاملات سے ہے لیکن جب بجٹ کا تذکرہ زبان زد عام ہو گیا تو میں نے بھی اپنی صحافتی ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے اعداد و شمار کی اس دوڑ سے کچھ رزلٹ نکالنے کی کوشش کی، اسی کوشش کو قارئین کی کیلئے پیش کر رہا ہوں۔

تازہ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق رواں مالی سال 2010-11 کی دوسری سہ ماہی کے دوران پاکستان کے ذمہ مجموعی قرضوں کا حجم بارہ ہزار آٹھ سو بتیس ارب سے بڑھ گیا ہے جو ملک کی جی ڈی پی کے مقابلے میں 65.4 فیصد تک پہنچ گیا ہے۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ پیپلز پارٹی کی حکومت کے دور اقتدار میں 2008-9 میں مجموعی قرضوں کا حجم آٹھ ہزار سات سو چھیالیس ارب روپے تھا اور

گزشتہ چار سال کے دوران اس میں 4ہزار 86ارب روپے کا اضافہ ہوا ہے۔ اعداد وشمار کے مطابق 12ہزار 8سو 32ارب روپے کے مجموعی قرضے میں حکومت کے اندرونی قرضوں کا حجم چھ ہزار آٹھ سو 66ارب روپے ہے اور بیرونی قرضوں کا حجم 5965.94140.1 ارب روپے ہے، جس میں پیرس کلب سمیت دیگر قرضوں کا حجم ارب روپے ہے، آئی ایم ایف کے قرضوں کا حجم 759.7ارب روپے، بیرونی قرضہ داروں کا حجم 226.5ارب روپے، پبلک سیکٹر انٹرپرائزز کے بیرونی قرضوں کا حجم 273.6 ارب روپے اور دیگر آپریشنز قرضوں کا حجم 335.9ارب روپے ہے، یہ امر قابل ذکر ہے کہ حکومت پاکستان اندرونی قرضوں کو اتارنے کے لیے کوئی اقدام نہیں کر رہی جبکہ صرف بیرونی قرضوں کو اتارنے کے لیے اقدامات کیے جاتے ہیں، حکومت نے گزشتہ سال بیرونی قرضوں کی اصل رقم کی ادائیگی کی مد میں سات ارب 78کروڑ 60 لاکھ ڈالر جبکہ قرضوں پر سود کی ادائیگی کی مد میں ایک ارب چھ کروڑ 90لاکھ ڈالر کی ادائیگی کی ،اس کے باوجود اس وقت پاکستان کے ذمے بیرونی قرضوں کا امریکی ڈالر میں حجم 61ارب 13کروڑ 40لاکھ ڈالر ہے اور اس میں 30جون 2012 تک مزید اضافہ متوقع ہے جبکہ قرضوں کی ادائیگی کے لیے پاکستان کے پاس وسائل تک نہیں ہیں (میں نے اوپر ذکر کیا کہ جب ہمارے پاس اپنے وسائل ہی نہیں میں جو وسائل ہیں ہیں وہذاتی جائدادیں اور بنک بیلنس بنانے کیلئے وقف ہیں، تو ہم اپنا بجٹ کیسے بنائیں گے) اور حکومت اس قرضے کی ادائیگی کے لیے دوبارہ آئی ایم ایف سے قرض لینے کے لیے مذاکرات کا آغاز کر چکی ہے جس کے

نتیجے میں آئی ایم ایف پاکستان پر مزید کڑی شرائط عائد کرے گا جس میں آر جی ایس ٹی کا نفاذ، بجلی گیس کی قیمتوں میں مزید اضافہ سمیت دیگر کڑی شرائط شامل ہوں گی۔ اس وقت یہ صورت حال ہے کہ پاکستان کی مخدوش اقتصادی صورت حال کا فائدہ اٹھاتے ہوئے امریکہ نے نیٹو سپلائی بحال کرنے کے لیے ایک ارب ڈالر کی پیش کش کر دی ہے جبکہ حکومت پاکستان اور تمام سیاسی و دینی جماعتوں کا واضح موقف تھا کہ نیٹو سپلائی کی بحالی کے لیے امریکہ، پاکستانی چیک پوسٹ پر حملہ کرنے پر معافی مانگے اور مستقبل میں ڈرون حملے بند کرے، جسے امریکہ نے ماننے سے صاف انکار کر دیا کیونکہ اسے ہمارے اقتصادی حالات کا بخوبی علم تھا، پاکستان کی مخدوش اقتصادی صورت حال کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ وزیر دفاع احمد مختار نے چند روز قبل کہا کہ ہمیں نیٹو سپلائی بحال کرنی پڑے گی ایسا نہ کیا تو ہم پر عالمی پابندی لگ جائے گی، سپلائی بحال ہو گی تو امریکہ پیسے دے گا جس سے ان کا بجٹ بن پائے گا۔ مئی 2010 سے آئی ایم ایف نے پاکستان کو قرضے کی قسطیں دینی بند کر دی اور امریکہ نے پاکستان کی امداد روک لی اس مدت کے دوران پاکستان کا بجٹ خسارہ اور تجارتی خسارہ بڑھتا رہا، اب 2012 میں پاکستان کو آئی ایم ایف کے قرضوں کی ادائیگی کرنی ہے جبکہ اس وقت پاکستان قرضے واپس کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہے، اب ہمارے حکمران قوم کے سامنے جواز پیش کر رہے ہیں کہ ہمیں امریکہ کے سیاسی مطالبات اور آئی ایم ایف کے معاشی مطالبات ماننے ہوں گے تاکہ اقتصادی بحران

سے بچا جاسکے یہ امر قابل ذکر ہے کہ رواں مالی سال 2011-12 میں جولائی سے دسمبر تک (6 ماہ کے دوران) پاکستان نے بیرونی قرضوں کی ادائیگی کی مد میں مجموعی طور پر آٹھ ارب پچیس کروڑ پچاس لاکھ ڈالر کی ادائیگی کی ہے جس میں قرضوں کی اصل رقم کی واپسی کی مد میں سات ارب ترانوے کروڑ اسی لاکھ ڈالر جبکہ سود کی ادائیگی پر 31.7 کروڑ ڈالر ادا کیے گئے، اقتصادی ماہرین کے مطابق رواں مالی سال کے اختتام پر پاکستان کی جانب سے بیرونی قرضوں کی ادائیگی کی مد میں رقم دس ارب ڈالر سے بڑھ جائے گی۔ انسٹیٹیوٹ آف اسلامک بینکنگ اینڈ فنانس کے چیرمین ڈاکٹر شاہد حسین صدیقی نے کہا کہ حکومت نے بڑے پیمانے پر ملکی اور بیرونی قرضے لیے تاکہ ٹیکس چوری، بد عنوانی، ریاست اور ریاستی اداروں کے شاہانہ اخراجات اور بڑھتے ہوئے جاری حسابات کے خسارے کو پورا کیا جاسکے۔ اسکے معیشت پر تباہ کن اثرات مرتب ہو رہے ہیں، بجٹ خسارہ کو پورا کرنے کے لیے حکومت نے پھر نوٹ چھاپنا شروع کر دیے ہیں جس سے مہنگائی میں اضافہ ہوگا دوسری جانب حکومت نے بنکوں سے بھی بڑے پیمانے پر قرضے لیے ہیں جن پر سود کی ادائیگی کی وجہ سے بجٹ خسارہ بڑھے گا چنانچہ مزید قرضے لینے پڑیں گے۔ اس طرح پاکستان قرضوں کے شیطانی چکر میں پھنس گیا ہے بلکہ اس کو اس چکر میں پھنسا دیا گیا ہے یہ صورت حال پریشان کن اور مضحکہ خیز ہے۔ افسوسناک امر یہ ہے کہ حکومت بنکوں سے بڑے پیمانے پر قرضے لے رہی ہے جبکہ خود ریاست کے مالیاتی اداروں اور بنکوں میں تقریباً 900 ارب روپے

جمع ہیں جن پر اوسطاً چھ فیصد سالانہ سود مل رہا ہے جبکہ قرضوں پر بارہ فیصد سود ادا کیا جا رہا ہے۔ اس طرح قومی خزانے کو نقصان پہنچا کر بنکوں کو تقریباً پچاس ارب روپے سالانہ منافع دیا جا رہا ہے۔ بینک چونکہ حکومت کو قرضے دے رہے ہیں، اس لیے وہ صنعت و تجارت اور زراعت کے لیے قرضے نہیں دے رہے۔ جس سے معیشت کی شرح نموست ہو گئی ہے اور مہنگائی میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے، عالمی بینک کی رپورٹ کے مطابق دنیا کے تمام خطوں میں غربت میں کمی واقع ہوئی ہے لیکن حکومت کی ناقص اقتصادی پالیسیوں کے باعث غربت کی شرح کم ہونے کی بجائے چالیس فیصد سے تجاوز کر گئی ہے، کروڑوں افراد کی زندگی اجیرن ہو گئی ہے۔ اس وقت پاکستان گربت اور مہنگائی میں ایشیا بھر میں دوسرے نمبر پر ہے، حکومت پاکستان نے یکم جون کو جو بجٹ ایوان میں پیش کیا ہے اس میں وفاقی محاصل کا تخمینہ 3234 ارب، ٹیکس وصولی کا متوقع ہدف 2381 ارب، جائیداد کی خرید و فروخت پر 5 سے 10 فیصد کیپٹل گین ٹیکس کی تجویز پیش کی ہے، اس بجٹ میں عوام کو درسی کتب، سٹیشنری اور ہائیبرڈ گاڑیوں سستی کرنے کا لولی پاپ دینے کا اعلان بھی کیا ہے، جبکہ سرکاری ملازمین کی تنخواہوں اور پنشن میں 20 فیصد اضافہ، ایک لاکھ ملازمتیں اور سگریٹ، کھاد، سی این جی اور سریا مزید مہنگا کرنے کی تجویز دی گئی ہے، مجموعی طور پر 29 کھرب 60 ارب روپے کے حجم کا وفاقی بجٹ منظوری کیلئے پیش کیا گیا، اس بجٹ میں آرمی کیلئے 20 ارب، فضائیہ کیلئے 5 ارب روپے کا اضافہ اور بحریہ کو گزشتہ برس کی

نسبت 23 کروڑ روپے کم دینے کی تجویز دی گئی ہے۔ترقیاتی پروگرام کیلئے کل 873 ارب روپے مختص کیے گئے ہیں جس میں ایٹمی توانائی کو 39.16 ارب۔ایچ ای سی کو 15 ارب 80 کروڑ۔اطلاعات و نشریات ڈویژن کو 48.23 ملین روپے دینے کا اعلان کیا ہے۔حکومت نے اس بار دفاعی بجٹ میں 50ارب کے اضافہ کا اعلان کیا ہے اس کے علاوہ بجلی اور اشیاء خوردونوش پر 208 ارب روپے کی سبسڈی کا اعلان بھی کیا ہے بجٹ اجلاس میں حکومتی اور اپوزیشن ارکان میں ہاتھاپائی بھی دیکھنے میں آئی لیکن مجھے، یہ احتجاج میں حکومتی اور اپوزیشن کے عوام کو ایک بار پھر بیوقوف بنائے جانے کا عمل صاف طور پر نظر آرہاہے، گزشتہ 66سال سے یہی بجٹ پیش کیے جاتے ہیں اور حکمران و سرمایہ دار ان پر عیاشی کرتے ہیں کوئی غیر ملکوں میں جاکہ عیاشی کرتے اور اپنے غیر ملکی اکاؤنٹس میں اضافے کرتے ہین اور کوئی وہاں پر اپنی انڈسٹریاں کھول دیتے ہیں عوام کی غربت اور تنگ دستی سے کوئی بھی مخلص نہیں ہے،یہ بجٹ صرف ایک چال ہے جس کے ذریعے عام عوام اور سرکاری ملازمین کے کہ منہ کو وقتی طور پر لولی پوپ دے کر بند کر دیا جاتا ہے۔جب کہ اصلیت یہ ہے کہ امریکہ،یورپ اور عرب ممالک سے بھیک مانگ کر کھانے والے یہ ماضی کے و موجودہ حکمران نااہل ہیں ان کو عوام کی ترجمانی سے کوئی دلچپسی نہیں ہے۔ان کے پاس اپنا کچھ ہے ہی نہیں تو یہ بجٹ کس لیے اور کس کیلئے بنارہے ہیں یہ سوچنا ہم سب کی ذمہ داری ہے، میں ایک بار پھر کہتا ہوں کہ تبدیلی کا وقت نزدیک آرہاہے اس لیے آخری امید

تبدیلی اور سونامی کا ساتھ دے کر اسے آزمایا جائے نہ کہ آزمائے ہوؤں کو آزما کر
خود کو ایک بار پھر شرمندہ کیا جائے۔

کمشنر پونچھ ڈویژن کی کارکردگی اور بیوروکریسی کی طاقت

6 ماہ کے مختصر سے عرصے میں راولاکوٹ کیلئے 22 منصوبہ جات کی منظوری ،ان منصوبہ جات میں گوئی نالہ سڑک کی تعمیر، واٹر سپلائی اسکیمیں ، سیوریج کا نظام ، صابر شہید سٹیڈیم کی تعمیر، بس ٹرمینل اور 15 رابطہ سڑکوں کا جال جو شہر کے ارد گرد ایک پلاننگ کے تحت بنائی جا رہی ہیں ،ان منصوبہ جات میں سے واٹر سپلائی اسکیموں پر کام تیزی سے چل رہا ہے، پیکنڈ فیز میں شہر کیلئے سیوریج کے کام کا جلد آغاز متوقع ہے، صابر شہید سٹیڈیم کی تعمیر جس تیز رفتاری سے شروع ہے وہ سب کے سامنے ہے ، بس ٹرمینل پر بھی کام کا آغاز کر دیا گیا ہے ،اس کے علاوہ بھی دیگر بہت سے منصوبے ایسے ہیں جن میں پونچھ یونیورسٹی کی تعمیر سمیت دیگر بہت سے اہم کام ہیں۔ان منصوبوں کی نگرانی ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں ہے جو یہاں کا مقامی باشندہ ہے ، جس کو یہاں کے مسائل کا بخوبی علم بھی اور یہاں کے لوگوں کے طریقہ کار و رہن سہن سے اچھی طرح واقفیت بھی ہے اسی لیے اس شخص نے کمال مہارت سے اپنی ٹیم کی سپورٹ سے یہ 22 منصوبے راولاکوٹ کے باسیوں کو دلوانے میں بھی اپنا اہم کردار ادا کیا لیکن یہاں کے باسیوں کو اس شخص کی قدر نہیں ۔۔۔! پہاڑی زبان کی ایک اصطلاح مشہور ہے کہ '' کھیرے نا پیر ہولا ہونا'' اب کمشنر پونچھ ڈویژن خورشید خان کی اس میں کیا غلطی کہ وہ راولاکوٹ کے نواحی

گاؤں چھمڑھ کے رہنے والے ہیں، یہیں پڑھا لکھا اور اپنی محنت کے بل بوتے پر اس اہم ذمہ داری تک پہنچے ہیں۔ میرے ذاتی مشاہدے کے مطابق کمشنر پونچھ ڈویژن کے آفس کے اندر تک عوام کی رسائی آسان تر ہے، عوام کو یہ ضرور سوچنا چاہیے کہ عوام کی خدمت کیلئے کام کرنے والے ان نمائیندوں تک اتنی آسان رسائی کسی اور ڈویژن میں ممکن نہیں ہوتی، یہاں بھی رسائی آسان نہ ہو اگر یہاں پر کسی لینٹ آفیسر کو لا کر بٹھا دیا جائے یا غیر مقامی آفیسران میں سے کوئی یہاں تعینات ہو تو آفس کے باہر قطاریں لگی ہوئی ہوں، یہ شخص پورا دن مختلف عوامی وفود کے ساتھ،میٹنگز، این جی اوز اہلکاروں کے ساتھ معاشرتی مسائل کے حل کیلئے مشاورتیں،انتظامیہ کے ساتھ انتظامی امور اور پلاننگ کے طریقہ کار اور دیگر بہت سے کاموں کے ساتھ ساتھ حکومت کی تمام تررٹ کو پورے ڈویژن میں بھال رکھنے سمیت تمام حکومتی و اعلیٰ شخصیات کو ڈویژن آمد پر وٹوکول کا انتظام کرنے سمیت دیگر بے شمار ایسے کام ہیں جو ان کی ذمہ داریوں میں شامل ہیں۔

خورشید خان جو 2009ء اور 2010ء میں پونچھ ڈویژن میں کمشنر رہے ہیں اور ابھی گزشتہ پانچ ،چھ ماہ سے ایک بار پھر پونچھ ڈویژن میں ہی کمشنر تعینات ہیں سے گزشتہ دنوں نشست ہوئی گو کہ مجھے ذاتی طور پر یہاں بیوروکریسی کے ساتھ زیادہ میل جول اس لیے پسند نہیں ہوتا کیونکہ جس معاشرے میں ہم رہ رہے ہیں

یہاں ابھی ہماری سوچیں خاصی محدود سی ہیں ہم الزام تراشی کی زد میں فوری آ جاتے ہیں یہاں تک کہ یہاں کسی کی اگر ذاتی سلام د±عا بھی کسی بیوروکریٹ سے ہو تو اس کو بیوروکریسی کے ٹاؤ ٹ ہونے کا الزام با آسانی لگا دیا جاتا ہے لیکن مجھے اس کی پرواہ نہیں ہوتی کہ کون کس کو کیا الزام دے رہا ہے بس اپنا ضمیر مطمئین ہونا ضروری ہے ۔میں نے محسوس کیا ہے کہ یہاں جو لوگ بیوروکریسی کو جتنا زیادہ گالیاں دیتے ہیں ان میں سے اکثر کے تعلقات اور معاملات بیوروکریسی کی ہی مرہون منت چل رہے ہوتے ہیں ،جو سیاستدان اور ٹریڈ یونین عہدیداران چوکوں وچوراہوں میں کھڑے ہو کر عوام کے سامنے بیوروکریسی کو گالیاں دیتے ہیں ، تمام تر مسائل کی جڑ بھی انہی بیوروکریٹس کو قرار دیتے ہیں انہی لوگوں میں سے اکثر کی شامیں بیوروکریسی کے ساتھ گزرتی ہیں ، یہ بیوروکریٹس کی دعوتوں میں شریک بھی ہوتے ہیں اور خود بھی ان کی دعوتوں کا اہتمام کرتے ہیں (خیر دعوتوں میں کوئی ب±رائی بھی نہیں ہے) یہ کہنا بھی غلط نہیں ہو گا کہ بیوروکریسی کو برا بھلا کہنے والوں کے مفادات کی تکمیل اور ان ہی مفادات میں رکاوٹیں بھی یہی بیوروکریسی کے راستے سے ہو کر جاتی ہیں۔

اپنے اوپر الزام آئے تو دوسروں پر سونپ دینا دوسروں کو مورد الزام ٹھہرا دینا ہم سب کی پہچان سی بن گئی ہے ،اپنی کمزوریوں کو چھپانے کیلیئے لاکھوں جتن اور ہزاروں بہانے بنانا تو ہمارے لیے آسان لیکن اپنی ہی اصلاح احوال

کرنا بہت ہی مشکل ،شاید جس ماحول و معاشرے میں ہم رہ رہے ہیں یہاں پر ہماری ذہنی تربیت ہی کچھ ایسے ہو جاتی ہے یا معاشرتی عوامل مل جل کرایسا کر جاتے ہیں کہ ہمیں اپنے آپ میں کوئی کمی محسوس ہوتی ہی نہیں (نظرآ بھی جائے تو اس کااظہار کرنے کی ہمت نہیں رکھتے) اور تمام ترعیب دوسروں میں نظرآتے ہیں۔ذکر ہو رہا تھا کمشنر پونچھ ڈویژن سے نشست کا تو اس میں میرے لیے بہت سے انکشافات بھی ہوئے ان سے پوچھنے پر علم ہوا کہ مظفرآباد اور میرپور ڈویژن میں کمشنر کی مدد کیلئے ایڈیشنل کمشنر تعینات کیے گئے ہیں لیکن پونچھ ڈویژن میں تمام تر ذمہ داریاں کمشنر پر ہیں ،پونچھ ڈویژن جس میں ضلع پونچھ ،باغ ،حویلی اور پلندری کے اضلاع شامل ہیں کی تمام تر نگرانی کمشنر پونچھ ڈویژن کی ہی ہوتی ہے اس لیے ایک ایسا شخص جو چاروں اضلاع کو مانیٹر کرتا ہو اس کے پاس وسائل بھی محدود ہوں ،حکومت کی تمام تر رٹ بھی اسی کے ذمہ ہو، ڈویژن بھر میں تقریباً تمام تر بلا تخصیص کاموں کی نگرانی بھی اسی کے ذمہ ہو اوپر سے وزراء، مشراء اور دیگر حکومتی غیر حکومتی شخصیات جب ڈویژن میں داخل ہوں تو ان کی واپسی تک کے انتظامات اور پروٹوکول بھی انہی کی ٹیم کے ذمہ ہوتے ہیں۔ اس محکمہ کیلئے وہی پرانا فرسودہ بجٹ سسٹم جو ابھی تک رائج ہے جس کی وجہ سے اس محکمہ کے پاس وسائل بھی محدود ہیں،ایسے میں جب ان کی ذمہ داریاں بھی اس قدر زیادہ ہوں اور اپنے عہدے کا تشخص بھی سب کے سامنے بحال رکھنا ہو تو اس کیلئے کمشنر اور دیگر بیوروکریٹس کو کسی حد تک معاملات

کو نپٹانے کیلئے لچک بھی کھانی پڑتی ہے۔ان محکموں کے بجٹ جو ان کے اخراجات کے حساب سے انتہائی کم ہیں،اسی بجٹ کی کمی کی وجہ سے ہی پٹواریوں اور گرداوروں پر اعلیٰ حکومتی شخصیات کے دوروں کے دوران ان کی رہائش و کھانے کا بوجھ ڈالا جاتا ہے جس کی وجہ سے یہی بوجھ عوام پر رشوت کی صورت میں پڑنا لازمی امر ہے گو کہ یہ تمام سابقہ و موجودہ حکومتوں کی نا اہلی ہے کہ وہ آزاد کشمیر حکومت کے وجود سے اب تک پٹواریوں، گرداوروں اور دیگر عملے کو بنیادی سہولیات دے ہی نہ سکے کہ ان کو اس ذلت (رشوت) سے بچایا جا سکے، محکمہ مال کے ان ملازمین کی اہمیت سے وہ سبھی لوگ واقف ہیں جو ایک بار ان کے چنگل میں آئے ہوئے ہوں لیکن اگر حقیقی آنکھ سے دیکھا جائے تو ان ملازمین کے مسائل اتنے زیادہ اور انہیں ان کے کام کی نسبت جو سہولیات دی جا رہی ہیں وہ اتنی کم ہیں کہ رشوت لینا ان کیلئے مجبوری سی بن چکا ہے، لیکن اس سب کے باوجود ہمیں رشوت لینے یا دینے والے کی حمایت کبھی نہیں کرنی چاہیے لیکن یہ بھی کڑوا سچ ہے کہ جب تک ان لوگوں کو ان کے بنیادی حقوق نہیں دیئے جاتے تب تک یہ رشوت کا لین دین کم نہیں ہو سکتا۔ان میں بھی کچھ لوگ ایسے ہیں جو ناجائز فائدے اٹھانے کی حد تک کراس کر جاتے ہیں۔

یہاں احتساب بیورو کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اس محکمہ میں موجود ایسی کالی بھیڑوں کا خاتمہ کرے جنھوں نے محدود آمدن کے باوجود بنگلے،جائیدادیں اور بنک بیلنس بنائے تا کہ کسی نئے آنے والے کو ان کی جیسی لت نا پڑ جائے

اور جن لوگوں کے حقوق پر انہوں نے ڈاکے ڈالے ہیں ان کو انصاف مل سکے۔

کمشنر پونچھ ڈویژن کی گفتگو سے اندازہ ہوا کہ گوئی نالہ روڈ کی تعمیر جو لمبے عرصہ سے تو کی جاری ہے لیکن ناقص تعمیر کی گئی جس کیلئے انہوں نے مناسب حکمت عملی کے تحت خود بھی گوئی نالہ سڑک کا بار ہا معائینہ کیا اور گزشتہ ڈیڑھ ،دو ماہ سے متعلقہ عملہ میں سے اہم ذمہ دار ایس سی امتیاز کی ذمہ داری لگائی گئی ہے کہ وہ ہر ہفتے گوئی نالہ روڈ کا معائینہ کرنے کے بعد تفصیلی رپورٹ کمشنر آفس میں جمع کروائیں ،اس کے علاوہ صابر شہید سٹیڈیم کی تعمیر میں بہت سی مشکلات تھیں جن میں لینڈ مافیا سمیت دیگر بہت سے عوامل تھے لیکن مہارت سے اس معاملہ کو حل کروایا گیا۔ واٹر سپلائی اسکیموں کے ذریعے شہر و نواحی علاقوں کو صاف پانی مہیا کرنے کرنے کیلئے سڑک کنارے جو گہری نالیاں کھود کر پائپ ڈالے گئے اس اقدام سے اہم شاہرات بری طرح ٹوٹ پھوٹ کا شکار تو ہوئیں لیکن تکلیف کے بعد یہ معاملہ لمبے عرصے کیلئے تقریباً حل ہو چکا ہے،اس کے دوسرے فیز میں سیوریج کیلئے کام شروع ہونے والا ہے جس کی وجہ سے مزید کچھ عرصہ تک شہریوں کو مسائل کا سامنا کرنا پڑے گا لیکن یہ کام انتہائی ضروری بھی ہیں کیونکہ اس شہر کی ترتیب ہی کچھ اس طرح بنی ہوئی ہے کہ مسائل کم تو کیے جا سکتے ہیں لیکن فوری طور پر ختم نہیں ہو سکتے ۔شہر کے ارد گرد 15 رابطہ سڑکوں کی منظوری بھی اہم پیش رفت ہے ، ٹریفک پولیس میں نئے پڑھے لکھے تربیت یافتہ ٹریفک وارڈنز کے آنے سے آزاد کشمیر کے دیگر ڈویژنز

کی طرح پونچھ ڈویژن میں بھی ٹریفک کے معاملات بہتر ہوئے ہیں جو ایک خوش آئیند عمل ہے۔

اسی سال پونچھ ٹورازم فیسٹیول کا انعقاد کروایا گیا جس میں پونچھ کی ضلعی انتظامیہ نے این آر ایس پی اور دیگر این جی اوز کے ساتھ مل کر خاصی کامیابی حاصل کی گو کہ اس میں بہت سی کمیاں کجیاں تھیں جو وقت کے ساتھ دور ہو جاتی ہیں لیکن اس فیسٹیول کی کامیابی کا ایک بڑا کریڈٹ نوجوان بیوروکریٹ راولاکوٹ میں تعینات اسسٹنٹ کمشنر راجہ طاہر ممتاز کو جاتا ہے جنہوں نے ذاتی کاوشوں سے اس فیسٹیول کا آغاز کیا اور ایک ترتیب کے ساتھ مقامی این جی اوز کی سپورٹ، کمشنر خورشید خان، ڈپٹی کمشنر سہیل اعظم اور ایس پی راشد نعیم جیسے قابل سینئر آفیسران کی سرپرستی میں اس فیسٹیول کو کامیاب اختتام تک پہنچایا۔ایک بات جو قابل غور ہے کہ سی ایس ایس یا پی ایس سی کے امتحانات پاس کر کہ آنے والے آفیسران کی کارکردگی دیگر بیوروکریٹس کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے کیونکہ ان کی تربیت ہی اس انداز میں کی جاتی ہے کہ یہ لوگ تمام معاملات کو بہتر طریقے سے حل کرنے کی صلاحیت رکھ سکیں کیونکہ ہمارا حکومتی نظام ہی ایسا ہے کہ اس میں انتظامی آفیسران پر بے جا بوجھ ڈالا جاتا ہے۔ ریونیو ڈیپارٹمنٹ ہو، صحت کے مسائل ہوں یا تعمیرات کا محکمہ، بجلی کی بندش کی وجہ سے ہڑتالیں ہوں جائیدادوں کے تنازعے ہوں یا کوئی قتل و غارت و حادثے،اہم لوگوں،

کو پروٹوکول (سکیورٹی) دینا ہو یا تجاوزات کا گرانا، سیاسی گٹھ جوڑ ہوں یا ٹریڈ یونینز کے مسائل تمام تر کی ذمہ داری ان آفیسران کے ذمہ ہوتی ہے،اگر یہ معیاری تعلیم و تربیت یافتہ نہ ہونگے تو اس ترقی یافتہ دور میں ان تمام مسائل کو کیسے حل کر پائیں گے ۔۔؟ یہاں ایک ذکر کرنا ضروری سمجھوں گا کہ موجودہ وقت ایک مرتبہ پھر بیوروکریٹس اتنے مضبوط ہو چکے ہیں کہ یہ اپنی مرضی سے سیاستدان بناتے ہیں اور انہیں گرانے میں بھی انہی کا ہاتھ ہوتا ہے لیکن کچھ سیاستدان زیادہ چالاک ہوتے ہیں جو ان سے چار ہاتھ آگے نکل بھی جاتے ہیں ۔بیوروکریسی ایک ایسا جال ہے جو موجودہ وقت میں سب سے مضبوط قوت ہے گو کہ چار،چھ سال پہلے میڈیا کے اچانک آزاد ہو جانے خاص کر الیکٹرانک میڈیا کی مقبولیت کی وجہ سے بیوروکریسی کی مقبولیت کم ہو گئی تھی لیکن میڈیا کی نا مناسب حکمت عملی نے اپنا عروج برقرار نہ رکھا جس وجہ سے بیوروکریسی ایک بار پھر مضبوط طاقت بن چکی ہے۔اس سب تمہید سے نتیجہ یہ نکالا جا سکتا ہے کہ آزاد کشمیر میں بیوروکریسی جیسے اہم شعبے میں موجود خامیوں کو دور کر کہ اسے معاشرے کیلئے ترقی اور انصاف کی فراہمی کا باعث بنایا جا سکتا ہے اس میں موجود کرپٹ عناصر کا خاتمہ بھی عوامی تعاون سے ممکن ہے لیکن اس کیلئے ہم سب کو یہ ذمہ داری نبھانی ہو گی کہ سب سے پہلے خود کی سوچ و عمل کو بہتر معیار پر لا کر معاشرے میں موجود منفی سوچ کو ختم کرنا ہو گا،معاشرتی مسائل میں کمی لانے کیلئے انتظامیہ کہ ساتھ ہر ممکن جائز تعاون کرنا ہو گا، ذاتی

مفادات کی سیاست کا خاتمہ کر کہ میرٹ کی بنیاد پر اپنے نمائیندوں کا چناؤ کرنا ہو گا تبھی جا کر کمشنر خورشید خان جیسے فرض شناس شریف آفیسران کو اپنوں کی خدمت کرنے میں دلچسپی اور بھی بڑھے گی اور انہی کی دیکھا دیکھی جونیئر آفیسران محنت و لگن سے کام کریں گے۔

12 جون محنت کش بچوں کا عالمی دن

مجھ کو لوٹادو بچپن کا ساون۔۔۔ وہ کاغذ کی کشتی وہ بارش کا پانی

بچپن کی یادوں میں ایک مٹھاس سی ہوتی ہے جو زندگی کے ساتھ ساتھ ایک مٹھاس سی جوڑے رکھتی ہے، یہ وہ حسیں یادیں ہوتی ہیں جن کیلیے ہر ایک کی دلی خواہش ہوتی ہے کہ کاش وہ بچپن کے دن پھر سے لوٹ آئیں جب سوچیں پاکیزہ اور بے لوث ہوا کرتی تھیں ،زندگی کی رفتار کتنی تیز ہو گئی ہے،اب بچوں میں بھی وہ بچپنا نظر نہیں آتا شاید یہ جدید ٹیکنالوجی کی خرابی ہو کمال ہو لیکن حقیقت یہی ہے کہ بچوں کو بچا بن کہ ہی رہنا چاہیے۔شادیوں ،بیاہوں اور دیگر تقریبات کی اصل جان یہی بچے ہی ہوتے ہیں جو بھرپور اہتمام کے ذریعے پروگرامات ییں شرکت کرتے ہیں ورنہ اب اکثر لوگ تو صرف رسم و رواج کو نبھانے کیلیے پراگرام میں اپنی حاضری لگوانا ہی ضروری سمجھتے ہیں ۔لیکن یہ کیا۔۔۔ ہوٹلوں ،ورکشاپوں،ڈھابوں، کوٹھیوں،گاڑیوں کے

اڈووں،چوکوں وچوراہوں و دیگر مقامات پر یہ چھوٹے چھوٹے معصوم بچوں کے ساتھ کتنا ظلم ہو رہا ہے۔۔! کوئی دیکھنے والا نہیں ۔۔سب اندھے و بہرے ہیں جیسے۔۔شاید اپنے گھر میں بچے نظر نہیں آتے۔۔۔ نہیں ایسا ہر گز نہیں ہے، یہاں دیکھنے و سننے والے بھی بے شمار ہیں ،سب کے اپنے گھروں میں بچے بھی ہیں لیکن اگر نہیں ہے تو اب احساس نہیں ہے ،اخلاق

نہیں ہے، سب سے بڑھ کر اگر کوئی کمی ہے تو دلوں میں اسلام و مسلمانیت کے درس کی کمی ہے، ذہن محدود کر دیئے گئے ہیں۔ ان معصوم بچوں کا کیا قصور ہے کہ پورا معاشرہ انہیں ''چھوٹا'' کہہ کر پکارتا ہے۔ان معصوموں جو بعد میں مجبوریوں و حالات کی مار کی وجہ سے معاشرے پر الگ الگ انداز سے اثر انداز ہوتے ہیں،ان میں سے اکثریت معاشرے پر اچھا اثر نہیں چھوڑ پاتے جبکہ کہیں شاذ ہی کوئی مثبت اثر چھوڑتا ہے۔
دنیا بھر کی طرح 12 جون کو وطن عزیز میں بھی محنت کشوں کا عالمی دن منایا جاتا ہے پورے ملک میں مختلف این جی اوز، کالجز، سکولز، یونیورسٹیز، سول سوسائیٹی و سماجی، تنظیموں کی طرف سے مختلف تقریبات کا اہتمام کیا جاتا ہے تاکہ محنت کش بچوں کہ مسائل کو حکومت و دیگر ذمہ داران تک موثر طریقے سے پہنچایا جاسکے۔ایک بین الاقوامی ادارے کی سروے رپورٹ کے مطابق پاکستان میں دو کروڑ 10 لاکھ بچے مزدوری کرنے پر مجبور ہیں جبکہ دنیا بھر کے مسائل کے حل کیلیے کوششیں کرنے کی دعوے دار اقوام متحدہ کے چائلڈ لیبر کے خلاف چارٹرڈ پر 182 ممالک نے دستخط کر رکھے ہیں، پاکستان میں غربت، بے روزگاری و مہنگائی نے غریب بچوں سے اسکولوں کو اتنا دور کر دیا ہے کہ ان کیلیے تعلیم ایک خواب ہی بن کر رہ گئی ہے۔ان مسائل کے بڑھنے میں حکومتوں کی نااہلی اپنی جگہ لیکن پرائیویٹ سیکٹر نے جہاں معیاری تعلیم کو فروغ دیا وہاں تعلیم

کو اس قدر مہنگا کر دیا کہ اوسط درجے کی آمدن والے لوگ بھی اپنی اولادوں کو معیاری تعلیم دلوانے سے قاصر ہیں وہاں غریب خاندان اپنے پیٹ کی آگ بجھائیں یا تعلیم کی پیچھے دوڑ لگائیں ۔۔! ان معصوم بچوں سے بوٹ پالش کے کام سے لے کر
ہوٹلوں، چائے خانوں، ورکشاپوں، مارکیٹوں، چھوٹی فیکٹریوں ،گاڑیوں کی کنڈیکٹری، بھٹہ خانوں، سی این جی اور پٹرول پمپوں پر گاڑیوں کے شیشے صاف کروانے سمیت دیگر بہت سے ایسے کام 50 یا 100 روپے کی دیہاڑی میں کروائے جاتے ہیں جن سے ان کی عزت نفس پر بھی برا اثر پڑتا ہے ،اخلاقیات میں بھی فرق پڑتا ہے اور ان کی کارکردی بھی متاثر ہوتی ہے ۔چائلڈ لیبر کے قوانین تو بنے ہیں لیکن آج تک کسی کو بھی ان قوانین کی خلاف ورزی کے حوالے سے سزا نہیں سنائی گئی ۔یہاں یہ سوال ا±ٹھتا ہے کہ کیا ایسے قانون کو آئین سے ختم ہی نہیں ہو جانا چاہیے جس پر کبھی عمل ہوا بھی نہیں۔۔۔؟ مالکان اور والدین کی بچوں سے جبری مشقت معاشرے میں بگاڑ کا باعث بن رہی ہے لیکن اس کا کبھی سد باب نہیں کیا گیا ،آخر اس معاملے میں بھی کیا یہی انتظار کیا جا رہا ہے کہ چیف جسٹس افتخار چوہدری لاپتہ افراد کی کیس کی طرح سو موٹو ایکشن لیں گے۔۔! کیا وہ ملکی و غیر ملکی این جی اوز جو بچوں کی صحت و فلاح و بہبود پر سالانہ لاکھوں ڈالر پر اپنے ملازمین پر خرچ کرتی ہیں ان کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ فائل ورک سے باہر نکلیں اور عملاً کام کریں ،انسانی حقوق کی وہ تنظیمیں جو دعوے کرتی ہیں کہہ م پاکسانتن وآزاد کشمیر کی ہر یونین کونسل میں

اپنا وجود رکھتی ہیں اور ملکی و غیر ملکی امداد ہڑپ کر جاتی ہیں لیکن یہ تنظیمیں کسی معاملے میں بھی ایکٹو نظر کیوں نہیں آتی ۔۔۔! شاید انہوں نے بھی یہاں اپنا بزنس بنا رکھا ہے، مارکیٹنگ کا اصول اپنا کر لوگوں نے انسانی حقوق کی تنظیموں کا نام استعمال کر کہ لوگوں کو لوٹنے کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے جو سب کیلئے لمحہ فکریہ ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ غریب والدین اپنے بچوں کو کوٹھیوں ہوٹلوں، فیکٹریوں اور دیگر مقامات پر چھوڑ جاتے ہیں اور مہینہ کے آخر میں مالکان سے وصولی کرنے آ جاتے ہین انہیں اپنی الاد سے کوئی دلچسپی نہیں رہتی بلکہ پیسے کی بھوک ان کیلئے سب کچھ بن جاتی ہے ،کچھ کیسسز ایسے بھی سامنے آتے ہین کہ کسی حادثے میں بچے والدین سے بچھڑ جاتے ہیں اور معاشرے کی ٹھوکریں ان کا مقدر بن جاتی ہیں ،کچھ ماہ قبل ایسا ہی ایک واقعہ سامنے آیا شیخ زید ہسپتال راولاکوٹ میں ایک نوجوان کے بارے میں مجھے اطلاع دی گئی کہ وہ مظلوم ہے اس کی دادرسی نہیں کی جارہی اور ہے بھی غیر مقامی ، میں نے ساتھیوں کے ہمراہ اس سے ملاقات کی ، معلومات لیں اور میڈیا میں لے گئے ، بچے کے بیان کے مطابق 2005ء میں قیامت خیز زلزلہ میں مظفرآباد سے شاہد کاظمی راولاکوٹ پہنچا، راولاکوٹ کے ایک مقامی بااثر آدمی گھر لے گیا اس سے محنت مزدری کروائی مناسب کھانا پینا نا دیا گیا جبکہ اس سے مشقت کے کام لیے گئے بچہ بیمار ہوا تو اس کو چیک اپ کیلئے خود نا لایا گیا، ہسپتال میں بچے کو اعلاج کیلئے کوئی مددگار نہ تو ہسپتال عملے میں سے کسی خداترس نے

اعلاج میں مدد دی، معاملہ میڈیا میں آیا تو لوگ بہت سے لوگ حرکت میں گئے، متعلقہ باثر لوگ میری تلاش میں نکل آئے، دھمکیوں کے پیغامات مجھ تک پہنچائے گئے لیکن تب تک شاید کافی دیر ہو چکی تھی کیونکہ میڈیا سے تعلق رکھنے والے دیگر بہت سے لوگ میدان میں آ چکے تھے۔آزاد کشمیر کے ریاست اخبارات نے اس بچے کی ستوری کو کاص کوریج دی، لیکن آکری اطلاعات تک بچہ ابھی انصاف کی تلاش میں ہے، ایک سوال اور اٹھتا ہے کہ معاملہ میڈیا میں بھی عروج پکڑ گیا لیکن یہ انسانی حقوق کی تنظیمیں اس معاملے میں بھی باثر لوگوں کو دیکھ کر کیوں خاموش ہیں۔۔!اس طرح کے واقعات ہر دوسے دن میڈیا میں سامنے آ رہے ہیں لیکن یہ معاملات کنٹرول میں نہیں آ رہے شاید قوم واس کے محافظ ہی نہیں انسانی حقوق کی تنظیمیں بھی خواب کرگوش کے مزے لے کر سو رہی ہیں۔

دوران سروے دیکھنے میں آیا کہ بچوں کی ایک بڑی تعداد گھروں سے تنگ ہو کر بھاگ نکلتے ہیں، یہ بچے آوارہ لڑکوں کے ساتھ مل کر چھوٹے موٹے جرائم میں بتلاء وجاتے ہیں، سگریٹ کے منشیات کی طرف نکل جاتے ہیں۔اس کے علاوہ کچھ بچے گداگری کے دھندے میں پھنس جاتے ہیں، بچوں سے محنت مشقت بھی لی جاتی ہے لیکن انہیں معقول اجرت نہیں دی جاتی گھریلو ملازمین کے حوالے سے ہمارے قانون میں کوئی حدود تک نہیں رکھی گئی ہیں، یہی بچے جب بڑے گھروں سے کچھ لے کر نکل جاتے ہیں تو ایک اسکینڈل کی صورت اختیار کر جاتے ہیں، چائلڈ لیبر کی

وجہ سے چوریوں و دیگر جرائم میں اضافہ ہو رہا ہے۔یہ درست ہے کہ ملک کے اندر مہنگائی اور بے روزگاری کی وجہ سے بہت سے غریب خاندانوں کو اپنے بچے محنت و مشقت پر لگانا ان کی مجبوری بن چکا ہوتا ہے لیکن یہ بھی جائز نہیں ہے یہاں معاشرے کا فرض بنتا ہے کہ بچوں سے محنت و مشقت لینے کے بجائے ان کی تعلیم، صحت اور خوراک کیلئے ان کے والدین کی سپورٹ کی جائے، والدین کو ترغیب دی جائے کہ وہ صرف اولادیں پیدا کرنے پر زور نہ دیں بلکہ اپنی ذمہ داریاں پوری کرتے ہوئے ان کی تعلیم پر توجہ دی جائے تاکہ کل جب یہی بچے بڑے ہوں تو انہیں اپنے بچپن کو یاد کرتے ہوئے شرمندگی نہیں اپنی محنت پر فخر ہو۔

ہوسٹل لائف اور اس کے اثرات

بیٹا اب میرے لیے مصیبتیں اور پریشانیوں اور بھی بڑھ گئی ہیں ،پہلے ہی بڑی مشکل سے جنید جو راولپنڈی میں ٹیکنکل ایجوکیشن کی تعلیم دینے والے ایک ادارے میں 3rd ایئر کا طالب ہے کے کالج کی فیس، ہاسٹل فیس اور ماہانہ اخراجات کی مد میں ہزاروں روپے بڑی مشکل سے ادا کر رہا تھا کہ اب جب پھل پکنے کا وقت قریب آ رہا ہے تب مجھے نا امیدی اور اپنی محنت ضائع ہوتے ہوئے دکھائی دے رہی ہے۔ یہ الفاظ تھے 42 سالہ محمد ارشاد کے جو ایک سیالکوٹ میں سپورٹس کی مصنوعات تیار کرنے والی فیکٹری میں اکاؤنٹس کے شعبے میں گزشتہ 7 سال سے کام کر رہے ہیں چند ماہ قبل مجھے ملنے آئے تھے ،تب وہ بتانے لگے کہ ان کی ماہانہ آمدن 18 ہزار روپے ہے جس کیلئے وہ صبح آٹھ بجے سے رات آٹھ بجے تک کام کرتے ہیں اور بعض اوقات ان کو رات گئے تک بھی کام کرنا پڑتا ہے ،چار بچوں میں جنید واحد لڑکا ہے جبکہ باقی تینوں لڑکیاں ہیں ان میں سے ایک جنید سے عمر میں بڑی ہے جو آبائی شہر میں گورنمنٹ کالج میں ماسٹرز کر رہی ہے جبکہ باقی دونوں بچیاں میٹرک اور انٹر میں ہیں۔ جنید کو شروع سے پرائیویٹ سکول میں پڑھایا گیا اس نے ذہانت اور ادارے کی محنت کے بل بوتے پر میٹرک اعزازی نمبر سے پاس کی تو خاندان کے دیگر معززین نے مشورہ دیا کہ بچے کو کسی بڑے شہر میں اچھے کالج میں داخل

کروا دیں، جنید کی دلچسپی ٹیکنکل تعلیم کی طرف تھی اور اس کے بعض کلاس فیلوز نے بھی مشورہ دیا کہ راولپنڈی کے ایک معروف ٹیکنکل ادارے میں وہ بھی داخلہ لے رہے ہیں اس لیے جنید کو بھی وہیں داخلہ دلوا دیں، داخلہ تو ان کے کہنے پر کروا دیا لیکن ادارے کے اپنے ہاسٹل میں تو جگہ ندارد تھی سو باقی لڑکوں کے ساتھ جنید نے بھی پرائیویٹ ہاسٹل میں رہائش رکھ لی ،ماہانہ 5 ہزار روپے ہاسٹل کے اخراجات کے علاوہ کالج کی فیس اور دیگر لوازمات کی مد میں قریباً10 ہزار روپے کم سے کم ماہانہ اس کے اخراجات ہیں جبکہ گھر کے ہم باقی افراد 8 ہزار میں گزر اوقات اور اپنے لوازمات ادا کر رہے ہیں لیکن گزشتہ ماہ جب مجھے کالج انتظامیہ میں سے ایک با اعتماد شخص نے مجھے فون کیا ،اپنا، تعارف کروایا اور مجھے کسی دن ادارہ ہذا میں آنے کا کہا لیکن ساتھ یہ پابندی بھی لگائی کہ کالج آنے کی اطلاع جنید کو نہ ہو پائے ،میں نے دو دن بعد ہی چھٹی لی اور کالج پہنچ کر متعلقہ سٹاف ممبر سے ملاقات کی، اس مہربان نے مجھے جنید کے متعلق جو معلومات دیں وہ سن کر میرے پاؤں تلے جیسے زمین ہی نکل گئی ،میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ گھر میں پانچ وقت کی نماز پڑھنے والا بچہ اب جمعہ کی نماز کو بھی کبھی کبھار ہی جاتا ہے کلاس میں نمایاں پوزیشن لینے والا بچہ گزشتہ امتحان میں بری طرح فیل ہوا ہے اور، کالج میں اس کی حاضری بھی انتہائی کم ہے ،مجھے معلوم تک نہیں کہ جھگڑا کرنے پر وہ تھانہ تک بھی جاچکا اور اس سب کے بعد سگریٹ وغیرہ پینا اس کیلیے کوئی بڑی برائی

معلوم نہیں ہو رہی تھی ۔ وہ لمحات میرے لیے ایسے تھے کہ مجھے اپنی محنت و دیگر گھر والوں کی قربانی ڈوبتی ہوئی نظر آئی ،مجھے اپنے بیٹے پر یقین نہیں ہو رہا تھا کیونکہ ہماری ہر ہفتے فون پر بات ہو جایا کرتی تھی اس لیے میں نے اپنے طور پر جنید کے دوستوں اور کلاس فیلوز سے معلومات لینے کے علاوہ ہاسٹل انتظامیہ سے معلومات لی تو مجھے ان معلومات پر یقین ہو گیا جو مجھے دی گئی تھیں ،کالج انتظامیہ نے فیصلہ مجھ پر چھوڑ دیا کہ بچے کو یہاں سے ہٹا دیں یا یہیں رکھ دیں ۔ میں واپس گھر آ رہا تھا کہ خاندان والے مہربانوں اور گھر والوں سے مشورہ کر سکوں کہ اب بیٹے کا کیا کیا جائے۔۔! راستے میں اخبار پر آپ کا کالم پڑھنے کو ملا ساتھ رابطہ نمبر بھی لکھا ہوا تھا، آپ سے فون پر رابطہ کیا اور گھر اور خاندان والوں سے پہلے آپ سے مشورہ لینے پہنچ گیا۔ محمد ارشاد خان نے گیند کو میرے ناتواں کندھوں پر ڈال دیا، اب میرے لیے فیصلہ کرنا اور ان کو بہتر مشورہ دینا خاصا مشکل تھا کیونکہ ایک ایسے نوجوان کی زندگی جس پر کل گھر کی بھاری ذمہ داری پڑنا تھی ،جس نے کل اپنے باپ کا ہاتھ مضبوط کر کہ خود کی اور اپنی تین بہنوں کی شادی کرنا تھی اس کے مستقبل کے بارے میں مجھ سے مشورہ لیا جا رہا تھا میں نے محمد ارشاد خان کو مشورہ دیا کہ بیٹے کو پہلی فرصت میں گھر بلا دیں ،آرام و سکون کے ساتھ سب گھر والوں کی موجودگی میں بچے کو تمام حالات سے آگاہ کریں،آمدن اور گھریلو خرچ کی تفصیل اس کو بتائیں تاکہ وہ آمدن و اخراجات کا موازنہ کر سکے اور اس کو

دیگر افراد کی اس کیلئے دی جانے والی قربانی کا احساس ہو سکے۔ اس کے وقار کا خیال کرتے ہوئے اسکو آنے والے وقت میں اس کی ذمہ داریاں کا تفصیل سے بتادیں۔ تعلیم مکمل نہ کرنے کہ نقصانات سے آگاہ کریں جس راہ پر وہ ابھی چل رہا ہے اس کی متوقع منزل کے بارے میں بتائیں اور آخر میں اس سے تجویز لیں کہ وہ اپنے مستقبل کے بارے میں کیا فیصلہ کرتا ہے۔۔۔! جو وہ فیصلہ کر دے اگر جائز ہو تو اس کو ہی تسلیم کر لیں۔ اگر نہ ہوتا پاسپورٹ بنوا کر فوری طور پر کہیں دیار غیر میں مزدوری کیلئے بھیج دیں شاید یہی اس کے اور آپ کے حق میں بہتر ہو۔

ہاسٹل لائف اور گھریلو لائف پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں کچھ چیزیں ایسی ہیں جو بنی نو انسان کی بنیادی ضروریات میں سے ایک ہوتی ہیں، جیسے انسان کو زندہ رہنے کیلئے انرجی کی ضرورت رہتی ہے اور انرجی کیلئے خوراک کی ضرورت رہتی ہے اسی طرح انسان کو جسم ڈھانپنے کیلئے لباس اور سر ڈھانپنے کیلئے رہائش کی بھی انتہائی ضروری ہے، اپنا گھر اس دنیا میں گوشہ جنت کی مانند ہوتا ہے لیکن وقت و کام کی تیز رفتاری کی وجہ سے موجودہ وقت میں انسان نے خود کو اپنے مسکن سے دور کر دیا ہے

پڑھائی، کاروبار، ملازمت اور دیگر بہت سے معاشرتی عوامل کی وجہ سے شہروں میں، نقل مکانی ایک معمول سا بن چکی ہے، شہروں میں سب کو گھر ملنا ناممکن سا ہے اس لیے ملازمت پیشہ

افراد اور طلبائ (بشمول خواتین طالبات) کی ایک بڑی تعداد ہوسٹلز میں رہائش پذیر ہو جاتے ہیں، ہوسٹل سے ملازمت پیشہ افراد اور طلباء کی رہائیش کی ضروریات تو پوری ہو جاتی ہیں۔ہوسٹل کی اگر تفصیل جاننا چاہیں تو جان لیں کہ ہوسٹل ایک بڑی سی عمارت ہوتی ہے جہاں پر مشترکہ مفادات ومقاصد کے لوگ نظریہ ضرورت کے تحت مل جل کر رہتے ہیں، ہوسٹل مالکان ماہانہ کرایہ وصول کر کہ انہیں کھانے پینے، سونے اور دیگر سہولیات گراہم کرتے ہیں، ہوسٹل کے ایک کمرہ میں دو سے لے کر عموماً آٹھ افراد تک رہتے ہیں، ہوسٹل میں زیادہ تر ایسے افراد رہائیش پذیر ہوتے ہیں جو فرد واحد ہوتے ہیں جہاں ایسے بہت سے افراد ساتھ مل کر رہتے ہیں.بڑے بزرگوں اور والدین کا سایہ یہاں سرپر نہ ہونے کی وجہ سے وہ آزاد پنچھی کی طرح موج مستی کرتے ہیں.زیادہ تر دیکھنے میں آتا ہے کہ ہوسٹل انتظامیہ برائے نام ہی چیک اینڈ بیلنس رکھتی ہے، قواعد و قوانین اور پابندیاں رسمی سی اور زیادہ تر کاغذات کی حدتک ہی ہوتی ہیں ہوسٹل مالکان کو اپنے کرائے سے مطلب ہوتا ہے۔کام کاج کے بعد آنے والوں اور سکول، کالجز اور یونیورسٹیز سے آنے والے ہوسٹل رہائیشیوں کے پاس فرصت ہی فرصت ہوتی ہے فرصت کے وقت میں انٹرٹینمنٹ ہی واحد راستہ ہوتا ہے جس کیلئے بعض منفی،
سرگرمیاں سامنے آ جاتی ہیں جن میں منشیات، موبائل پیکجز اور انٹرنیٹ کا غلط استعمال اس کے علاوہ بھی بے شمار ایسے مشغلے اور برائیاں شامل ہیں جو ان میں بگاڑ پھیلانے کا باعث بنتی ہیں اس کے علاوہ ہوسٹل کے یہ

طلباء آزاد پنچھیوں کی مانند مل کر پارکوں ،مارکیٹوں اور سیر وسیاحت کی جگھوں پر ڈیٹ مارنے کے نام پر'' جاتے ہیں اور وہاں فیملیوں کو تنگ کرنا، موبائل کیمروں'' سے تصاویر اور دیگر ایسے کہیں مشغلے کرتے ہیں جن سے میری شاید واقفیت تک نہیں ہے ۔یہاں ایک بات کا ذکر میں خاص طور پر کرنا چاہوں گا کہ ہوسٹلز میں رہنے والی لڑکیوں میں لڑکوں کی طرح جس طرح منشیات کا استعمال اور اس کی خرید وفروخت.بڑھ رہی ہے وہ انتہائی خطرناک ہے کیونکہ ان ہوسٹلز میں جب کوئی ایک آدھ لڑکی ایسے کسی کام میں ملوث ہو جاتی ہے تو آہستہ آہستہ یہ لت پورے ہوسٹل میں پھیل جاتی ہے ،یہی لڑکیاں اپنے گھروں یں معصوم سی ہوتی ہیں ہوسٹلز میں ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی فیشن میں حدیں تک کراس کر جاتی ہیں ،جو لڑکیاں کھاتے پیتے گھرانے سے ہوں وہ تو باآسانی نئے نئے فیشن کرنے میں کامیاب ہو جاتی ہیں لیکن متوسط اور کم متوسط طبقے کی لڑکیاں متبادل راستوں سے اخراجات پورے کرنے کی دوڑ میں لگ جاتی ہیں جس کی وجہ سے .برائیوں میں اضافہ ہونا لازمی امر بن جاتا ہے کیونکہ معاشرے میں ایسے لوگ ہر جگہ موجود ہوتے ہیں جو ان لڑکیوں کی جائز وناجائز فرمائیشیں پوری کر کہ انہیں استعمال کرنے کی تاک میں ہوتے ہیں ۔ہوسٹلز میں جو بھی طلباء رہتے ہیں ان میں سے زیادہ تر کو گھر کی طرف سے جو اخراجات کی مد میں رقم دی جاتی ہے اس سے یہ بمشکل اپنا گزر بسر ہی کرپاتے ہیں اس لیے منشیات اور دیگر انٹرٹینمنٹ کے اخراجات پورے کرنے کیلئے ان متعلقہ طلباء میں چھوٹی چھوٹی چوریوں کی عادت

بھی پڑ جاتی ہے جو آہستہ آہستہ انہیں عادی مجرم تک بنا دیتی ہے ایسے طلبہ کا پڑھائی سے دھیان کم ہو کر دوسری طرف مائل ہو جاتا ہے۔ رات گئے تک تفریحی پروگراموں کے ساتھ ساتھ فون پر لمبی لمبی کالز ان کا معمول بن جاتا ہے۔ صرف یہی نہیں پوری پوری رات جاگنا، بے وقت کھانا پینا،، غیر اخلاقی گفتگو، انٹرنیٹ پر غیر اخلاقی سائیٹس کا استعمال معمول بن جاتا ہے۔ گھر کے افراد سے دوری ان ہوسٹل زدہ لوگوں کو معاشرتی طور پر بے حس سی بنا دیتی ہے۔ معاشرتی طور پر جو نقصانات ہوسٹل لائف کہ تو نقصان ہیں ہی لیکن اس کے ساتھ ساتھ غیر متوازن اور بے وقت کھانے پینے اور جاگنے سونے سے صحت پر بھی انتہائی مضر اثرات پڑتا ہے، سستی اشیائے خورد و نوش اور مصالحہ جات کے بے جا استعمال اور کچی پکی خوراک سے ہوسٹل میں رہنے والوں میں معدے، السر اور دیگر پیٹ کے امراض لاحق ہو جاتے ہیں۔ مشاہدے میں آیا ہے کہ و طلبہ میٹرک یں بہت اچھے نمبرات حاصل کرتے ہیں کالج میں ہوسٹل میں رہ کر پڑھتے ہیں اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ انٹر اور بیچلر میں ان کا رزلٹ ویسا شاندار نہیں رہتا جس کی ان سے توقع کی جاتی ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ محمد ارشاد کے بیٹے جنید کی طرح لاکھوں طلبہ کو نا سمجھی و کم عمری میں ہی آزادنہ ہوسٹلز میں آزادانہ نہیں نہ چھوڑا جائے۔ ایسے کہیں واقعات خبروں کی زینت بنتے دیکھے ہیں جن میں ہوسٹلز میں رہنے والے

لڑکے اور لڑکیاں کسی غیر اخلاقی سرگرمی کے باعث اپنے انجام کو پہنچ جاتے ہیں جس سے والدین کی عزت خاک میں مل جاتی ہے اس لیے والدین کو چاہیے کہ ہوسٹلز کی عمارت اور یا انتظامیہ کی چاپلوسی پر ہی نا جائیں بلکہ یہ دیکھیے کہ ہوسٹل لائف ان کے بچوں کیلئے کتنے مفاد میں رہے گی اور کیا نقصان دے گی۔ دوسری طرف ہوسٹل مالکان کی طرف دیکھا جائے تو زیادہ تر مالکان صرف پیسوں کے پجاری ہوتے ہیں جو چرب زبانی سے معصوم لوگوں کو بھلا بھسلا کر بچوں کی ذمہ داری اٹھا تو لیتے ہیں لیکن بلیک میلنگ منشیات سمگلنگ طریقہ کار، فراڈ اور دیگر ایسی برائیوں میں بھی یہی پھنسا دیتے ہیں۔

۔یہاں پر یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ تمام ہوسٹلز کا ماحول خراب نہیں ہوتا اور تمام طلبہ ہوسٹلز میں رہ کر بھٹکتے بھی نہیں، بہت سے ایسے ہونہار طلبہ ایسے بھی ہیں جنھوں نے ہاسٹلز میں رہ کر بھی اخلاقیات کو برقرار رکھا اور اعزازی نمبرات سے بورڈز اور یونیورسٹیز میں پوزیشنز حاصل کیں لیکن ایسے طلبہ کی تعداد اونٹ کے منہ میں زیرہ کے برابر ہوتی ہے اس لیے اس زیرہ کو خاطر میں رکھتے ہوئے اپنے بچوں کو دلدل میں نہیں ڈالا جا سکتا۔

محمد ارشاد کا چند دن پہلے پھر فون آیا تو انہوں نے اطلاع دی کہ جنید کو گھر بلا کر 2 گھنٹے تک اس کے ساتھ نشست کی تھی، بیٹے کو اب احساس ہو چلا ہے کہ وہ گمراہی کے راستے پر چل نکلا تھا جس سے واپسی اب اسے مشکل ہو رہی تھی

لیکن اس کو ہماری مناسب حکمت عملی نے اسے ایک بار پھر زندگی کی طرف لوٹا دیا ہے اب اس نے واپس جاتے ہی ہوسٹل تبدیل کرنے کے ساتھ ساتھ پارٹ ٹائم کام، شروع کر دیا ہے۔اب محمد ارشاد خان کو تسلی ہو چلی ہے کہ اس کی محنت اور گھر والوں کی قربانی ضائع نہیں ہو گی۔

نا جانے ہمارے ملک میں کتنے ہی جنید جیسے بچے ہیں اور محمد ارشاد جیسے والدین ہیں جن کے بچے ہوسٹلز کے آزادنہ ماحول میں زیادہ ہی 'آزاد' ہو جاتے ہیں لیکن ان کے والدین خود ان کی نگرانی نہیں کرتے اور ان کو تب اطلاع ہوتی ہے جب پانی سر سے چڑھ جاتا ہے اس لیے والدین کو اپنی اولادوں کے مستقبل کے فیصلے کرتے ہوئے وقت کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے سوچ سمجھ کر فیصلے کرنے چاہیے اور اگر بچوں کو ہوسٹلز میں رکھنا انتہائی ضروری ہی ہے تو کم سے کم ان کی ماہانہ کارکردگی و کریکٹر رپورٹ کو اپنے ذرائع سے ضرور لینی چاہیے کیونکہ چند روپیوں کی بچت کی خاطر اپنی اولادوں کو اندھے کنویں میں دھکیلنا عقل مندی نہیں ہوتی۔

ہڑتالوں پے ہڑتالیں، کیا ان کا اثر بھی ہوتا ہے۔۔؟

سپلائی بازار راولاکوٹ کے پچاس کے قریب تاجران نے ہڑتال کر دی، سڑک بلاک کرنے کے ساتھ شٹر ڈاؤن اور پھر پہیہ جام تک کر دیا وجہ یہ تھی کہ گزشتہ 1 ماہ سے سپلائی بازار سے شیخ زید ہسپتال تک جو قریباً 1 کلو میٹر کا فاصلہ بنتا ہے میں سڑک کی تعمیر فوجی تعمیراتی کمپنی'' ایف ڈبلیو او'' کر رہی ہے (اسی کمپنی کی بنائی گئی اربوں روپے کی سڑک ایک سال کے اندر ہی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہونے کے بعد دوبارہ بن رہی ہے) بتایا جاتا ہے کہ فوجیوں کی زیر نگرانی اس تعمیراتی کمپنی نے 10 دن کے اندر اس سڑک کی تعمیر مکمل کرنی تھی لیکن 1 ماہ سے زائد عرصہ ہو چکا لیکن سڑک کو اکھاڑ کر رکھ دیا گیا لیکن تار کول کا کہیں نام و نشان نہیں ،گاڑیوں کے گزرنے سے سڑک میں موجود گرد میں 10 قدم کے فاصلے پر کسی کو پہچاننا بھی محال ، سڑک کے ارد گرد موجود دکانوں میں گرد کے انبار کی وجہ سے اشیاء خوردونوش خراب ہو رہی ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انسانی صحت پر انتہائی مضر اثر پڑتا ہے کیونکہ مسلسل یہ گرد سانس کے ذریعے جسم کے اندر لے جانے سے پھیپھڑوں کے مسائل اپنی جگہ الرجی اور دیگر امراض بھی حملہ کر دیتے ہیں لیکن خصوصاً اس 1 کلو میٹر علاقے میں سکولز اور کالجز کا انبار لگا ہوا ہے جہاں ہزاروں کی تعداد میں بچے صبح صاف ستھرے کپڑے پہن کر سکول،کالج آتے جاتے ہیں اور جب

یہی بچے واپس گھروں کو جاتے ہیں تو کسی بھوت کی مانند ان کے سروں میں گرد جھلکتی ہے کپڑوں کی رنگت حقیقت سے کوسوں دور دکھائی دیتی ہے اور اپنے پھیپھڑوں میں جو گرد وغبار لے جاتے ہیں وہ الگ بیماریاں پیدا کرتا ہے۔آخر برداشت کی بھی حد ہوتی ہے لیکن بے حسی و بے بسی نے یہاں جیسے پکے ہی ڈھیرے ڈال دیئے ہوں انتظامیہ سے لے کر ایک عام آدمی تک بے بس نظر آتا ہے جس کی واضح مثال سب کے سامنے ہے ۔ذکر ہو رہا تھا سپلائی بازار کے پچاس کے قریب تاجران کا تو انہوں نے صبر کا پیمانہ لبریز ہونے پر آپس میں صلح مشورہ کیا اور صبح 10 بجے کے قریب سڑک بند کر دی جو شام تک بند ہی رہی ، سکول کالجز میں جو بچے صبح گاڑیوں میں آئے تھے وہ پیدل گھروں کو جا رہے ہیں ،جو مریض صبح گاڑیوں میں آئے تھے وہ بھی مجبوری میں پیدل جا رہے ہیں کاروبار بند ہے اور انتظامیہ سے مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ سڑک میں پانی کا چھڑکاؤ ، کروانے کا انتظام کیا جائے اور متعلقہ سڑک تعمیر کرنے والی کمپنی کو کہا جائے کہ وہ فوری طور پر کام مکمل کریں جبکہ تعمیراتی کمپنی'' ایف ڈبلیو او'' نے کام کرنا اس لیے بند کر دیا ہے کیونکہ سڑک کی تعمیر کے دوران ان کے کسی فوجی ملازم کا ٹریفک پولیس کے ایک اہلکار سے جھگڑا ہو گیا (ٹریفک اہلکار کو معطل کر دیا گیا) جس وجہ سے فوجیوں نے 3,4 روز سے کام بند کیا ہوا ہے۔بے حسی اور بے بسی کی انتہا تب ہوئی جب شام کو ڈپٹی کمشنر نے ان ہڑتال کرنے والے تاجران سے وعدہ کیا کہ کل سے آپ کو پبلک ہیلتھ اور بلدیہ کی گاڑیوں سے پانی

کا چھڑکاؤ کروا کر دیا جائے گا لیکن دوسرے دن 1 بجے ایک گاڑی آئی جو پانی کا چھڑکاؤ کر کہ واپس چلی گئی پھر شام تک کوئی نہیں آیا جبکہ ڈپٹی کمشنر پونچھ سہیل اعظم نے بار بار ایکسین پبلک ہیلتھ کو فون کیا کہ پانی کی گاڑی بھجوا دیں لیکن ان صاحب پر تو جیسے اثر ہو ہی نہیں ہو رہا،ان کے پاس فنڈز کی کمی اپنی جگہ ہو گی لیکن کیا ہزار دو ہزار میں ڈلنے والے پانی کیلئے اتنا بھی پیسہ ان کے پاس نہیں ہے؟ جبکہ پبلک ہیلتھ کے ملازمین کی تنخواہوں اور ان کے آفیسران کے ٹی اے ڈی اے کا تخمینہ لگایا جائے تو یہ لاکھوں نہیں کروڑوں میں جاتا ہے جبکہ بلدیہ کے پاس 2 ہی گاڑیاں ہیں جو بوقت ضرورت مل بھی جاتی ہیں لیکن ان کو بھی فنڈز کا مسئلہ درپیش ہے۔ ان تاجران کی ہڑتال جائز ہے لیکن یہاں پر تاجر ذاتی دلچسی لیتے ہوئے اپنے جسم کو بیماریوں سے بچانے کیلئے یا صفائی ستھرائی کا ہی خیال کرتے ہوئے خود سے پانی کے چھڑکاؤ کا انتظام اجتماعی یا انفرادی طور پر کر سکتے ہیں یا کم سے کم ان تاجروں کی دکانوں کے سامنے جو سڑک ہے سڑک کے اس حصہ کو گورنمنٹ یا پیپلز پارٹی کی سڑک سمجھنے کے بجائے اپنی سڑک عوام کی سڑک سمجھ کر اپنے اوپر ہی ایک احسان کر دیا کریں کہ خود پانی کا ہلکا سا چھڑکاؤ وقفے وقفے سے کر دیا کریں تاکہ ان کے مسائل کچھ حد تک تو دور ہو سکیں کیونکہ ہڑتال کرنے سے یہاں صرف وقتی طور پر مسائل دور ہوتے ہیں جبکہ ایسا ہونا نہیں چاہیے۔ انتظامیہ بے بس ہے ان کے پاس کچھ بھی نہیں ہے جبکہ ان کے اوپر بھاری ذمہ داریاں ڈال دی گئی ہیں اسی وجہ سے ہر

طرف افسر شاہی کا راج ہے، ہر ایک لیڈر بنتا جا رہا ہے نہ کوئی صحیح طریقے سے اپنے حقوق مانگتا ہے اور نہ کوئی ان کو حقوق دلوانے والا ہے۔

سپلائی بازار کی ہڑتال کے دو ہی دن بعد انجمن تاجران پونچھ ڈویژن کی کال پر بجلی کی غیر اعلانیہ 23،23 گھنٹے تک جاری رہنے والی لوڈ شیڈنگ کے خلاف ڈویژن کے چاروں اضلاع، پونچھ، باغ، سدھنوتی اور حویلی کے تاجران نے شٹر ڈاؤن ہڑتال کی جبکہ کچھ اسٹیشنوں پر شٹر ڈاؤن کے ساتھ ساتھ پہیہ جام ہڑتال بھی کی گئی۔ اس ہڑتال کی وجہ سے حکومت پر کیا اثر پڑا یہ ایک الگ سوال ہے۔ لیکن ہڑتال سے 2 دن پہلے ہی واپڈا حکام اور آزاد کشمیر حکومت نے ہڑتال کو کم موثر بنانے کیلئے بجلی کی لوڈ شیڈنگ قدرے کم کر دی۔ لیکن یہ حکمت عملی زیادہ موثر ثابت نہ ہوئی اور پہلی مرتبہ انجمن تاجران پونچھ ڈویژن نے افتخار فیروز کی قیادت میں کامیاب ترین ہڑتال کی، چاروں اضلاع میں کاروبار زندگی مکمل طور پر بند رہا، مریضوں کیلئے اور دوسرے شہروں سے آنے والوں کو شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، ہڑتال کو اس وقت تک جاری رکھنے کا اعلان کیا گیا ہے جب تک ان کے مطالبات منظور نہیں کیے جاتے۔ آنے والے دنوں میں شٹر ڈاؤن ہڑتال کرنے والوں کے ساتھ ساتھ ٹرانسپورٹر یونین بھی ہڑتال کرنے اور پہیہ جام کرنے کا منصوبہ رکھتی ہے اس لیے حکومتی ذمہ داران کو چاہیے کہ وہ توڑ پھوڑ، مار دھاڑ اور آنسو گیس کی شیلنگ سے پہلے ہی عوامی مسائل کی طرف توجہ

دے ان کو وسیع بنیادوں پر حل کرنے کی کوشش کرے۔
اس وقت آزاد کشمیر بھر میں ماسوائے محکمہ تعلیم میں بھرتی سرکاری اساتذہ کے شاید ہی کوئی ایسا پیشہ ہوگا جس کہ لوگ خوش و خرم زندگی گزار رہے ہوں۔ ہڑتالوں کی حالت یہ ہے کہ تمام ٹریڈ یونینز کے ممبران، محکمہ برقیات کے ملازمین، ہیلتھ ایمپلائیز ایسوسی ایشنز، محکمہ مال کے ملازمین (گرداور اور پٹواری)، مزدور یونینز، ایپکا، ٹرانسپورٹ یونینز، کلر ایسوسی ایشن، پیرامیڈیکل ایسوسی ایشنز، ینگ ڈاکٹر ایسوسی ایشنز، پی ایم اے، وکلائ، حکومت مخالف سیاسی جماعتیں جن میں اس وقت پاکستان تحریک انصاف، جماعت اسلامی، شباب ملی، اسلامی جمعیت طلبہ، مسلم لیگ ن، مسلم کانفرنس، جمعیت علمائے اسلام سمیت قوم پرست تنظیموں کے تمام دھڑے جن میں جموں کشمیر لبریشن فرنٹ یاسین ملک گروپ، جموں کشمیر نیشنل عوامی پارٹی، جموں کشمیر نیشنل سٹوڈنٹ فیڈریشن، جموں کشمیر لبریشن فرنٹ رؤف کشمیری گروپ، جموں کشمیر پی این پی، جموں کشمیر این ایل سی اور جموں کشمیر نیشنل لبریشن لیگ سمیت دیگر سیاسی جماعتیں، کالجز یونیورسٹیز اور سکولز کی سطح تک کی تمام طلبہ تنظیمیں سال میں اپنے مسائل کو دیکھتے ہوئے جب جی چاہا ہڑتال کیے رکھتے ہیں۔ ان کے ساتھ ساتھ سول سوسائیٹی کے نمائندگان، این جی اوز کے نمائیندگان کے علاوہ عوام بھی اپنے تمام تر مطالبات کی منظوری کیلئے ہڑتالیں کرتے ہیں، اب ہڑتالوں کے بھی مختلف

درجات میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ پہیہ جام و شٹر ڈاؤن ، صرف پہیہ جام ، صرف شٹر ڈاؤن ، نیم شٹر ڈاؤن و نیم پہیہ جام کے علاوہ علامتی بھوک ہڑتال اور 1 گھنٹہ سے لے کر 24 گھنٹے تک کی ہڑتال ہوتی ہے۔ یہاں ایک اہم بات کا ذکر کروں گا کہ جب بھی پونچھ کے لوگ ہڑتال کرتے ہیں تو پہلی ہڑتال کو آخری ہڑتال سمجھ کر اپنے تمام تر مطالبات دن رات میں تسلیم کروانے کی کوشش کرتے ہیں جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انتظامیہ اور دیگر ذمہ داران مسائل کو فوری بنیاد پر حل کرنے کا کہہ کر چلے جاتے ہیں ، بڑے بڑے وعدے کیے جاتے ہیں لیکن کچھ ہی دن تک وعدہ نبھا پاتے ہیں اس کے بعد وہی حالت ہو جاتی ہے کیونکہ اب سب ایک دوسرے کے مزاج کو سمجھنے لگے ہیں ۔مسائل کے ذمہ داران کو علم ہے کہ اب ہڑتال کیلئے عوام کو باہر لانے کیلئے کم و بیش کچھ ہفتوں تک کا وقت تو لگ ہی جاتا ہے اس لیے تب تک متعلقین کو خوب تنگ کیا جاتا ہے۔ یہاں ایک چیز کا ذکر کروں گا کہ سب محکمے حکومت سے ناراض ہیں سوائے قوم کے معماروں کی آبیاری کرنے والے سرکاری اساتذہ ، ان اساتذہ کرام کے آرام کو دیکھ کر ایک تسلی سی ہوتی ہے کیونکہ ان کی تنخوائیں انتہائی معقول جبکہ زیادہ تر اساتذہ کرام اداروں میں جا کر اپنی تنخواہ کا ادھار حکومت پر ڈال آتے ہیں جبکہ سرکاری تعلیمی اداروں میں بچوں کی تعداد انتہائی کم ہے یہاں تک دیکھنے میں آتا ہے کہ جہاں بائیس بائیس چوبیس چوبیس کا سٹاف موجود ہے جو ماہانہ چھ سے دس لاکھ تک تنخوائیں وصول کرتا ہے، لیکن ان اداروں میں تعلیم حاصل کرنے والوں کی

تعداد 50 سے 100 کے درمیان بھی بمشکل ہوتی ہے اور جو بچے یہاں تعلیم حاصل کر رہے ہوں ماسوائے چند گنے چنے بچوں کے وہ جدید معیاری تعلیم سے میلوں دور ہوتے ہیں۔اس تعلیمی مسئلے کا ذمہ دار کون ہے یہ ایک الگ موضوع ہے جسکو کسی اور تحریر میں شامل کیا جائے گا۔یہاں بتانا یہ مقصود ہے کہ ہمارا حکومتی نظام تو خراب ہے بلکہ یہ کہنا بھی غلط نہیں کہ اس وقت ملک میں حکومتی رٹ نام کی چیز نظر نہیں آتی ،ہر ایک کیلئے اپنا قانون ہے غریب کیلئے الگ ،سرمایہ دار وجاگیر دار کیلئے الگ ،سیاسی لوگوں کیلئے الگ ،صحافیوں ،وکلاء اور بیوروکریٹس کیلئے الگ الگ قانون بنا ہوا ہے۔جس کو جہاں دل چاہے جو مرضی کر دے۔ہمیں اس معاشرے میں بہتری لانے کیلئے بہت زیادہ محنت کی ضرورت ہے عوامی سوچ کو بلند کرنے کیلئے ایک وسیع حکمت عملی کے ساتھ آگے بڑھنا ہو گا،ہر ایک کو اپنی سوچ میں ایک مثبت تبدیلی لانی ہوگی اس تبدیلی کیلئے ہمیں اپنے نونہالوں کو آج سے ہی تیار کرنا ہو گاان کی تربیت کا انتظام ہمیں ہی کرنا ہو گا اس سب کیلئے ہمیں تعلیمی میدان میں مکمل تبدیلی کرنی ہو گی ،وقتی مفادات کو سائیڈ لائن کرنا ہو گا اجتماعی سوچ کو پروان چڑھانا اور ایک دوسرے کیلئے قربانی دینا بھی سیکھنا ہو گا تاریخ گواہ ہے کہ قومیں قربانی دیئے بغیر اپنے بلند مقاصد حاصل نہیں کر سکی ہیں۔

پونچھ ڈویژن میں موجودہ ہڑتال کے حوالے سے حکومتی بے حسی سب کے سامنے آ

چکی ہے اسی ڈویژن سے تعلق رکھنے والے صدر آزاد کشمیر یعقوب خان، سپیکر اسمبلی غلام صادق، چیئرمین پبلک اکاؤنٹ کمیٹی عابد حسین عابد سمیت دیگر بہت سی اعلیٰ حکومتی شخصیات جن میں درجنوں کے حساب سے وزیر، مشیر اور دیگر عملا موجود ہے جو حکومتی فنڈز سے اربوں روپے وصول کرتا ہے، ان سب کی ذمہ داریاں صرف ڈویژن تک محدود نہیں ہیں بلکہ آزاد کشمیر کے دیگر ڈویژن میں بھی ان کے ذمہ بہت سے کام ہیں لیکن یہ لوگ جب اپنے گھر کے مسائل دور نہیں کر سکتے تو ان سے محلّہ کی بہتری کیسے ممکن ہو گی، یہ تمام لوگ مل کر بھی بجلی کی لوڈ شیڈنگ سے نجات حاصل نہیں کر سکے یہ ایک بڑی ناکامی ہے اور اس بات کا ثبوت ہے کہ آزاد حکومت وفاق کے سامنے بے بس ہے۔ ہڑتالوں کا بہت اثر ہوتا ہے ان کے ذریعے عوام و دیگر لوگ اپنے مطالبات حکومت تک پہنچاتے اور ان کے ذریعے انتظامیہ کو بھی باآسانی عوامی مسائل کو حکومتی نمائندگان و ذمہ داران تک پہنچانے میں آسانی ہوتی ہے اس لیے عوام کو چاہیے کہ اپنی سوچ کو بلند کریں مطالبات کی منظوری کیلئے ہڑتالیں بھی ضرور کریں لیکن کسی کے آلہ کار نہ بنیں کیونکہ یہاں پر بے مار لوگ ایسے ہیں جو اپنے مذموم مقاصد کیلئے عوام کو ایک عرصہ سے استعمال کرتے رہتے ہیں۔ پونچھ ڈویژن کے تاجران کو افتخار فیروز جیسا بہادر ونڈر لیڈر ملا ہے اس کا ساتھ دیں اور عوامی مسائل کے حل کی طرف بڑھیں۔

16 لاکھ افراد کا تاریخی احتجاج، سیاستدانوں کیلئے لمحہ فکریہ--

آزاد کشمیر کی تاریخ میں پہلی مرتبہ ایسا ہوا کہ چار اضلاع کے 16 لاکھ کے قریب عوام نے اپنے مسائل کے حل کیلئے جدوجہد کرتے ہوئے 3 دن تک مکمل طور پر امن رہتے ہوئے شٹر ڈاؤن و پہیہ جام ہڑتال کیے رکھا، ان تین دنوں میں ہڑتال کرنے والوں کی طرف سے ایک بھی ایسا ایشو سامنے نہیں آیا کہ حالات زیادہ کشیدہ ہوتے ،نہ توڑ پھوڑ کی گئی ہ سرکاری املاک کو نقصان پہنچایا گیا ،نہ کسی کو عبرت کا نشانہ بنایا گیا ،اتنی بڑی تعداد میں عوام کا احتجاج کرنا اور وہ بھی پرامن احتجاج کی مثال تک بنا دینا لائق تحسین ہے۔ ہڑتال کی کال دے کر عوام کو منظم رکھنے پر تاجر اتحاد پونچھ ڈویژن اور تمام ہڑتال میں شامل تمام عوام مبارکباد کے مستحق ہیں، اس کے ساتھ ساتھ انتظامیہ نے بھی عوامی جدوجہد کے عوامی جائز جدوجہد کے طریقہ کار میں رکاوٹیں ڈالنے کی کوشش نہ کی اس پر ان کی حکمت عملی بھی لائق تحسین ٹھہری۔ اس تاریخی شٹر داؤن و پہیہ جام میں سب سے اہم کردار ڈویژن بھر کے تاجران کا ہے جنھوں نے سول سوئیٹی کے ساتھ مل کر مرکزی صدر افتخار فیروز کی کال پر چاروں اضلاع کا سسٹم جام کر کہ رکھ دیا، 3 دن تک مکمل ہڑتال و پہیہ جام کی وجہ سے جو نقصان ہوا اس کا تخمینہ لگانا مشکل ہے لیکن ایک محتاط اندازے کے مطابق بنکوں سے غیر حتمی معلومات لینے کے بعد اس نقصان کا تخمینہ

تقریباً 22 سے 24 ارب روپے لگایا گیا، جائیزے کے مطابق پونچھ کی آبادی 6 لاکھ سے تجاوز کر گئی ہے یہاں روزانہ اوسطاً 2 سے 3 ارب روپے کا لین دین کیا جاتا ہے اس لیے 3 دنوں میں یہ نقصان روزانہ کی بنیاد پر فی یوم 2.5 ارب روپے مان لیا جائے تو یہ نقصان 7.5 ارب روپے، باغ کی آبادی جو 4.5 لاکھ سے تجاوز کر گئی ہے یہاں روزانہ کی بنیاد پر اوسطاً فی یوم 2 سے 2.5 ارب روپے کا کاروبار کرتے ہیں کو اگر ان تین 3 دنوں میں فی یوم 2 ارب روپے مان لیا جائے تو یہ نقصان 6 ارب روپے سدھنوتی کی آبادی جو قریباً 3 لاکھ پچاس ہزار کے قریب ہے میں روزانہ کی بنیاد پر اوسطاً 1.25 سے روپے کا کاروبار کیا جاتا ہے اسکو اگر ان 3 دنوں میں اوسطاً فی یوم 1.5 ارب روپے 2 مان لیا جائے تو ان 3 دنوں میں نقصان 4.5 ارب روپے اور حویلی کی آبادی جو 1 لاکھ ہزار کے قریب ہے میں روزانہ کی بنیاد پر اوسطاً 1 سے ڈیڑھ ارب روپے کا کاروبار 75 ہوتا ہے کو فی یوم 1.25 مان لیا جائے تو ان 3 ہڑتالی دنوں میں یہ نقصان 3 ارب 75 کروڑ کا نقصان ہوا اس طرح اندازاًان 3 ہڑتالی دنوں میں پونچھ ڈویثرن کے ان چاروں اضلاع پونچھ، باغ، سدھنوتی اور حویلی میں مجموعی آبادی 16 لاکھ کے قریب اور ان کا مجموعی کاروباری نقصان 23 ارب 25 کروڑ روپے بنتا ہے۔

اس تاریخی ہڑتال کے اختتام کے تاجر اتحاد پونچھ ڈویثرن کے مرکزی صدر افتخار فیروز نے مذاکرات میں کیے جانے والے فیصلہ جات کی تفصیلات بتانے کیلئے

راولاکوٹ میں پریس کانفرنس کی جس میں انہوں نے بہت سے ایسے انکشافات کیے جو حیران کر دینے والے تھے افتخار فیروز کے مطابق پونچھ ڈویژن تاجر اتحاد نے چاروں اضلاع کے تاجروں و عوام کے دیرینہ مسائل کیلئے حل کیلئے اپنی پہلی کال 5 جون کو دی تھی اور 6 جون کو پورے پونچھ ڈویژن میں علامتی شٹر ڈاؤن ہڑتال کی تھی لیکن یہ ٹوکن ہڑتال صرف اپنا احتجاج ریکارڈ کروانے اور حکومت و انتظامیہ کو یہ باور کروانے کیلئے کی گئی تھی کہ ایک نئی عوامی قوت تاجران کی صورت میں سامنے آچکی ہے جو مسائل کے حل میں سنجیدہ ہے،6 جون کو یہ اعلان کیا گیا کہ 20 جون تک ہمارے مطالبات تسلیم کیے جائیں ورنہ سخت احتجاج سامنے آئے گا،تاجر اتحاد کے مرکزی صدر افتخار فیروز کے مطابق انتظامیہ یا کسی اہم حکومتی شخصیت نے ان 14 دنوں میں ان سے یا ان کی ٹیم میں سے کسی کے ساتھ رابطہ کر کہ مسئلہ تک جاننے کی کوشش نہ کی جبکہ ڈویژنل انتظامیہ مسائل کو حل کرنے کے بجائے اس اتحاد کے خلاف سازشوں میں مصروف رہے،20 جون کو پونچھ ڈویژن میں 65 سالہ تاریخی شٹر ڈاؤن ہڑتال کی گئی جبکہ 21 جون کو پہیہ جام ہڑتال کی گئی تب انتظامیہ کو ہوش آیا کہ معاملہ سنگین ہے۔افتخار فیروز کے مطابق ڈویژنل انتظامیہ نے اس وقت معاملہ کو یکسو کرنے اور حکام بالا سے مذاکرات کروانے کیلئے تاجران کو اپنا چارٹر آف ڈیمانڈ تحریری طور پر انتظامیہ کو دینے کو کہا تو تاجران نے نیک نیتی سے چاروں اضلاع سے ذمہ داران کو راولاکوٹ بلایا اور مشاورت کے بعد کمشنر پونچھ ڈویژن اور ڈی آئی

جی پونچھ کو چارٹر آف ڈیمانڈ حوالے کیا، جبکہ کمشنر پونچھ ڈویژن نے اسسٹنٹ کمشنر راولاکوٹ کے ذریعے اطلاع دی کہ صدر ریاست یعقوب خان و وزیر اعظم آزاد کشمیر چوہدری مجید اپنی ذاتی مصروفیات کی وجہ سے مذاکرات کا وقت نہیں دے رہے جبکہ تاجر اتحاد کو مستند ذرائع نے بعد میں اطلاع دی کہ پونچھ ڈویژن کی انتظامیہ نے چیف سیکریٹری آزاد کشمیر و وزیر اعظم آزاد کشمیر سے مسائل کے حل کیلئے مذاکرت کے حوالے سے رابطہ تک نہیں کیا، پونچھ انتظامیہ نے تاجران کو مذاکرات کیلئے اسلام آباد بھیج کر سوچی سمجھی سازش کے تحت حالات کو خراب کرنے کی کوشش کی ،افتخار فیروز نے الزام لگایا کہ ڈویژنل انتظامیہ صدر ریاست یعقوب خان کی ایماء پر ہمارے مذاکرات کو کامیاب ہوتا ہوانہیں دیکھنا چاہتی تھی اسی لیے اسلام آباد میں مذاکرتات کی ناکامی کو یقینی بنانے کیلئے ہتھکنڈے استعمال کرنے کی کوشش بھی کی اور منصوبہ بنایا گیا کہ راولاکوٹ واپسی پر آزاد پتن کے مقام پر ہمیں گرفتار کیا جائے گا۔ کشمیر ہاؤ س میں ہونے والے مذاکرات میں وزیر برقیات چوہدری ارشد، وزیر ٹرانسپورٹ طاہر کھوکھر، سیکریٹری برقیات ، پونچھ دویژن کے ایس سی اوز، چاروں اضلاع کے مہتم ،آ ئیسکو کے چیف انجنیئر فرمان علی خان، واپڈا کے اہم ذمہ دار، کے علاوہ ٹرانسپورٹ وٹریڈیونین کے ضلعی نمایندگان شامل تھے ،مذاکرات میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ پونچھ ڈویژن سے غیر اعلانیہ و جبری لوڈ شیڈنگ مکمل طور پر 25 جون سے ختم کر دی جائے گیاور اس بات کی بھی یقین دہانی کروائی گئی کہ پونچھ

کے گرڈ اسٹیشنوں پر بجلی ہر وقت موجود رہے گی، محکمہ برقیات آزاد کشمیر کے ذمہ داران سے یہ طے کیا گیا کہ 17 یونٹ سے اوپر صارف جو بجلی استعمال کرے گا اسے اسی تناسب سے بل ادا کرنا پڑے گا، آئیندہ بلات سے میٹر کرایہ مکمل طور پر ختم کر دیا جائے گا،ان دو ماہ میں جن لوگوں نے بجلی کے بل انجمن تاجران کی کال پر ادا نہیں کیے ان سے سرچارج لیے بغیر قسط کی سہولیت کے ساتھ بل لیے جائیں گے، نیلم جہلم سرچارج اس لیے ختم نہیں ہو گا کیونکہ اسی ٹیکس سے یہ پراجیکٹ پایہ تکمیل کو پہنچ رہا ہے، مذاکرات میں وزیر ٹرانسپورٹ سے جو چیزیں طے کی گئی ان میں یہ طے پایا کہ گاڑی حادثے کی صورت میں فی کس 1 لاکھ روپے کے بجائے 3 لاکھ 75 ہزار روپے حکومت کی طرف سے دیئے جائیں گے، کمپیوٹرائیزڈ ڈرائیونگ لائیسنس فیس 5 سال کیلئے 700 روپے ہوگیا البتہ نامل لائیسنس کی ویسی وہی رہے گی، چونگی فیس ،ٹول ٹیکس اور دیگر ٹیکسز پر نظر ثانی کیلیۓ سینئر وزیر چوہدری یٰسین، وزیر صحت قمر الزمان اور وزیر ٹرانسپورٹ طاہر کھوکھر پر مشتمل کمیٹی بنائی گئی جو ٹرانسپورٹرون سے مشاورت کرنے کے بعد تیس جون تک فیصلہ دے گی، جبکہ راولاکوٹ میں ریجنل ٹرانسپورٹ اتھارٹی کا دفتر جولائی 2012ء سے آفس کام کرنا شروع کر دے گا۔ صدر تاجر اتحاد پونچھ ڈویژن افتخار فیروز نے صدر ریاست یعقوب خان و اسپیکر اسمبلی غلام صادق خان کے لوڈ شیڈنگ کے حوالے سے منفی بیانات پر شدید برہمی کا اظہار کیا اور یاد دہانی کروائی کہ یہ لوگ اسی علاقے سے عوامی ووٹوں سے ممبر منتخب ہو کر اس

مقام پر پہنچے ہیں ، صدر کے بعد انکی بیٹی اسی علاقے کے ووٹ حاصل کر کے ممبر اسمبلی اور وزیر بھی بنی ہے ، انہوں نے الزام لگایا کہ ہمیں مذاکرات کے لئے اسلام آباد روانہ کر کے حکومتی گماشتوں سے شہر میں حالات خراب کروانے کی بھی کوششیں کی ہیں جو صدر کے جیالے پستول لہرا کر دوکانیں کھلوانے میں مصروف عمل رہے ،افتخار فیروز کا موقف تھا کہ کوئی دوکاندار اگر دوکان کھلوائے تو بات سمجھ میں آتی ہے لیکن کوئی جیالہ یا حکومتی اہلکار یا صدارتی نوازشات والا دوکانیں کھلوائے اور پستول لہرائے تو اس سے کیا مراد ہے کیا یہ خون خرابا کروانے کی سازش نہیں ہے ؟

گہری نظر سے دیکھا جائے تو پونچھ ڈویژن کا یہ تاجر اتحاد سیاسی جماعتوں کیلئے سوالیہ نشان چھوڑ گیا ہے کیونکہ اس وقت آزاد کشمیر میں کوئی بھی سیاسی جماعت اتنی طاقت نہیں رکھتی کہ عوامی ایشوز کے اوپر ایسا پر امن احتجاج اتنے لمبے وقت تک کرواسکے اور اپنے مطالبات بھی حل کرواسکے ،دوسری اہم چیز یہ کہ صدر ریاست و اسپیکر اسمبلی ہوش کے ناخن لینے کی ضرورت ہے ان کو اپنے مشیروں میں قابل لوگوں کو ذرا بھی جگہ دینے کی ضرورت ہے جو ان تک سچ پہنچا سکیں اور عوامی ضروریات کا خیال کریں نہ کہ ذاتی جائیدادوں پر زور ہو (جیسا کہ جیالا نوازی میں چل رہا ہے)ایسے جیالوں (اسکیم خوروں) کو قابو میں رکھیں جو حکومت کی سرپرست کی وجہ سے بے لگام ہو چکے ہیں، فرزانہ یعقوب

سمیت چاروں اضلاع سے منتخب ممبران اسمبلی کو عوام میں آنا چاہیے عوام کے مسائل سننے چاہیے نہ کہ جبوتہ ہاؤس اور ایسے ہی دوسرے ہاؤسسز کو اپنا مسکن بنانا چاہیے اسکیم خوروں سے چھٹکارا حاصل کر کہ عوام کو ان کے بنیادی حقوق جن میں، مہنگائی، روزگار کی فراہمی، صحت اور تعلیم کے میدان میں ہنگامی بنیادوں پر مثبت کام کرنے کی ضرورت ہے۔اپوزیشن میں موجود (بے حس) سیاسی جماعتوں کے قائدین جن میں مسلم کانفرنس، جماعت اسلامی، ن لیگ اور تحریک انصاف و دیگر کو چاہیے کہ ایشوز کی سیاست کریں، مسائل کے حل کیلیئے کوشش کریں، عوام میں آئیں ان کے مسائل کے حل کیلیئے کوشاں ہوں ورنہ یاد رکھیں کہ افتخار فیروز جیسے عوامی نمائندوں کے سامنے یہ الیکشن کے وقت بھی بے بس ہونگے جس طرح یہ آج بے بس ہیں۔۔ قوم پرست تنظیمیں پھر سے یکجا ہو رہی ہیں اور اپنی پالیسی میں وقت کے لحاظ سے تبدیلی لا رہی ہیں جو ان کی بہتر حکمت عملی معلوم ہوتی ہے کو چاہیے کہ ایسے عوامی ایشوز پر تحریک چلانے کی ذمہ داری انہی کی زیادہ بنتی ہے کیونکہ یہ خود کو واحد ریاستی جماعت کہلواتے ہیں، افتخار فیروز جو عوامی مسائل پر اس وقت ایک ہیرو کا رول ادا کر رہے ہیں نے بہت کم وقت میں یہ بلند مرتبہ حاصل کیا کو چاہیے کہ وہ عوامی خدمت کو جاری وساری رکھیں عوام کے حقوق پر انہوں نے پہلے بھی سمجھوتہ نہیں کیا اسی وجہ سے آج 16 لاکھ لوگ ان کی کال پر لبیک کہتے ہیں ان کو سیاست کا حصہ نہیں بننا چاہیے کیونکہ وہ جو کام کر رہے ہیں یہ کام راجہ فاروق حیدر اور ان

کی ٹیم کو مل کر کرنا تھا لیکن وہ ناکام رہے ، بیوروکریسی کو چاہیے کہ افتخار فیروز جیسے مخلص عوامی نمائندوں کو سپورٹ کریں اور ایسے عناصر کو جڑ سے مٹا دیں جو عوام کا نام استعمال کر کہ ذاتی مفادات حاصل کر رہے ہوں پونچھ ڈویژن کے لوگوں کو پیغام دوں گا کہ اسی طرح جذباتی ہوئے بغیر مثالی بھائی چارے سے اپنے مسائل حل کروائیں کیونکہ سیاستدانوں نے آج تک ان کو کچھ نہیں دیا اس لیے عوامی مسائل کے حل کیلئے سیاست سے بالاتر ہو جائیں کشمیریوں کیلئے پیغام کے خطہ کشمیر کی ترقی میں اپنا اپنا کردار ادا کریں کیونکہ بھارتی مقبوضہ کشمیر میں بھی اب حالات بہتر ہو رہے ہیں، عوام کو سہولیات دی جا رہی ہیں، تمام کشمیریوں کو چاہیے کہ پونچھ کے باسیوں کی مانند یکجا ہو جائیں اور عوامی مسائل کے حل کیلئے سیاست و برادری ازم سے باہر نکل آئیں۔

حکومت پاکستان و آزاد کشمیر کے درمیان اختیارات کا تنازعہ اور (سی پی ڈی آر) کا کردار

اختیارات میں عدم توازن کا مسئلہ ہر دور میں، ہر ملک و ریاست میں رہا ہے اور انہی اختیارات کے تنازعات پر بے شمار قوموں میں اندرونی و بیرونی جنگیں بھی ہوتی رہی ہیں اور بڑی بڑی سلطنتیں بھی انہی اختیارات کے تنازعات کی وجہ سے الٹتی اور بنتی رہی ہیں۔ یہی تنازعات پوری دنیا کی طرح پاکستان و آزاد کشمیر میں بھی عام ہیں۔ گزشتہ کچھ سالوں سے کشمیریوں کی جانب سے ایک آواز بلند کی جارہی کہ کشمیریوں کے پاس اختیارات نہ ہونے کے برابر ہیں، لیکن ان اختیارات کا تفصیلی طور پر بہت کم لوگوں کو علم ہے کہ آزاد حکومت اور عوام کے کون کون سے حقوق پر قبضہ کیا گیا ہے۔ پاکستان اور آزاد کشمیر کے درمیان ہونے والے اختیارات کے تنازع کو سمجھنے کی ضرورت ہے کیونکہ آج ہر کشمیری یہ آواز اٹھا رہا ہے کہ ان کے حقوق غصب کیے جا رہے ہیں، ان کے اختیارات پاکستانی حکومت نے محدود کر رکھے ہیں۔

28 جون کو اسی تنازع پر مکالمہ کرنے کیلئے راولاکوٹ میں ایک کانفرنس کروائی گئی جس کا انعقاد ایک غیر سرکاری تنظیم سنٹرل فار پیس ڈویلپمنٹ اینڈ ریفارمز (سی پی ڈی آر) نے کیا تھا اس سے پہلے بھی تین کانفرنسز اسلام آباد، مظفرآباد اور میرپور میں منعقد کروائی گئیں۔ ان کانفرنسز میں سابق صدور،

وزراء اعظم، موجودہ وزراء اور اسمبلی ممبران، سابق ریٹائیرڈ ججز، بیورو کریٹس، سیاسی جماعتوں کے سربراہان وذمہ داران ، وکلائ، سول سوسائیٹی کے نمائیندگان، تجزیہ نگارو دیگر اہم شعبوں کے ایسے لوگ شامل ہیں جو معاشرے پر اثر انداز ہو سکتے ہیں ان میں ایک بڑی تعداد خواتین کی بھی شامل رہی ہے۔

سی پی ڈی آر) کی طرف سے منعقدہ چار میں سے دو کانفرنسز مظفرآباد اور راولاکوٹ) میں جانے کا موقع ملا گو کہ مظفرآباد میں تاخیر سے پہنچنے پر کانفرنس کی مکمل غرض و غائیت سے واقفیت نہ سکی تھی لیکن راولاکوٹ میں ہونے والی کانفرنس میں وہ کمی بھی پوری ہو گئی۔ ان کانفرنسز کے بعد آزاد جموں وکشمیر میں پاکستانی حکومت کے اختیارات کے حوالے سے جو مصدقہ معلومات پہنچی ہیں وہ مکمل دیانت داری سے قارئین تک پہنچانا صحافتی ذمہ داری کے ساتھ ساتھ ایک کشمیری ہونے کے ناطے اہم ذمہ داری ہے ۔حکومت پاکستان اور آزاد کشمیر حکومت کے مابین مروجہ آئینی ،مالیاتی اور انتظامی انتظامات کا جائیزہ کے نام سے سی پی ڈی آر کی کاوشوں سے پرنٹ شدہ مواداور کانفرنس میں شریک زعماء کی گفتگو سے جو معلومات ملی وہ مختصراََیہ ہیں ۔آزاد کشمیر حکومت کے تمام اختیارات پاکستان کی حکومت کے ہاتھ میں ہوتے ہیں یہاں تک کہ صدر و وزیر اعظم آزاد کشمیر کی تقرری بھی پاکستان کی حکومت کرتی ہے ،آزاد کشمیر

کا بجٹ بھی پاکستان کی طرف سے دیا جاتا ہے جس کو آزاد کشمیر کی اسمبلی رسمی بحث و مباحثے کے بعد منظور کر دیتی ہے ،یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ آزاد کشمیر حکومت کو کنٹرول کرنے کیلئے کشمیر کونسل قائم کی گئی جس کا سربراہ پاکستانی آئین کے مطابق وزیر اعظم پاکستان ہوتا ہے ،آزاد کشمیر کے دفاع ،سکیورٹی ،کرنسی اور خارجہ امور کا کنٹرول بھی پاکستانی حکومت کے پاس ہے 74ء میں جو ایکٹ پاس کیا گیا (یہ ایک الگ موضوع ہے کہ یہ ایکٹ کیسے منظور کروایا گیا اور اس میں کس کا کتنا کردار تھا) 74ء کا ایکٹ منظور کروا کر آزاد کشمیر حکومت کو لونڈھی کی مانند بنا دیا گیا ،اس ایکٹ کے تحت 52 مختلف شعبوں میں آزاد جموں و کشمیر کی حکومت سے اختیارات لے کر آزاد جموں و کشمیر کونسل کو دے دیئے گئے ان اختیارات میں ہائی کورٹ و سپریم کورٹ کے ججز کا تقرر جیسا اہم اختیار بھی شامل ہے ان کے علاوہ اس منحوس ایکٹ میں آزاد کشمیر سے بجلی و پانی پیدا کرنے کے اختیارات ،سیاحت ،آبادی کی منصوبہ بندی ،بینکنگ انشورنس ،سٹاک ایکسچینج اور مستقبل کی منڈیاں ،تجارتی ادارے ،ٹیلی مواصلات ،،معاشی ربط کیلئے منصوبہ بندی ہائی ویز ،کان کنی ،تیل و گیس ،صنعتوں کی ترقی اور اخبارات کی اشاعت کا اجازت نامہ ، بھی پاکستانی ادارے کشمیر کونسل سے لینا بھی لازم و ملزوم قرار دیا گیا ہے ۔حکومت پاکستان نے آزاد کشمیر حکومت کے اختیارات یہاں تک ہی محدود نہیں کر رکھے بلکہ آزاد حکومت ریاست جموں و کشمیر حکومت کی آمدنی کے بڑے ذرائع انکم ٹیکس سمیت دیگر بہت سے ٹیکس جمع کرنے کا اختیار

بھی پاکستانی ادارے کشمیر کونسل کو حاصل ہوگیا۔اس کے علاوہ سپریم کورٹ وہائی کورٹ کے ججز کا تقرر, چیف الیکشن کمشنراور آڈیٹر جنرل کی تقرری کے اختیارات بھی چیئرمین کشمیر کونسل (وزیر اعظم پاکستان) کو دے دیا گیا۔اس لیے تمام بنیادی اختیارات پاکستانی (کشمیر کونسل) کو سونپ دیئے گئے جس سے آزاد جموں وکشمیر کی اندرونی خودمختاری اور حیثیت تقریباً ختم ہو کر رہ گئی ہے۔

جس ادارے نے ان اختیارات اور تنازعات کے حل کے حوالے سے کاوشیں شروع کی ہوئی ہیں اس ادارے کا مختصراً تعارف کروا دینا بھی ضروری ہے، سی پی ڈی آر ایک غیر سرکاری، غیر سیاسی، غیر منافع بخش، مقامی سول سوسائیٹی کی تنظیم (CPDR) ہے جس کا مقصد امن، مکالمے اور مفاہمت کے ذریعے تنازعات کا حل، معاشی ومعاشرتی ترقی اور ضروری اصلاحات کو فروغ دینا ہے۔سی ڈی آر پی قیام 2010ء میں سوسائٹیز ,برائے 1860) تحت عمل حکومت سے منظور شدہ XXI ایکٹ.برائے 1860 ء (ایکٹ ہے، یہ تنظیم مخصوص، میمورنڈم آف ایسوسی ایشن کی حامل ہے۔ سی پی ڈی آر کے زیر اہتمام راولاکوٹ میں جو مکالمہ کیا گیا اس میں یہ مطالبات کہ کشمیر کونسل و وزارت امور کشمیر کو فی الفور ختم کیا جائے، پاکستان میں مقیم مہاجرین کیلئے مختص نشستوں اور ملازمتوں میں کوٹہ ختم کیا جائے، فوری طور پر ایکٹ 74ء میں ضروری ترامیم کی جائیں ججز کے تقرر کا اختیار آزاد،

حکومت کو دیا جائے، آزاد کشمیر کی معیشت کو اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے کیلئے منگلا، نیلم جہلم، دیامر سمیت دیگر پراجیکٹس کی ملکیت، بینکنگ سیکٹر سمیت ریوینیو کے تمام ذرائع آزاد حکومت کے حوالے کیے جائیں، کشمیریوں کے ٹیکس سے اسلام آباد میں سینکڑوں گھر اور سرکاری دفاتر بنانا آئین کے منافی ہے ایسے اقدامات کے خلاف آزاد حکومت قانونی کاروائی کیلئے علیٰ عدلیہ کے پاس جائے، آزاد کشمیر میں ججوں کی تقرری کیلئے جوڈیشل کمیشن کی تشکیل کی جائے، لینٹ آفیسران کو کم کیا جائے اور ان کے اختیارات محدود کیے جائیں، آزاد حکومت قانون ساز اسمبلی کو مکمل بااختیار کیا جائے، کشمیر کونسل کے چیئرمین کا انتخاب ووٹنگ سے کیا جائے اور کونسل کا مرکزی سیکریٹریٹ مظفرآباد میں بنایا جائے مکالمہ میں بتایا گیا کہ پاکستان کا آئین اس بات کی اجازات نہیں دیتا کہ حکومت پاکستان، کشمیریوں پر زبردستی حکمرانی کرے، آزاد کشمیر میں سیاسی لیڈرشپ کو آئین و قانون سازی کرنے کیلئے بنیادی تربیت مہیا کی جائے۔

سی پی ڈی آر کے زیر اہتمام کانفرنسز میں آزاد کشمیر کی سیاسی قیادت، وکلاء برادری سول سوسائیٹی نے متفقہ طور پر موجودہ نافذ العمل آئین 74ء میں بنیادی تبدیلیاں، کرکے آزاد کشمیر حکومت کو ایک بااختیار حکومت بنانے کا مطالبہ کیا ہے تاکہ آزاد حکومت آزادی کے ساتھ ساتھ اپنا حکومتی نظام بہتر

طریقے سے چلاسکے ،آزاد کشمیر کونسل اور وزارت امور کشمیر کے موجودہ انتظامی اختیارات کو ختم کیا جائے اور ان اختیارات کو صرف اس حد تک رکھا جائے اس کے ذریعے دونوں کے درمیان رابطہ کا بہتر طریقہ موجود ہو، آزاد الیکشن کمیشن کی تشکیل کے ساتھ پاکستان میں مقیم کشمیریوں کی سیٹوں میں واضح کمی کی جائے کیونکہ حکومت پاکستان مہاجرین کی ان سیٹوں کی وجہ سے آزاد کشمیر کی حکومت پر ڈائیریکٹ اثر انداز ہو تی ہے۔غیر سرکاری تنظیم سنٹر فار پیس ڈویلپمنٹ اینڈ یفارمز (سی پی ڈی آر)کے زیر اہتمام آزاد جموں و کشمیر و پاکستان کی حکومتوں کے مابین آئینی ،مالیاتی اور انتظامی انتظامات کے موضوع پر شائع کردہ رپورٹ پر راولاکوٹ میں منعقدہ مکالمہ سے خطاب کرتے ہوئے جسٹس (ر) بشارت شیخ نے کہا کہ ایکٹ 74ء میں فوری طور پر بنیادی ترامیم کی جائیں کیونکہ یہ ایکٹ آزاد کشمیر کے شہریوں کے حقوق غصب کرنے کا باعث بن رہا ہے ،یہ ایکٹ ایک غیر جمہوری و غیر شفاف نظام حکومت قائم کیے ہوئے ہے انہوں نے کہا کہ کشمیر کونسل کے ذریعے اسمبلی ممبران کے ہاتھ باندھ دیئے گئے ہیں آخر کب تک کشمیری اسمبلی ممبران اور عوام پائی پائی کیلئے محتاج رہیں گے انہوں نے کہا کشمیر کونسل کے اختیارات محض آزاد کشمیر و پاکستان کے مابین رابطہ کار کے ہونا چاہیے کانفرنس سے چیئرمین (سی پی ڈی آر) طارق مسعود نے ان کانفرنسز کے مقاصد بیان کرتے ہوئے کہا کہ آزاد کشمیر میں گڈ گورننس کیلئے ماحول کو سازگار کرنا ہم سب کی ذمہ داری ہے کیونکہ جب تک آزاد کشمیر میں

گڈ گورننس نہیں ہو گی تب تک آزاد کشمیر کے دیگر حصوں تک ہماری رسائی ممکن نہ ہو گی انہوں نے کہا کہ آزاد کشمیر میں میرٹ کی پامالی عام ہوچکی ہے فنانس ،ہیلتھ سمیت دیگر بیشتر منسٹریوں میں چپڑاسی کی بھرتی کرنے کیلئے بھی کشمیر کونسل والوں کی منتیں کرنی پڑتی ہیں انہوں نے کہا کہ آزاد کشمیر کے آئین و قانون کی کوئی وقعت نہیں ہے اس صورت حال سے نکلنے کیلئے میڈیا،وکلاء اور سول سوسائیٹی کو مشترکہ طور پر جدوجہد کرنے کی ضرورت ہے اسی جدوجہد کیلئے یہ پلیٹ فارم (سی پی ڈی آر) بنایا گیا ہے

ذولفقار احمد عباسی صدر (سی پی ڈی آر) نے آزاد کشمیر کی معیشت کو فوکس کرتے ہوئے کہا کہ اگلے پانچ برسوں میں لاکھوں مزید نوجوان فارغ التحصیل ہو جائیں گے ان کو روزگار مہیا کرنے کیلئے کسی بھی سابقہ و موجودہ حکومتوں یا سیاسی جماعتوں کے پاس منصوبہ بندی موجود نہیں ہے انہوں نے کہا کہ سابقہ و موجودہ حکومتوں کی غلط پالیسوں کی وجہ سے صرف میرپور ریں ہی سینکڑوں صنعتی یونٹس بند ہو چکے ہیں انہوں نے آزاد کشمیر میں قائم قومی بنکوں پر سخت تنقید کرتے ہوئے کہا کہ یہ بنک آزاد کشمیر سے صرف بھاری زرمبادلہ حاصل کرتے ہیں لیکن آزاد کشمیر کے شہریوں کو ایک لاکھ روپے تک قرض بھی آسان شرائط پر نہیں دیا جاتا کیونکہ ان کے پاس بہانہ ہوتا ہے کہ آزاد کشمیر کے شہریوں کو قرض دینے کیلئے انہیں قانونی پیچیدگی کا سامنا ہے انہوں نے کہا کہ آزاد کشمیر سے حاصل ہونے والے زرمبادلہ جس میں قدرتی وسائل اور بیرون ملک موجود کشمیریوں کا بھاری

زر مبادلہ شامل ہے کا ایک بڑا حصہ کشمیریوں کی سہولت کیلئے رکھا جائے ایگزیکٹو ڈائیریکٹر (سی پی ڈی آر) ارشاد محمود نے کہا کہ ہم نے آزاد کشمیر کے تینوں ڈویژن سمیت اسلام آباد میں کانفرنسز کروا کر جائیزہ لیا ہے جس سے ہمیں اندازہ ہوا ہے کہ آزاد کشمیر میں مکمل اتفاق رائے پیدا ہو چکا ہے کہ اب تک آزاد کشمیر میں اچھی حق حکمرانی قائم نہیں کی جا سکی اور 74ء کے ایکٹ کے بعد اب اس میں عوامی تعاون سے اسمبلی ممبران کو بڑے پیمانے پر ترامیم کرنا ضروری ہو چکا ہے انہوں نے کہا کہ عوام اپنے نمائندوں کی کارکردگی سے مایوس ہو چکے ہیں اسی لیے (سی پی ڈی آر) نے عوام بلخصوص سول سوسائیٹی میں اہم کردار ادا کرنے والوں سے رابطے کیے ہیں جبکہ سیاستدانوں، سابقہ حکومتی، بیوروکریسٹس و عدلیہ کے ذمہ داروں کو بھی رائے دہی میں مکمل شامل کیا گیا ہے تاکہ مل کر اتفاق سے کوششیں کی جائیں انہوں نے کہا کہ پاکستان میں میڈیا اور عدالتیں آزاد ہو گئیں آئین ہیں ترامیم کے ذریعے صوبوں نے اپنا اپنا حق لے لیا جبکہ ہمارے ہاں المیہ ہے کہ کسی نے توجہ تک نہ دی انہوں نے کہا کہ ہم اپنی حدود میں رہتے ہوئے کام کر رہے ہیں اگلے مرحلوں میں آزاد کشمیر کے اسمبلی ممبران سمیت پاکستان و آزاد کشمیر میں اثر انداز ہونے والے اہم عناصر سے ملاقات کی جائی گی اور اس پلیٹ فارم سے انہیں تجاویز دی جائیں گیانہوں نے کہا کہ ہم خود آئین میں ترامیم کرنے کا حق نہیں رکھتے لیکن اسمبلی ممبران کی مناسب تربیت سازی کے ذریعے ان سے آئین میں ضروری تبدیلاں

کروائی جاسکتی ہیں انہوں نے کہا کہ دنیا بھر میں مہذب قوموں کی بہتری کیلئے مختلف این جی اوز عوامی رائے لیتے ہوئے قانون سازی کروانے میں مددگار ثابت ہوتی ہیں اسی طرز پر ہم بھی سول سوسائیٹی کے ساتھ مل کر کراس پارٹی کی صورت مین اپنا کردار ادا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں جس کیلئے ہمیں عوام و سول سوسائیٹی کے مکمل ساتھ کی ضرورت ہے۔سابق وزیر حکومت و آزاد کشمیر مسلم لیگ ن کے مرکزی نائب صدر طاہر انور خان نے کہا کہ کشمیر کونسل کے ممبران کے انتخاب کا طریقہ کار انتہائی غیر مناسب ہے اس کونسل میں لوگ بھاری رقوم خرچ کر کہ ممبر بنتے ہیں اور ممبر بننے کے بعد اپنے مفادات حاصل کرتے ہیں انہوں نے کشمیر کونسل کے چیئرمین کیلئے ووٹنگ کے طریقہ کار کو اپنانے کو کہا انہوں نے کہا کہ غیر سنجیدہ اور ان پڑھ لوگوں کے بجائے کشمیر کونسل کے ممبران کیلئے کشمیری ہونے کے ساتھ ساتھ ٹاپ کلاس لیڈرشپ کو یہاں پر لانے کا کہا انہوں نے کہا کہ پہلے صرف منی لانڈرنگ کی کسی سامنے آتے تھے اب واٹر لانڈرنگ بھی ہو رہی ہے ،انہوں نے کہا کہ اسلام آباد میں بیٹھے کلرک ہمارے اسمبلی ممبران کے ناخدا بنے ہوئے ہیں جو ہم ارے لیے شرم کا مقام ہونا چاہیے ،انہوں نے کہا کہ جب ہم کشمیری خود ٹھیک ہو جائیں گے تب سب ہی سب کچھ ٹھیک ہو سکتا ہے سابق چیئرمین جموں کشمیر لبریشن فرنٹ سردار صغیر خان نے کہا کہ ایکٹ 74 ئمیں، کشمیریوں کو ان کے بنیادی حقوق سے محروم کیا گیا انہوں نے کہا کہ آزاد کشمیر اسمبلی کے الیکشن لڑنے کیلئے الحاق پاکستان کی شق پر

دستخط لازمی قرار دیئے گئے ہیں جو کشمیریوں کے ساتھ ظلم و ناانصافی ہے انہوں نے مطالبہ کیا کہ 4 اکتوبر 1947ء کو قائم کی گئی انقلابی حکومت کو بحال کیا جائے۔ مسلم کانفرنس کے ڈویژنل صدر ڈاکٹر حلیم خان نے کہا کہ آزاد کشمیر اسمبلی مضبوط کرنے کیلئے اقدامات کیے جائیں انہوں نے مطالبہ کیا کہ الیکشن کمیشن کے تقرر کا اختیار آزاد حکومت کو دیا جائے انہوں نے کشمیریوں کی منزل پاکستان کو قرار دیا اور کہا کہ ہم کسی بھی صورت پاکستان سے الگ نہیں ہو سکتے، سابق مشیر حکومت و پی پی پی پونچھ کے ضلعی صدر عظیم ایڈووکیٹ نے کہا کہ (سی پی ڈی آر) نے یہ ایک اہم قدم اٹھایا ہے ہم حکومت میں ہوتے ہوئے بھی ان کے اقدامات کی مکمل تائید کرتے ہیں کیونکہ حقیقت کو جھٹلایا نہیں جا سکتا انہوں نے کہا کہ کشمیر کونسل کی موجودہ ہیت کو دیکھتے ہوئے خود بھی شرم محسوس ہوتی ہے تاہم کرنسی، داخلہ و خارجہ کا کنٹرول وفاق کے پاس ہونا ضروری ہے جے کے پی این پی کے رہنماء سردار شمشاد ایڈووکیٹ نے کہا کہ ملک کے اندر کرپشن و لاقانونیت کینسر کی طرح سرایت کر چکے ہیں اب انقلاب ہی ایک واحد راستہ ہے جو تبدیلی لا سکتا ہے انہوں نے کہا کہ آزاد کشمیر میں لیڈر شپ کبھی نظر ہی نہیں آئی یہ سب لوگ تنخواہ دار ہیں، حبیب حسین شاہ ایڈووکیٹ نے کہا کہ آج ایسے لوگ تبدیلی کی بات کرتے ہیں جو کل تک اقتدار کے مزے لوٹتے رہیں ہیں انہوں نے کہا کہ ووٹ کا حق دلانے کیلئے ماریں کھا کر جیلیں ہم جاتے رہے لیکن آج اس کا کریڈٹ اور لوگ لے رہے ہیں، قوم پرست

طالب علم رہنماء قیصر خان نے کہا کہ ہم کشمیریوں کو اپنی پہچان مقبول بٹ کے وارث کے طور پر کروانی چاہیے انہوں نے سی پی آر ڈی سے مطالبہ کیا کہ جن تنظیموں کو یو این او نے بلیک لسٹ کر رکھا ہے ان کو آزاد کشمیر کے اندر کام کرنے سے روکنے کیلئے بھی اقدامات کیے جائیں اس موقع پر سابق بانی چیئرمین پی ڈی اے سردار عبدالخالق ایڈووکیٹ ، معروف تجزیہ نگار اعجاز صدیقی ، قوم پرست رہنماء قدیر خان، منیر قریشی،کاشان مسعود، ڈاکٹر ظفر حسین ظفر، وقاص کھوسہ اور دیگر نے خطاب کیا۔
سی پی ڈی آر جیسی غیر سرکاری تنظیم کا آزاد کشمیر و پاکستان کے درمیان آپسی معاملات میں اس حد تک دلچسپی لینا اور اس کیلئے مخلصانہ کوششیں قابل تعریف ہے حکومت پاکستان کو چاہیے کہ کشمیریوں کو ان کے تمام جائز حقوق دینے کیلئے حکمت عملی وضع کرے اور آزاد جموں و کشمیر کونسل کو دیئے گئے قانون سازی ،انتظامی امور اور ٹیکس عائد کرنے کے جملہ اختیارات آزاد حکومت کو دیئے جائیں تاکہ آزاد کشمیر کے عوام اپنے تمام تر حقوق وسائل کا بہتر استعمال کرتے ہوئے اپنی ریاست جموں و کشمیر کیلئے خود فیصلے کرتے ہوئے ترقی کر سکیں۔ سی پی ڈی آر کے منتظمین کو بھی چاہیے اپنی پالیسیوں پر برقرار رہتے ہوئے وسیع تر بنیادوں پر مخلصانہ کام کیا جائے اسطرح کام کرنے سے انہیں سول سوسائٹی سے بہت سپورٹ ملے گی اور ریاست بھر سے نیا ٹیلنٹ سامنے آنے میں

مدد مل سکے گی۔

جموں کشمیر یوتھ کانفرنس کا احوال اور سول سوسائیٹی کا دنیا میں کردار

ملکوں و ریاستوں کا نظام حکومت چلانے میں مدد اور عوامی سوچ و ضروریات کو حکومتوں کے بالا دست ایوانوں تک پہنچانے کیلئے سول سوسائیٹی کا متحرک ہونا ہمیشہ سے اہمیت کا حامل رہا ہے۔ سول سوسائیٹی کہ یہی نمائیندگان اپنے مطالبات و سوچ وفکر کو حکومتی مشینری چلانے والوں تک پہنچانے کا اہتمام کرتے ہیں اور اکثر اوقات مشاہدے میں بھی آیا ہے کہ یہی سوسائیٹیز ایک پر امن جدو جہد کے بعد اپنے مقاصد حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں ۔جس کی واضح مثال فلسطین،ترکی ، مصر ودیگر کئی عرب ممالک کی موجودہ اسلامی نظریہ و فکر رکھنے والی حکومتوں کا قائم ہونا ہے۔
ریاست جموں کشمیر کی متنازعہ حیثیت سے کسی کو انکار نہیں اور اقوام متحدہ کی قراردادیں پوری دنیاکے سامنے موجود ہیں جن میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ کشمیر ایک متنازعہ حیثیت کی حامل ریاست ہے اس کے مستقبل کا فیصلہ کشمیریوں کو ہی حق رائے دہی کے ذریعے کرنے کا اختیار ہونا چاہیے جبکہ پاکستان اور بھارت کے ذمہ یہ اہم کام لگایا گیا کہ دونوں طرف ایسا سازگار ماحول پیدا کیا جائے کہ جس میں ریاست بھر کے باسی آزادی سے اپنا حق رائے دہی استعمال کر سکیں اور اپنے مستقبل کا فیصلہ خود کر سکیں اس کیلئے ہر گز یہ شرائط نہیں رکھی گئیں تھی کہ ریاست بھر کے باسی پاکستان یا بھارت سے

اپنا الحاق کریں بلکہ یہ اختیار کشمیریوں کو دیا گیا کہ وہ آزاد ریاست کے طور پر رہنا چاہیں یا کسی دوسرے ملک سے الحاق کرنا چاہیں۔ لیکن کشمیریوں کی آج تک بد بختی کہیں یا بد قسمتی کہ نا ہی ان کیلئے بھارت آزادی حق رائے دہی کا سازگار ماحول پیدا کر سکا اور نا ہی پاکستان ان کو اقوام متحدہ کی قرار دادوں کے مطابق وہ ماحول میسر کروا سکا۔ دونوں طرف کی کشمیری قیادت پر زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ انہوں نے ریاست بھر کے باسیوں کیلئے آزادی حق رائے دہی کا جو ماحول میسر کروانا تھا وہ انہوں نے ریاست کے موجودہ چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کے حصول اقتدار کیلئے پس پشت ڈال دیا اور آج حالت یہ ہے کہ ایک طرف بھارتی مقبوضہ کشمیر (ویلی، جموں، لداخ) میں نہتے کشمیریوں 7 لاکھ سے زائد فوج مسلط کر کہ ظلم و ستم و بربریت کی داستانیں دن بدن بڑھتی ہی جا رہی ہیں جبکہ دوسری جانب ملک اسلامی جمہوریہ پاکستان کے حکمرانوں کی بھی اقوام متحدہ نے ذمہ داری لگائی تھی کہ ریاست کشمیر میں بسنے والوں کیلئے آزادی حق رائے دہی کا ماحول سازگار کیا جائے، یہاں وہ سازگار حالات تو آج تک نہ بنائے جا سکے لیکن اتنا ضرور ہوا کہ پاکستان نے کشمیریوں کیلئے بارہا جدوجہد کی جس کو عملی شکل مختلف جنگوں میں شریک ہو کر اپنے لاکھوں جوان شہید کروانا بھی شامل ہے، پاکستان کے زیر کنٹرول آزاد کشمیر میں بسنے والے کشمیریوں کو اپنی مرضی سے جینے کا حق نہیں چھینا گیا۔ 47ئ کے بعد آزاد کشمیر میں جو حکومت قائم کی گئی اس کے اختیارات کو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ

محدود تر کر دیا گیا بلکہ ریاست کو کہیں اور حصوں میں تقسیم کر دیا گیا جس کی واضح مثال چین کو کشمیر کا ایک بڑھا حصہ تحفہ کے طور پر دینا، کشمیر کے ایک بڑے حصہ گلگت بلتستان کو صوبائی شکل دے دینا بھی ہے۔ پاکستانی زیر کنٹرول آزاد کشمیر حکومت کے اختیارات کو اس حد تک محدود کر دیا گیا ہے کہ کشمیر کونسل جو پاکستانی حکومت کے کنٹرول میں ہوتی ہے کو وہ سب اختیارات دے دیئے گئے جو ریاست کے اس حصے پر حکومت کرنے والے منتخب لوگوں کے پاس ہونے چاہیے تھے۔ یوں اقوام متحدہ کی قراردادوں کے ذریعے کشمیریوں کو جو حق رائے دہی کے ذریعے اپنے مستقبل کا جو فیصلہ کرنا تھا وہ تو درکنار یہاں ریاست کے مختلف حصوں میں موجود منتخب حکومتوں میں اختیارات کی نئی بحث چھڑ گئی ہے۔ آج ریاست بھر میں موجود لوگ سوال پوچھتے ہیں کہ ان کا حق رائے دہی کا اختیار کس نے اور کیوں چھینا ہے، آج اختیارات کی بات ہو رہی ہے کہ جو حکومتیں قائم ہیں ان کے پاس اختیارات کیا کیا ہیں، ایک طرف سوال اٹھایا جا رہا ہے کہ ریاست کشمیر جو جموں، ویلی، لداخ، سیاچن، گلگت بلتستان اور پاکستانی زیر کنٹرول آزاد کشمیر پر مشتمل ہے کو یکجا کیے جانے کے بجائے سب میں الگ الگ نظام حکومت قائم ہیں ریاست کشمیر کے یہ باسی ایک دوسرے سے الگ ہیں، آج گلگت بلتستان کے باسی اپنے آپ کو کشمیری قرار دینے سے ججھکتے محسوس ہوتے ہیں اس سب کی وجہ غالباً یہ بھی ہے کہ آزاد کشمیر میں جو بھی حکومتیں قائم کی گئی انہوں نے کبھی گلگت بلتستان کو اپنا حصہ سمجھا ہی نہیں جس کا نتیجہ یہ نکلا

کہ وہاں کے باسی ہم سے دور ہو گئے ہیں۔

ان تمام حالات میں جب اقوام متحدہ کی قراردادیں پست پشت ڈال دی گئی ہیں ایسے وقت میں اگر کوئی امید کی کرن نظر آتی ہے تو وہ سول سوسائیٹی، غیر سیاسی تنظیموں اوراین جی اوز کا ہے جو ان حکومتوں میں آپسی اختیارات کو متوازن کرنے کیلئے کیے جانے والے عملی اقدامات کر رہے ہیں اور عوام میں شعور پیدا کرنے کی جدوجہد کر رہے ہیں۔ گزشتہ ماہ ایک غیر سیاسی تنظیم (سی پی آر ڈی) کے زیر اہتمام حکومت پاکستان اور آزاد جموں کشمیر کے مابین مروجہ آئینی، مالیاتی اور انتظامی انتظامات کے حوالے سے مکالمہ کروایا گیا جس نے بھرپور پذیرائی حاصل کی اس کے کچھ ہی دن بعد ''جموں کشمیر یوتھ کشمیر کانفرنس'' کے نام سے ایک غیر سیاسی تنظیم جس کو بنے کچھ ہی عرصہ ہوا ہے اس تنظیم میں ریاست کشمیر کے ایسے پڑھے لکھے نوجوانوں کو لیا جاتا ہے جن کا تعلق خواہ کسی بھی مکتبہ فکر یا نظریہ سے ہو لیکن مجموعی طور پر وہ مثبت سوچ کے حامل ہوں۔ ان پلیٹ فارم سے ایک پروگرام راولپنڈی میں کروایا گیا جس میں راولپنڈی اسلام آباد کے کالجز اور یونیورسٹیز میں زیر تعلیم ایسے کشمیری طلباء کو شامل کیا گیا جو طلباء جماعتوں کے ساتھ منسلک رہے ہوں یا سول سوسائیٹی میں مثبت کردار ادا کر رہے ہوں، پہلی کانفرنس بہت حد تک کامیاب رہی مختلف نظریات کے حامل طلبہ کو ایک پلیٹ فارم پر بیٹھ کر بڑے مقصد کیلئے

یکجا ہونے کا موقع ملا، دوسری کانفرنس گزشتہ دنوں راولاکوٹ میں منعقد کروائی گئی جس کا موضوع'' 24اکتوبر1947ء کی قرار دار تھا'' اس کانفرنس میں تمام طلبہ تنظیموں کو نمائندگی کیلئے مدعو کیا گیا اور تقریباً ہر مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے طلبہ رہنماؤں جن میں بلال شکیل خان، قیصر خان، غزالی خان سکندر، عمیر افراز، شاہد گلگتی (گلگت) ، محفوظ انقلابی (جموں)، ناصر سرور، ساجد صادق، سبطین، احسن اسحٰق، راشد بخاری، طلحہ خان، دانش ریاض، سبغتہ اللہ، بلال اختر، فیصل افسر، انیس کاشر، ارباز ایڈووکیٹ، اسرار لحق، تابی تاثیر، ثاقب سعید، فیضان اعجاز، عدنان ریاض اور صدام نسیم شریک تھے۔ کانفرنس میں گلگت بلتستان، جموں سمیت آزاد کشمیر ریاست بھر کو نوجوانوں نے خصوصی شرکت کی۔

اس کانفرنس کا مشترکہ اعلامیہ ایک قرار داد کو متفقہ طور پر منظور کرنے کے بعد جاری کیا گیا کہ ریاست جموں و کشمیر کی مکمل آزادی کے لئے سیاسی، سفارتی جدوجہد کے ساتھ ساتھ اگر کسی وقت عسکری جدوجہد کی بھی ضرورت پڑی تو اس سے بھی گریز نہیں کیا جائے گا۔ تقسیم کشمیر کو کسی بھی صورت میں قبول نہ کرنے کا عہد کرنے کے ساتھ تحریک آزادی کشمیر کی مکمل حمایت کرتے ہوئے اسے انٹرنیشنل سطح پر اجاگر کرنے کے لئے جدوجہد کرنے کا اعلان کیا گیا۔ کانفرنس میں کشمیریوں کو حق رائے شماری کا اختیار دیئے جانے کے بھرپور

مطالبہ کے ساتھ 24 اکتوبر 1947ء کے اعلامیہ کی روح سے آزاد کشمیر کی حکومت کو چلائے جانے کا مطالبہ بھی کیا گیا۔ ریاست بھر میں نافذ تمام ایسے کالے قوانین جن سے کشمیریوں کا تشخص متاثر ہو ایسے قوانین کی بھرپور مذمت کرتے ہوئے ریاست بھر میں قید تمام سیاسی قیدیوں کی فوری رہائی کا مطالبہ کرنا شامل ہے۔

کانفرنس میں سوال اٹھایا گیا کہ 24 اکتوبر 1947ء کو قائم کی گئی حکومت مسلم کانفرنس کی تھی اس لئے اس وقت 23 فیصد سے زائد غیر مسلم کشمیری اس حکومت میں شامل بھی نہیں تھے تب کی اس حکومت کو ریاست کشمیر کی نمائندہ حکومت کیسے مانا جا سکتا ہے۔ کانفرنس میں اس بات پر زور دیا گیا کہ ریاست کشمیر (گلگت بلتستان، لداخ، ویلی، جموں اور موجودہ آزاد کشمیر) کے عوام کو ایک متفقہ نقطہ پر راضی کرنا ہو گا اس کے لئے ریاست بھر کے نوجوانوں کو جدوجہد کرنے کا کہا گیا۔ کانفرنس میں کہا گیا کہ پاکستان کے آئین میں یہ شق شامل ہے کہ آزاد کشمیر ایک متنازعہ علاقہ ہے اس لئے اس کی حیثیت اقوام متحدہ کی قراردادوں کے ذریعے ہی مرتب ہو سکتی ہے۔ کانفرنس میں مطالبہ کیا گیا کہ آزاد کشمیر حکومت کے 74ء کے آئین میں وسیع پیمانے پر تبدیلیاں کرکے کشمیر کے تشخص کو برقرار رکھا جائے۔ کانفرنس میں آزاد کشمیر کے نصاب میں تبدیلی لاکر اصل تاریخی حقائق کو سامنے لانے کا مطالبہ بھی کیا گیا۔ کانفرنس کے

شرکاء نے آزاد کشمیر سے چیف سیکرٹری اور لینٹ آفیسران اور جی او سی مری کے اختیارات پر سخت تحفظات کا اظہار بھی کیا گیا۔

کانفرنس میں تمام شرکاء کو متعلقہ موضوع پر گفتگو کرنے کا موقع تو دیا گیا لیکن مقررین کی ایک بڑی تعداد نے اس غیر سیاسی تنظیم کے پلیٹ فارم سے ذاتی نظریات کا کھل کر پرچار کرنے کے ساتھ ساتھ رئیس الاحرار چوہدری غلام عباس، غازی ملت ابراہیم خان جیسی قدآور شخصیات کو بھی اخلاقی اقدار کا خیال کیے بغیر ان کے خلاف توہین آمیز الفاظ کا بے دریغ استعمال کیا گیا جو کسی بھی طرح درست نہیں گو کہ اختلاف رائے کا حق سب کے پاس ہوتا ہے لیکن ایسی سنجیدہ علمی محفلوں میں اخلاقیات کے دائرے میں رہ کر گفتگو کرنا سب کو سیکھنا ہوگا دوسرا یہ کہ جس موضوع پر گفتگو کیلئے بلایا جائے اسی پر سیر حاصل گفتگو کرنا ہی بہتر ہوتا ہے نا کہ اپنی سیاسی بلاغت کو دکھانے کیلئے زیادہ وقت لیا جانا چاہیے۔ خیر کانفرنس ایک منفرد حیثیت کی حامل تھی، منتظمین نے کمال مہارت سے تمام مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والوں کی گفتگو سنی اور اسے اختتام تک پہنچایا۔ ایسی کانفرنسز اور ایسے پلیٹ فارمز کی ریاست بھر کے کشمیریوں کو سخت ضرورت ہے تاکہ مل بیٹھ کر مسائل کا حل نکالا جاسکے۔ یہاں پر کانفرنس منتظمین کو مبارکباد کے ساتھ ساتھ ایک مشورہ بھی دوں گا کہ سب سے پہلے اپنی منزل کا تعین کرتے ہوئے اپنے اس پلیٹ فارم میں اصل غیر سیاسی لوگوں کو شامل

کریں اور ان کو زیادہ ذمہ داریاں دیں کیونکہ آپ میں سے اکثر لوگ اپنی سیاسی پارٹیوں کے ساتھ بہت زیادہ منسلک ہیں اور اس میں بھی دو رائے نہیں کہ آپ تمام لوگ ایک حد سے زیادہ غیر سیاسی نہیں ہو سکتے اور کانفرنس میں شریک بہت سے لوگ منتظمین کے اپنے سیاسی تعلق پر گہری نظر رکھے ہوئے ہوتے ہیں، اس لیے ضروری ہے کہ اپنے ساتھ ایسے غیر سیاسی قابل لوگوں کو شامل کریں جن کی سرپرستی میں اپنی منزل تک پہنچنے کی جدوجہد کر سکیں وگرنہ ایک مخصوص حد سے آگے نکلنا مشکل ہوتا ہوا نظر آتا ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ جن لوگوں نے ''جموں کشمیر یوتھ کانفرنس کی بنیاد ڈالی ان کا ریاست کشمیر کیلئے یہ ایک اہم اقدام ہے، اس طرح کا تاریخی قدم اٹھا'' کر انہوں نے ایک تاریخ رقم کی ہے لیکن جونہی اس پلیٹ فارم کو ذاتی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی کوشش کی گئی تو اس کا فائدے سے زیادہ نقصان بھی ہو سکتا ہے اس لیے اغیاروں کے اس دیس میں پھونک پھونک کر قدم رکھنے کی ضرورت ہے۔ منتظمین نے اس پلیٹ فارم کو مخلصانہ طور پر شروع کیا تو ان کے ساتھ دیگر مخلص لوگ کود بخود شامل ہوتے ہی جائیں گے لیکن یہ بھی یاد رکھنا ہوگا کہ وقت کے ساتھ ساتھ حکمت عملی میں تبدیلی لانا بھی ضروری ہوتی ہے کیونکہ ریاست جموں کشمیر کو یکجا کرنے کیلئے اور کشمیریوں کے تشخص کو بحال کرنے کیلئے ان غیر سیاسی تنظیموں کے ذریعے چھوٹے چھوٹے وقتی مفادات سے چھٹکارا حاصل کرنا ضروری ہے تاکہ اصل بڑے مقاصد کو سول سوسائیٹی کی معاونت سے پایہ تکمیل تک پہنچانے کیلئے جدوجہد کی

جائے۔

نوجوانوں کو مثبت تبدیلی لانا ہو گی

ہمارا قومی شناخت کارڈ ہماری شناخت کو اسلامی جمہوریہ پاکستان کا شہری ہوناظاہر کرتا ہے اسلامی جمہوریہ پاکستان یعنی اسلامی سلطنت ۔اس نام سے تو یہ تاثر ملتا ہے کہ اس ملک میں اسلامی نظام رائج ہو گا جہاں عدل و انصاف و مساوات کا بول بالا ہو گا۔ لیکن اگر حقیقت پر غور کیا جائے تو ہمیں یہ تسلیم کرناپڑتا ہے کہ اس ملک کو صرف نام کا اسلامی ملک بنادیا گیا ہے باقی اس میں حقیقی اسلامی نظام کہیں دور دور تک نظر نہیں آتا۔ خود کو اسلامی جمہوریہ قرار دینے والے اس ملک میں موجودہ وقت کی ہر معاشرتی و اخلاقی برائی پائی جاتی ہے ان برائیوں کا سب سے زیادہ نشانہ نوجوان نسل بن رہی ہے ۔نوجوانوں کو نشہ ،جوا، بدکاری ،چوری چکاری و دیگر برائیوں میں لگا دیا گیا ہے ۔غیر اسلامی قوتوں نے اپنے دور رس حکمت عملی کے تحت بحیثیت قوم ہم سے احساس ذمہ داری کے علاوہ اسلامی اقدار کو بھی چھین کر ہمیں موج مستی میں لگا دیا ہے ۔قرآن مجید جو ہم مسلمانوں کو ہدایت دینے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے سے ہم اس قدر دور ہو چکے ہیں کہ جنھوں نے بچپن میں گھر والوں کو زور سے قرآن مجید ایک بار مکمل پڑھا تھااس کے بعد اب تک اسے دوبارہ پڑھنے سے قاصر ہیں تو ہمیں ہدایت کیسے ملے ۔ملک کا نوجوان دن بدن اخلاقیات کی حدود بھی پار کر رہا ہے۔ موجودہ وقت میں نوجوان دن چڑھے

اٹھنا پسند بھی کرتا ہے اور اس پر فخر بھی کرتا ہے۔ایس ایم ایس اور کال پیکجز نے ہمیں کسی اور کام کا نہیں چھوڑا۔گھر میں والدین پر احسان کرتے ہوئے ہم تین نا سہی دو وقت کھانا ہی کھا لیتے ہیں۔سکول،کالج،یونیورسٹی یا دفتر میں وقت گزاری کر کہ ہم واپس لوٹ آتے ہیں، موجودہ وقت میں خصوصاً نوجوانوں کو انٹرنیٹ کے بے جا استعمال کے علاوہ، کیبل، موبائل، سنوکر کے علاوہ دیگر کھیلوں نے جہاں بری طرح متاثر کیا ہے وہاں بے جا سیر و تفریح کیلئے ہفتوں گھر سے باہر رہنے نے بھی کسی کام کا نہیں چھوڑا۔کمپیوٹر چیٹنگ اور موبائل پر راتوں جاگ کر گپ شپ کرنا ایک معمول سا بن گیا ہے۔ایسا ہر ایک تو نہیں لیکن ہمارے ہاں آدھے سے زیادہ نوجوان ایسے نوجوان کر رہے ہیں جن کے پاس یہ سہولیات پہنچ چکی ہیں۔نوجوانوں کا طرز زندگی مکمل طور پر تبدیل ہو چکا ہے۔

غور کیا جائے تو اندازہ ہو گا کہ ہم ایک ایسی دلدل میں گھستے جا رہے ہیں جہاں سے نکلنا ممکن نہیں۔ہمارا مستقبل تاریک ہوتا جا رہا ہے۔ملک میں موجود 7 سے 8 کروڑ نوجوانوں میں سے 2 کروڑ نوجوان تو کسی نہ کسی حد تک غیر اسلامی قوتوں کے ہتھے چڑھ چکے ہیں اور یہ رفتار بہت تیزی سے بڑھتی ہی جا رہی ہے۔ہم ملک و قوم کے بارے میں سوچنے سے قاصر ہیں ہیں ہی ساتھ ہی اسلامی نظام سے دوری کی وجہ سے ایسے چھوٹے چھوٹے مسائل میں بھی الجھے ہوئے ہیں جن سے

اسلامی نظام میں نکلنا زیادہ مشکل نہیں ہوتا۔اس قوم کی بدبختی ہے کہ اس دنیا میں واحد تسلیم شدہ ایٹمی ملک ہونے کے باوجود ہم بجلی جیسی بنیادی سہولت سے تقریباً محروم ہیں ،ہمارا شمار دنیا میں گندم پیدا کرنے والے چند بڑے ملکوں میں ہوتا ہے لیکن حکمت عملی نہ ہونے کی وجہ سے آٹا یا تو بہت زیادہ مہنگا ہے یا مل ہی نہیں رہا ہوتا۔دنیا کا سب سے بڑا زرعی نظام موجود ہونے کا تو ہم دعویٰ کرتے دیر نہیں کرتے لیکن سیلابوں والے اس ملک میں ہم منگلا اور تربیلا کے علاوہ تیسرا بڑا ڈیم ہی نہ بنا سکے ہیں جس وجہ سے ہمارے زرخیز میدان بنجر ہو چکے ہیں ،کسانوں کو پانی مل نہیں پاتا تو پیداوار کیسے مارکیٹ میں آئے ۔۔؟کوئلہ ،تانبا، نمک ،زرقون ،زمرد ،یاقوت،، سونا، تیل ،گیس کے وسیع ذخائر رکھنے والے اس ملک میں بجلی و پانی جیسی بنیادی سہولت بھی ناپید ہے ساتھ ساتھ آئی ایم ایف اور ورلڈ بنک سے ہم مزید قرضے کے طلب گار رہتے ہیں ۔خود کش دھماکوں نے ملک کو برباد کر کہ رکھ دیا ہے ۔اسلام امن، محبت و چاشتی کا درس دیتا ہے لیکن مسلمانوں کو دہشت گردی کا جو لیبل لگ چکا ہے اس سے چھٹکارا کون دلوائے گا۔۔؟کیا اس کی ذمہ داری نوجوان نسل جو ملکی آبادی کا تقریباً 60 فیصد ہیں پر عائد نہیں ہوتی کہ ہم مثبت و متحد سوچ کو اپناتے ہوئے تبدیلی لانے میں کردار ادا کر سکیں ۔؟

نوجوان روزانہ اپنے ملکی نظام کی خرابیوں اور سیاستدانوں کو برا بھلا کہہ کر اپنے دل کی بھڑاس نکالتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ایسے حالات کا ذمہ دار ''یہ''یا''وہ'' ہیں مگر ہم یہ نہیں دیکھتے کہ ایسے نااہل لوگوں کا ہم خود انتخاب کر کہ سامنے لاتے ہیں جو کرپٹ یا داغدار کردار کے مالک ہوتے ہیں۔ہمارے ہاں جو غیر اسلامی جمہوری نظام رائج ہے اس میں لوگوں کو تولا نہیں گنا جاتا ہے مطلب نگ پوری کی جاتی ہے اسی وجہ سے تو ایک عالم و فاضل کا ووٹ اور ایک چور و سمگلر کا ووٹ برابر ہوتا ہے ایسے ناانصافی پر مبنی نظام میں جو لوگوں کے ضمیر و ووٹ خرید کر سامنے آتے ہیں ایسے لوگ عوام و اسلام کی نہیں بلکہ اپنی خدمت کرتے ہیں۔

آج ہمیں یہ دیکھنا ہو گا کہ کل ہمیں ملک کی ضرورت تھی آج اس ملک کو ہماری ضرورت ہے ،نوجوان اس ملک کی سب سے بڑی طاقت ہیں۔ ہم ماضی تو نہیں بدل سکتے لیکن مستقبل کو بہتر کیا جا سکتا ہے ، نوجوانوں کو چاہیے کہ اسلامی نظام کے خلاف ہونے والی غیر مسلموں کی سازشوں کے خلاف متحد ہو جائیں ، غیر مسلموں کی طرف سے دی جانے والی سہولیات کا استعمال اسلام ، ملک و قوم کی بھلائی کیلیے کریں ،اپنے وقت کو درست استعمال کریں ، انفرادی طور پر اپنی اخلاقی اصلاح کرتے ہوئے اس نام نہاد جمہوریت سے چھٹکارا حاصل کر اپنے انتخاب کو اسلامی نظام کے نفاذ کیلیے درست اور میرٹ پر رکھنے کی ضرورت ہے۔اسی طرح ایک ایسا

پرامن معاشرہ تشکیل دیا جاسکتا ہے جہاں مساوات و قانون کی بالادستی ہو ایسا تب ہی ممکن ہو سکتا ہے جب ہم میں سے ہر کوئی قانون کی پاسداری اور ایمان داری سے زندگی بسر کرے گا۔

پاکستان کی آزادی، ریاست کشمیر اور امت مسلمہ

پچھلے پینسٹھ برسوں کی طرح ان دنوں بھی پاکستان بھر میں یوم آزادی جوش و جذبے کے ساتھ منایا جا رہا ہے، حقیقت یہ ہے کہ جن قوموں نے جدوجہد کے ساتھ آزادی حاصل کی ہوتی ہے ان کو اس آزادی کا احساس بھی ویسا ہی ہوتا ہے وہ اپنی آزادی کے دن کو جوش وجذبے کے ساتھ منانے میں کوئی کمی بھی نہیں رہنے دیتے لیکن دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ وہ قومیں حقیقی معنوں میں آزاد بھی ہیں یا رسماً آزادی کا لیبل لگائے بیٹھی ہیں، یہ الگ موضوع ہے کہ ہم 14 اگست 1947ء کی تقسیم والے دن کو متحدہ ہند کے مسلمانوں کی آزادی کا دن تسلیم نہیں کرتے لیکن یہاں اس آزادی پر بحث ضرور کی جا سکتی ہے۔ جس ملک کے بننے کا آج یہ قوم جشن منا رہی ہے اس کو بنے 65 سال گزر چکے اس ملک پر حکومت کرنے والوں کے آج تک تمام کام نرالے ہیں، اسلامی جمہوریہ نام تو ہے لیکن یہاں ایک غیر اسلامی نظام (جمہوریت) کے سائے تلے ہم زندگیاں بسر کر رہے ہیں، اسلام تو درکنار یہاں دور دور تک جمہوریت جیسا بھی کچھ نظر نہیں آ رہا یہ ملک 47ء سے لے کر آج تک سرمایہ داروں، جاگیرداروں، صنعت کاروں، بزنس مینوں اور ایوانوں میں بولیاں لگا کر جانے والوں کے ایسے ہاتھوں میں ہے جن کا اسلام سے ظاہری اور باطنی تعلق بھی نہیں ہوتا، یہی لوگ اس ملک کا حشر نشر کیے ہوئے ہیں شخصیت پرستی کا دور دورا ہے، موجودہ،

وقت میں کوئی ذوالفقار بھٹو کے نام پر لوٹتا ہے، کوئی ضیاء الحق کے نام پر، تو کوئی پیری مریدی و اسلام کے نام پر، ہر ایک سیاسی و مذہبی جماعت نے لوٹ کھسوٹ کیلئے اپنا اپنا 'ٹھیہ' لگا رکھا ہے جہاں جو، جس کے قابو میں آتا ہے اس کو نچوڑ کر اپنا مطلب حاصل کر لیا جاتا ہے ، اس ملک میں کسی بھی نظریے کی پیروی کرنے والے تلاش سے بھی نہیں ملتے ، یہاں کبھی سرحدوں پر مامور کیے جانے والوں نے زبردستی حکومت کی اور کبھی جمہوریت کے نام پر لوٹنے والے برسر اقتدار رہے لیکن عوام کیلئے بنیادی سہولیات اب تک ناپید ہیں ، جہاں ایک طرف عوام کی ایک کثیر تعداد دو وقت کی روٹی کو ترس رہی ہے وہاں دوسری طرف صاف پانی میسر نہیں ۔کیا کوئی غیر جانبدار شخص ایک ایسے ملک کو آزاد کہہ سکتا ہے جس میں عوام بھوک، ننگ ، افلاس ، بیماری اور سب سے بڑھ کر بے روزگاری میں لوگ زندگیاں گزار رہے ہیں ، یہاں پر غریبوں کیلئے معیاری تعلیمی اداروں کے دروازے بند ہیں ،افسوس کی بات ہے کہ نوجوان ملک کی کل آبادی کا 65 فیصد ہیں مگر صرف 5 فیصد تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ حالیہ اکنامنک سروے کے مطابق پاکستان کا ہر 5 واں نوجوان بے روزگار ہے اور اس میں خطرناک حد تک مزید اضافہ ہو رہا ہے ، آج کے دور میں ہم دنیا سے ہر ایک میدان میں پیچھے سے پیچھے ہوتے جا رہے ہیں، حالیہ لندن اولمپکس میں پاکستانی دستے کی کارکردگی حکمران ٹولے کی امور نواجوانان سے روگردانی کا منہ بولتا ثبوت ہے آج پاکستان کا وقار پوری دنیا میں مجروح ہو رہا ہے ، 80 فیصد سے زیادہ عوام

بنیادی سہولیات سے محروم ہیں ،ملک میں گڈ گورننس تو درکنار گورننس نام کی چیز نہیں ہے ہر سال سیلاب سے صوبوں کے صوبے ڈوب جاتے ہیں عوام کا جانی و مالی نقصان ہوتا ہے لیکن کسی بھی حکومت کے پاس اس کا حل نہیں ، جن ڈیمز کے منصوبے ایوب خان کے دور میں شروع کیے گیے تھے ان سے آگے آج چھ عشرے گذرنے کے باوجود کچھ نہ ہو سکا ،پی آئی آ ئے ، سٹیل ملز ،واپڈا ،ریلوے ،پی ایس او سب بے حال ہےں لیکن کسی کے پاس ان کا حل نظر نہیں آتا ،ڈرون حملوں کے ذریعے شہریوں کو قتل کیا جاتا ہے لیکن ہمارے ادارے خاموش، بس اس ملک میں سیاست کار آتے ہیں مال بناتے ہیں ،اپنی نسلوں کیلئے ملکی و غیر ملکی اکاؤنٹ بھرتے ہیں اور اگلے آنے والے کیلئے واری چھوڑ جاتے ہیں ، اس ملک میں لوڈ شیڈنگ کا مسئلہ ایسا ہے کہ اس سے چھٹکارا پانا ان مفاد پرست سیاست کاروں کیلئے ناممکن دکھائی دیتا ہے دوسری طرف اپنی حکومتوں کو طول دینے کیلئے جائز و ناجائز تمام حربے استعمال کیے جاتے ہیں ، آئین میں من مرضی ترامیم کی جاتی ہیں ، عدلیہ کو بے بس کر دیا جاتا ہے ، عوام کو منتخب نمائندوں کے چناؤ کیلئے ووٹ کے ذریعے حق رائے دہی کا تو کہا جاتا ہے لیکن جن نمائندوں کو ووٹ دینا مطلوب ہوتا ہے ان کے معیار کو کسی بھی کسوٹی سے گزار کے منتخب نہیں کیا جاتا ، جو جتنا مال دار ہو گا ،بڑی برادری کا ہو گا اس کو اسی کے اثر رسوخ کی بنیاد پر نامزد کر کہ ایسی اسمبلی میں پہنچایا جائے گا جس کو قانون ساز اسمبلی کہتے ہیں لیکن المیہ یہ ہے کہ ان نمائندوں کو اس قانون سازی کی تعریف تک

نہیں آتی ، سب سے بڑھ کر یہ کہ یورپین اور امریکی اداروں نے ایک پالیسی کے تحت پاکستان کو ہر شعبے میں بے بس کر کہ رکھا ہوا ہے نہ ہمارے ایوانوں میں اسلامی نظام رائج ہے نہ ہی ہمارے معاشرے میں اسلامی اقدار کا خیال رکھا جاتا ہے۔ 47ء میں عملاً ہندوؤں سے ہمیں الگ تو کر دیا گیا لیکن ان کے دیئے ہوئے شادی بیاہ، جینے مرنے سمیت دیگر تمام رسم و رواج سے ہم آج تک آزادی نہیں حاصل کر سکے۔ان پینسٹھ برسوں میں سرحدوں کی حفاظت ہم سے نہیں ہو پائی۔کوئی غیر جانبدار رہتے ہوئے مطالعہ کر کہ بتائے کہ ہم نے ہر دور میں ہر میدان میں شکست کھائی ہے کہ نہیں؟سیاست ، معاشرت ،جدیدیت سے لے کر کھیلوں کے میدانوں تک ہم شکست سے دوچار ہیں لیکن ہماری بد بختی کے ہم فراخ دلی سے اپنی ہار بھی تسلیم نہیں کر سکتے۔آج ہر ذی شعور شخص سوالیہ نظروں سے ملک کے حالات کو دیکھتا ہے۔کیا ایسے حالات میں آزادی کا جشن منانے کا دل کر بھی سکتا ہے۔؟47ء میں ہم نے سرحدی آزادی تو حاصل کر لی تھی لیکن ہمارے ذہن آج تک ہنود و یہود کے غلام ہیں۔

ان گنت خرابیاں سہی لیکن ملک تو اپنا ہے کیونکہ اس میں بسنے والوں کی بڑی اکثریت کو مسلمانیت کا لیبل تو لگا ہے اس لیے اس کی حفاظت اور اس کی بہتری کی جدوجہد کرنا ہم سب کی ذمہ داری ہے۔ ہمارے پالیسی میکرز اور تھینک ٹینکس حقیقت جانتے ہوئے بھی اس قوم کو کیوں نہیں بتاتے کہ اس منحوس جمہوریت کے

چنگل سے اب باہر نکل جانا چاہیے،اس جمہوریت جس کو نہ آج تک ہم اپنا پائے ہیں نہ اس کو پا کر ہم اپنی منزل تک پہنچ بھی سکتے ہیں ،اس لیے مسلمانوں کیلئے اسلامی نظام جو مکمل نظام حیات اور کامیابی کی ضمانت ہے کے نفاذ کیلئے ذاتی طور پر ہر ایک کو کوشش کرنی ہو گی ، نظام تعلیم و نصاب میں تبدیلی کے ساتھ ساتھ ہمیں اپنی نسلوں کی 'سوچ' کو تعمیری بنانا ہوگا، موجودہ نسل میں عدم برداشت کا جو بیج تناور درخت بن چکا ہے اس کا خاتمہ کرنے کیلئے حکمت عملی سے چلنا ہوگا، مصر میں جس طرح کی اسلامی نظام کیلئے تبدیلی آئی ہے اس جیسی تبدیلی کیلئے خود کو آج سے ذہنی تیار کرنا ہوگا،اس قوم میں سے ہی کسی ایک کو محمد بن قاسم کی جیسی تاریخ دوہرانی ہو گی ،ایسی تبدیلی کیلئے ہر ایک فرد کو اپنا کردار ادا کرنا ہوگا تبھی جا کر تبدیلی ممکن ہو سکے گی۔

ایک طرف پاکستان بھر میں 14 اگست کو اور بھارت میں 15 اگست کو یوم آزادی منایا جا رہا ہے دوسری طرف ریاست کشمیر کے دونوں طرف کے باسی ایک عجیب کشمکش میں مبتلا ہیں نہ آزادی کو پوری طرح دل سے منا سکتے ہیں نہ اس کو ٹھکرا سکتے ہیں، تقسیم ہند کے وقت کشمیریوں کو اپنے مستقبل کا فیصلہ خود کرنے کا اختیار دیا گیا لیکن دونوں طرف کے مفاد پرستوں نے ان کو تقسیم کر دیا آج دونوں طرف کے کشمیریوں کے حقوق سلب ہیں لیکن دونوں طرف ہی بے بسی کا

عالم ہے کیونکہ دونوں طرف کی سیاسی لیڈرشپ اقتدار کی لالچ مین اصل حدف سے ہٹ چکی ،چاہیے تو یہ تھا کہ کشمیری خود اپنا فیصلہ کرتے لیکن ہوا یہ کہ ایک طرف آزاد بھارتی مقبوضہ کشمیر اور دوسری طرف آزاد پاکستانی کشمیر بنا دیا گیا ، گلگت بلتستان،لداخ سمیت کشمیری نمائندوں سے الگ الگ حکومتیں بھی بنوائیں گئیں لیکن عملاً تمام کردار دونوں کی تقسیم والے ملکوں کا ہے وہ جو کرتے ہیں وہی ہوتا ہے ، ابھی تو کشمیریوں کو ان 47ء دونوں ملکوں سے اپنے بنیادی حقوق کیلئے طویل جدوجہد کرنا ہو گی، کشمیری عوام کو اسلامی نظام کیلئے کوشش کرنا ہو گی،جہاد کو ایک بار پھر اپنانا ہو گا، تبھی جا کر جدوجہد کے ثمرات سامنے آسکیں گے وگرنہ جو حال کشمیر کونسل کے ذریعے پاکستانی حکومت کشمیریوں کی حکومت کا کر رہی ہے اس سے بھی بھیانک حالات کیلئے تیاری کر لینی ہو گی کیونکہ بھارت کی بھی ریاستی دہشت گردی کا مقابلہ کسی اور ملک سے نہیں کیا جاسکتا۔ پاکستان میں جشن آزادی کا سماں ہے لیکن اس وقت امت مسلمہ کس حال سے دوچار ہے اس سے نظریں چرانا کسی طور پر جائز نہیں۔برما میں ہزاروں مسلمانوں کو اسلام کے نام پر شہید کر دیا گیا جس پر پاکستان سمیت دیگر بے شمار ایسے ممالک (ماسوائے ترکی کے) جو اسلامی ملک کہلانے کا ڈھونڈ کیے ہوئے ہیں کی حکومتوں پر اثر ہی نہیں ہو رہا کہ کہیں پر مسلمانوں کا قتل عام اس دیدہ

دلیری سے کیا جا رہا ہے کہ کوئی پوچھنے والا ہی نہیں ، بے حسی کا یہ عالم ہے کہ ایٹم بم،جدید مزائل بم رکھنے اور اتنی بڑی فوج کو عوامی ٹیکسوں سے دن رات کھانے پلانے کے باوجود ہماری خارجہ پالیسی ایسی ہے کہ ہم بے بس ہیں ، عوام اندھی اور گونگی ہو چکی ہے ،میڈیا کا کردار معذرت کے ساتھ گھٹیا تر ہے ، یہ بے حسی کا حال صرف پاکستانیوں اور کشمیریوں کا نہیں تمام مسلمانوں کا مشترکہ المیہ ہے کہ ایران کی طرح چٹان بن کر غیر مسلموں کے خلاف اپنے حقوق کیلئے سینہ سپر نہیں ہو سکتے ،آج ہمت و حوصلے کی کمی ہے کہ برما، کشمیر، افغانستان، عراق، شام،آسٹریلیا، کنیڈا،انگلینڈ، امریکہ، چیچنیا و بوسینا سمیت تمام ممالک میں مسلمان کہلانے والے ذلیل و خوار ہو رہے ہیں۔آج اگر مسلمانوں کو حقیقی کامیابی چاہیے تو امت مسلمہ کو دنیا میں اسلامی نظام کے نفاذ کیلئے غیر مسلموں کے ساتھ مفاہمت کی اس گھٹیا پالیسی کو چھوڑنا ہو گا۔پوری دنیا میں جو بھی مسلمان ہیں ان کو اپنا بھائی سمجھنا ہو گا کیونکہ میرے نزدیک اسلام اور مسلمانوں کے درمیان کوئی بارڈر یا تقسیم نہیں ہو سکتی، اس لیے اپنے آپ کو قربانی کیلئے تیار رکھتے ہوئے محدود ذہنیت و فرقہ واریت سے آزاد کرنے کی ضرورت ہے۔اخوان المسلمین نے مصر میں اسلامی حکومت قائم کر کہ جو مثل روشن کی ہے اسی کو مد نظر رکھتے ہوئے انفرادی و اجتماعی طور پر جدوجہد کرنی ہو گی تبھی تو ہم قیامت کے دن سرخرو ہو پائیں گے۔

آزاد کشمیر میں سیاست گردی اور چوہدری مجید کی کارکردگی اور ممکنہ تبدیلی

آزاد کشمیر کی سیاست میں بہت سی پیچیدگیاں موجودہ وقت میں پیدا ہو چکی ہیں ، سیاست گردی میں شدت آچکی ہے، باوثوق ذرائع جلد بڑی تبدیلی کا اشارہ دے رہے ہیں ،ایک عجیب صورتحال نظر آرہی ہے، صدر یعقوب، وزیر اعظم چوہدری مجید یا وزیر امور کشمیر میں سے کسی ایک کو اپنا عہدہ تع ضرور چھوڑنا ہو گا ہی، پاکستان پیپلز پارٹی کی قائم کردہ حکومت میں گروپنگ بہت آگے تک نکل چکی ہے ، حکمران جماعت کا ایک مضبوط دھڑا) بیرسٹر سلطان محمود چوہدری گروپ (جو چوہدری مجید حکومت کے قائم ہوتے وقت بھی ان کیلئے کسی چیلنج سے کم نہ تھا آج اس حکومت کے ایک سال مکمل ہونے کے بعد بھی اپنی الگ مضبوط شناخت رکھتا ہے، جو لوگ بیرسٹر سلطان محمود چوہدری کے ساتھ جنرل الیکشن سے پہلے پیپلز پارٹی میں شامل ہوئے تھے ان میں سے اکثریت اب بھی بیرسٹر سلطان محمود چوہدری کے شانہ بشانہ ہے ، دوسری طرف پیپلز پارٹی کے پلیٹ فارم سے آزاد کشمیر کی صدرات کی کرسی پر براجمان کاروباری شخصیت یعقوب خان نے جہاں وفاق سے دوستی اور اپنی سیاسی وکاروباری چالوں کے ذریعے آزاد کشمیر کے جملہ اختیارات پر قبضہ کر رکھا ہے وہ تعلق بھی مخالفین کو ایک آنکھ نہیں بھاتا ، سابق وزیر اعظم آزاد کشمیر بیرسٹر سلطان محمود چوہدری نے کچھ وقت سے اپنی ہی حکومت پر کرپشن ،بدمعاشی ، قتل و غارت

اقرباء پروری جیسے سنگین الزامات لگا کر اقتدار کے ایوانوں میں ہلچل پیدا کر دی ہے ، جو
کام اپوزیشن جماعتوں خاص کر مسلم لیگ ن کا اور پھر مسلم کانفرنس ، جماعت اسلامی و
تحریک انصاف آزاد کشمیر کا بنتا تھا وہ کام بیر سٹر سلطان محمود چوہدری خود اپنی ہی حکومت
کے خلاف کر رہے ہیں اس سلسلہ میں سابق وزیر اعظم آزاد کشمیر نے صدر پاکستان
آصف علی زرداری اور پھر وزیر اعظم پاکستان راجہ پرویز اشرف سے ملاقاتیں بھی کی
ہیں اس سے پہلے وہ محترمہ فریال تالپور جو آزاد کشمیر حکومت کے تمام معاملات کی کی
نگران ہیں (کہا جاتا ہے کہ جن کی منشاء کے بغیر مجید حکومت کوئی بھی ایڈ جسٹمنٹ تک کا
سوچ نہیں سکتی) سے بھی ملاقات کی ۔ ان ملاقاتوں میں بیر سٹر سلطان نے مجید حکومت
کے خلاف کھل کر اپنے تحفظات کا اظہار کیا ہے اس سلسلہ میں بیر سٹر چوہدری کو مضبوط
قد کاٹھ کے مالک وفاقی وزراء کی بھی مکمل سپورٹ بھی حاصل ہے (منظور وٹو بھی ان
میں شامل ہیں) اور حکومت کے خلاف اعلان بغاوت کرنے پر مسلم کانفرنس کے صدر
عتیق خان اور مسلم لیگ ن آزاد کشمیر کے سربراہ راجہ فاروق حیدر خان بھی بیر سٹر کے
اس اقدام کی تعریف کرتے نہیں تھکتے ، صدر آزاد کشمیر یعقوب خان اور چوہدری مجید
اپنے اپنے عہدے بچانے کیلئے اکھٹے ہو چکے ہیں ، بیر سٹر کی وفاق میں ان اعلیٰ سطحی
ملاقاتوں اور ان ہاؤس میں بڑے پیمانے پر رابطوں سے چوہدری مجید جو وزیر اعظم بنتے
وقت سے ہی کمزور پوزیشن پر تھے لیکن قدرت کی مہربانی سے وزارت عظمیٰ کی کرسی
ان کو مل ہی گئی (کے لیے مشہور ہے کہ پہاڑ

جیسا آدمی ہے لیکن اعتماد سے بلکل محروم ہے) انتہائی کمزور پوزیشن پر آ چکے ہیں لیکن بیرسٹر سلطان بھی ابھی اس پوزیشن میں نظر نہیں آتے کہ وہ عملاً کسی بڑی تبدیلی کو لا سکیں۔ چوہدری مجید جو مفاہمتی پالیسی کو اپنائے ہوئے ہیں اپنی حکومت کا آغاز کمزور بنیادوں پر کیا جس کا واضح ثبوت ضمنی الیکشن میں مظفر آباد کی سیٹ پر اپنی پارٹی کے نمائیندہ مضبوط ترین امیدوار سابق وزیر خواجہ فاروق کو مفاہمت کی نظر کرتے ہوئے مسلم کانفرنس کے نومولود سیاست دان عثمان عتیق کی کھل کر حمایت کرنا تھا لیکن پیپلز پارٹی کی مفاہمتی پالیسی مکمل طور پر ناکام ہوئی اور مسلم لیگ ن کے بیرسٹر افتخار گیلانی مظفر آباد شہر کی اس سیٹ سے بھاری اکثریت میں کامیاب ہو گئے اس سیاسی گناہ جیسے دیگر درجنوں گناہ اب تک کر چکے ہیں۔اس کے علاوہ انہوں نے خود کو گھڑی خدا بخش کا مجاور تک کہہ کر اپنی اہلیت کا ثبوت بھی دے دیا اس اعلان پر جب لعن تعن ہوئی تو مزید ڈٹ کر خود کو اصلی مجاور ثابت کر ہی دیا۔ چوہدری مجید حکومتی نظام کو جیسے ہی سنبھالنے کیلئے آگے بڑھتے ہیں تو ان کا سامنا اپنے ہی جیالوں سے ہو جاتا ہے پھر جیالوں کی ایڈجسٹمنٹ نے تو ان کو ہلا کر ہی رکھ دیا ہے،چند ماہ میں ہی درجنوں مشیروں اور کوآڈینیٹروں (تنخواہ داروں) کو بھرتی کیا جاتا ہے،ایک سال میں ہی یہ تعداد سو سے زیادہ تک جا چکی ہے اور ابھی حکومتی سفر اور جیالوں کی ایڈجسٹمنٹ جاری ہیں۔ آزاد کشمیر میں موجودہ حکومت نئی نئی اسامیاں تخلیق دے کر جیالوں کو

ایڈجسٹ کر رہی ہے، ایڈجسٹمنٹوں کے معاملے میں صدر ریاست یعقوب خان سب سے آگے ہیں انہوں نے اپنی الیکشن مہم میں بڑے حصہ داروں (حافظ صغیر) کو وزیر اعظم کے ساتھ ایڈجسٹ کروانے کے ساتھ ساتھ اپنے ساتھ ایک ایسی ٹیم (اسکیم خوروں کا ٹولہ) ایڈجسٹ کر لیے ہےں جو آزاد کشمیر میں موجود سرمائے کی باقیات کا بھی جلد ہی خاتمہ کرنے میں مصروف عمل ہے، نوبت یہیں تک نہیں جن نئی یونیورسٹیوں کو قائم کر کہ تعلیم کے میدان میں انقلاب لانے کے دعوے کیے جارہے ہیں ان میں گریڈ سولہ تک اپنی ٹیم کے نالائق ترین لوگوں کو ایڈجسٹ کیا جارہا ہے پیپلز پارٹی و صدر کے یہ جیالے یونیورسٹیوں میں تعلیمی پالیسیاں بنائیں گے اور نئی نسل، ان جاہلوں اور اسکیم خوروں کی بنائی ہوئی پالیسی پر عمل پیرا ہو کر ریاست کی ترقی کرے گی یہ سب عوام کے ساتھ گھٹیا مذاق سے کم نہیں ہے، ایڈجسٹمنٹوں میں سب سے زیادہ ناکام اسپیکر اسمبلی غلام صادق رہے ہیں جو اگر خود کسی یونیورسٹی میں لیکچر دینے بیٹھ جائیں تو انگلش کا حلیہ تک بگاڑ دیتے ہیں، ایسے نا اہل شخص جس کے 50 سے زائد لگائے گئے لوگوں کو کشمیر کونسل کے اکاؤنٹنٹ نئے بجٹ میں نے نکال باہر کیا تھا، فارغ ہونے والے ان 50 لوگوں میں اسپیکر غلام صادق کا اپنا بیٹا بھی شامل تھا۔ حکومت آزاد کشمیر کے پاس ان جیالوں کیلئے فنڈز ہی نہیں ہیں اس لیے عوامی ٹیکسز میں اضافہ کر کہ کشمیر لبریشن سیل جو بیس کیمپ کو مضبوط کرنے کیلئے بنایا گیا تھا سے جیالوں کو نوازا جارہا ہے۔ جب بیرسٹر سلطان نے ان کے

خلاف آواز اٹھائی تو جذبات میں بہہ کر بہت آگے نکل گئے،اب موصوف وزیراعظم اپنی حکومت کی کرپشن چھپانے کیلئے بیرسٹر کے کمزور لوگوں کو سیاسی ایڈجسٹمنٹ کے ذریعے خریدنے میں مصروف ہیں لیکن اب شاید' بہت دیر ہو گئی مہربان آتے آتے کی مصداق چوہدری صاحب کے جانے کا وقت قریب آ رہا ہے اگر جلد ایسا نہیں ہوتا تو بیرسٹر کی سپورٹ کرنے والے وفاقی وزیر کشمیر امور منظور وٹو جاتے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔
مجید حکومت بننے کے پس منظر کو اگر دیکھا جائے تو عیاں ہو گا کہ گزشتہ حکومت مسلم کانفرنس کی تھی جب آزاد کشمیر میں جنرل الیکشن کا رزلٹ سب کے سامنے آیا تو مسلم کانفرنس اور ن لیگ نے اپنی ہار پر دھاندلی کا بہت رونا رویا تھا،دھاندلی ہوئی بھی مگر اتنی نہیں۔نہ ہوتی،تب بھی پیپلز پارٹی جیت جاتی،کیونکہ مسلم کانفرنس دو حصوں میں تقسیم ہو چکی تھی اور مسلم کانفرنس کے ان کھنڈرات پر راجہ فاروق حیدر نے ن لیگ کی نئی عمارت کھڑی کر دی گو کہ اس میں بھی اب وہ جان نہیں رہی ،جس کی اس سے توقع راجہ فاروق حیدر سے کی جا رہی تھی لیکن نومولود سیاسی جماعت آزاد کشمیر ن لیگ نے اپوزیشن جماعت بننے کا اعزاز حاصل کر ہی لیا تھا۔جماعت اسلامی کا ووٹ بنک اور مخصوص سوچ ہونے کی وجہ سے ان کے کسی نمائندہ کا اسمبلی میں جانا مشکل کام تھا ۔جب جنرل الیکشن ہوئے تو عوام کے بھاری ووٹوں کے ذریعے پیپلز پارٹی نے واضح اکثریت حاصل کی اور

حکومت بنانے میں کامیاب ہو گئے۔چوہدری مجید آزاد کشمیر کو وزیر اعظم منتخب کیا گیا تب ہی سے باوثوق ذرائع نے کہا کہ چوہدری مجید کو 1 سے 2 سال کیلئے وزیر اعظم منتخب کیا گیا ہے وہ اعلان یا معاہدہ آج شاید درست معلوم ہو رہا ہے۔

جولائی کو مجید حکومت جس کا ایک سال مکمل ہو چکا۔ حکومت نے ڈپٹی اسپیکر شاہن 26 ڈار، وزیر خوراک جاوید اقبال بڈھالوی اور دیگر حکومتی نمائندوں کی اخباری تحریروں اور مہنگے اشتہاروں کے ذریعے اپنے عظیم کارنامے اور کامیابیاں عوام تک پہنچانے کا اہتمام کیا ہے، ان کامیابیوں میں مختلف یونیورسٹیز اور میڈیکل کالجز، کیڈٹ کالجز، سڑکوں کی تعمیرات کے منصوبہ جات، آزاد کشمیر بھر کے صحافیوں کیلئے پریس کلبز کی عمارتیں اور جرنلسٹ کالونیوں کے قیام اور آزاد کشمیر میں سرکاری ملازمین کے مسائل کے حل کے اعلان سمیت 19 نئے میگا پراجیکٹس اور 480 عوام دوست اقدامات کرنے کے اعلانات کیے جا رہے ہیں۔جہاں ایک طرف حکومت کی طرف سے اپنی کامیابیوں کے یہ اعلانات کیے جا رہے ہیں وہاں یہ حکومت بھی ماضی کی حکومتوں کی طرح وفاق کے سامنے بے بس و لاچار لونڈی کی مانند ہے، آزاد کشمیر حکومت کے تمام اہلکار خود کو پاک فوج کا سپائی قرار دے رہے ہیں اگر فوجی بننے کا اتنا ہی شوق تھا تو وقت مقررہ پر بھرتی ہو کر اسی کی خدمت کیوں نہیں کی کہ آج فوج کے نام کو عتیق خان کی

طرح اپنے مقاصد کیلئے استعمال کیا جا رہا ہے۔آزاد کشمیر حکومت کی بے بسی کی واضح مثال وفاقی حکومت کے زیر نگرانی ادارے کشمیر کونسل کا آزاد کشمیر کے دیگر تمام اہم معاملات کے کنٹرول سمیت آزاد کشمیر کے آئینی معاملات میں واضح برتری کا ہونا بھی ہے (آزاد کشمیر کے عوام اسمبلی میں قانون سازی کیلئے جن نمائندوں کا انتخاب کرتے ہیں ان کو آزاد کشمیر اسمبلی میں آئین سازی کی اجازت کشمیر کونسل کی اجازت کے بغیر نہیں ہو پاتی) ۔آج ریاست کے باسی آزاد کشمیر حکومت سے یہ سوال کرتے ہیں کہ انہیں بتایا جائے کہ کشمیر کونسل ایک خود مختار اور غیر جوابدہ ادارہ کے طور پر کیوں کام کر رہی ہے؟اگر یہ جمہوری اور منتخب حکومت ہے تو اس کے دائرہ اختیار میں مداخلت کیوں کی جاتی ہے ؟ وزیر اعظم پاکستان کو کس بنیاد میں کشمیر کونسل کے سربراہ کی حیثیت دی گئی ہے ؟آزاد کشمیر اسمبلی و قانون کے سامنے غیر جوابدہ ادارے کو کس بنیاد پر 52اہم شعبوں کا کنٹرول دیا گیا ہے ؟ہائی کورٹ، سپریم کورٹ،الیکشن کمشنر،چیف سیکریٹری، سیکریٹری مالیات ،آئی جی اور اے جی کو وفاق کس بنیاد پر آزاد کشمیر کے عوام پر مسلط کرتا ہے؟ جبکہ ان میں سے کوئی بھی آزاد کشمیر کی منتخب حکومت کو جوابدہ نہیں ؟ کونسل کی نشستوں میں اضافہ کر کہ عوامی ٹیکسز میں اضافہ کر کہ کونسل کے ممبران کے بھاری اخراجات پورے کیے جاتے ہیں جبکہ کونسل کا فنڈ جو آزاد کشمیر کے عوام پر خرچ ہونا چاہیے اس کو وفاق میں بڑی بڑی عمارتیں بنانے اور اپنی عیاشیوں کیلئے کیوں خرچ کیا جاتا

ہے، مجید حکومت رخصتی سے پہلے بتائے کہ ان کی اسمبلی آخر کب اور کیسے بااختیار ہو گی
؟

جہاں ایک طرف موجودہ حکومت میں بیرسٹر اور چوہدری مجید میں اقتدار کیلئے جنگ چل پڑی ہے وہاں کشمیر کونسل نے اپنی کرپشن چھپانے کیلئے چیئرمین احتساب بیورو مظہر کلیم کو زبردستی تبدیل کروا دیا ہے،نئے چیئرمین احتساب بیورو رفیق محمود کا شمار پیپلز پارٹی آزاد کشمیر کے بانی جیالوں میں ہوتا ہے اب ان کا بھی امتحان ہے کہ وہ کیسے وارنٹ گرفتاری واپس لیتے ہیں اور اپنی ہی حکومت کی کرپشن کو ختم کرواتے ہیں (ایسا ممکن نظر نہیں آتا) ۔اپنے آپ کو مزید نا قابل تسخیر بنانے کیلئے اور کونسل کو احتساب سے مستثنیٰ قرار دلوانے کیلئے اسمبلی سے ایکٹ منظور کروانے کی حکمت عملی بھی بنا دی ہے جس پر بہت جلد عمل ہو جائے گا۔اب دیکھنا یہ ہے کہ چوہدری مجید خود کو کب تک وزیر اعظم منوائے رکھتے ہیں اور سابق وزیر اعظم بیرسٹر سلطان محمود چوہدری اپنی اہمیت کو کس حد تک منوانے میں کامیاب ہوتے ہیں،اپوزیشن جماعتیں عوام سے کس حد تک مخلص ہو کر حکومتی کرپشن کے خلاف کیا کردار ادا کرتی ہیں اور یہ بھی دیکھنا ہو گا کہ عوام ان سیاست گردوں (سیاسی چالبازوں) کے نرغے سے باہر نکل پاتی ہیں کہ ابھی اور بھی عشروں کا وقت درکار ہے۔

مملکت کشمیر

کشمیر وہ مملکت ہے جس کی سرحدیں تیسری صدی قبل مسیح میں شمال میں کاشغر اور ختن تک اور مغرب میں کابل اور کندھار تک پھیلی ہوئی تھیں، مہاراجہ للتا دت نے 650ء 732ءتک کشمیر پر حکمرانی کی۔اس کے دور میں کشمیر مشرق میں قنوج تک، مغرب میں پشاور تک، شمال میں بخارا تک اور جنوب میں گندھارا تک پھیلا ہوا تھا۔آٹھویں صدی عیسوی میں 720ء کشمیر میں راجہ چندر اپیڈ کی حکمرانی تھی۔ مغل بادشاہ نے اٹھ بار کشمیر پر یلغار کی تب اسے 1586 ء میں کامیابی نصیب ہوئی، فاتح محمود غزنوی نے 17 بار ہندستان پر حملے کیے اور ہر بار کامیاب رہا لیکن کشمیر پر غزنوی نے 2 بار حملے کیے اور دونوں بار ناکام رہا۔جموں کشمیر بر صغیر کی وہ پہلی ریاست تھی جسے 1930 ء کی دہائی میں انتخاب کے ذریعہ قانون ساز اسمبلی چننے کااختیار ملا۔آج کے دور میں کشمیر کی صورت حال یہ ہے کہ یہ رقبہ کے لحاظ سے دنیاکے 110آزاد ممالک سے بڑی ہے اور آبادی کے لحاظ سے 135 ممالک اس سے چھوٹے ہیں۔جغرافیائی لحاظ سے کشمیر کو ایک اہم مقام حاصل ہے یہ براعظم ایشیاءکے تقریباً مرکز میں واقع ہے۔

دنیا میں کئی ملک ایسے ہیں جو اپنے چند وسائل پر یا صرف ایک ذریعہ آمدن پر

ترقی کی بہترین منزلیں طے کر رکھ خوشحالی کی زندگی میں داخل ہو رہے ہیں آئس لینڈ مڈغاسکر ،ماریشس،، سعودی عرب، بہامار، نمیبیا اور سوٹزر لینڈ جیسے بہ سے ایسے مثالی، ملک ہیں جن کا ذریعہ آمدن چند وسائل پر ہے ان ممالک سمیت بیشتر ممالک ایسے ہیں جن کی بنسبت ریاست جموں و کشمیر کے پاس وسائل حد سے زائد ہیں لیکن اس خطہ کے وسائل کو ضائع کیا جا رہا ہے جس کی بڑی وجہ اس ریاست کو مختلف حصوں مں تقسیم کر دینا اور ان حصوں پر ایسے لوگوں کو حکمران مسلط کر دیا گیا ہے جو ریاست کے وسائل کو لوٹنے کے سوا کوئی اور کام نہیں کر رہے ۔ریاست کے پاس آبی وسائل ،معدنیات کے بیش بہا خزانے ،قدرت کی طرف سے کشمیر کو عطا ہونے والی جڑی بوٹیوں سمیت دیگر نعمتیں اور سیاحوں کیلئے '' جنت نظیر کشمیر ''۔ریاست جموں و کشمیر کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہاں پر قدرت نے صرف پانی کی جو نعمت عطا کی ہے اگر اس نعمت کا ہی سہارا لیا جائے تو ریاست کو مختصر سے عرصہ میں اقتصادی طور پر بام عروج پر لے جایا جا سکتا ہے ۔

کشمیر میں بلند ترین چوٹیوں کی تعداد 300 سے زائد جن میں کے ۔ٹو ،نانگا پربت، گیشر بروم 1 سے 4 ،بروڈ پیک، دست غل سر، راکا پوشی ،کارنکو و دیگر شامل ہیں ان کے علاوہ ریاست کشمیر ہیں گلیشیئرز کی تعداد 86 کے قریب ہے جن میں سیاچن گلیشئر ،بلتورو گلیشئر ،ہسپر گلیشئر ،ریمو گلیشئر ،بیافو گلیشئر ،چوغا لنگما

گلیشئر ودیگر شامل ہیں۔ ان چوٹیوں و گلیشئرز پر ہر سال موسم سرما میں برف جمع ہوتی ہے جو موسم گرما میں پگل کر ندی نالوں کے ذریعے دریاؤں کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ کشمیر میں چھوٹے بڑے دریاؤں کی تعداد بھی 45 کے قریب ہے جن میں دریائے سندھ، دریائے شیوک، دریائے گلگت، دریائے نیلم (کشن گنگا) دریائے جہلم، دریائے پونچھ، دریائے چناب اور دریائے راوی شامل ہیں۔ یہ پانی زمینوں کو زرخیز کرنے کے علاوہ، بجلی پیدا کرنے کا بھی بڑا ذریعہ ہے یہاں پر ہائیڈرل الیکٹرک پاور کے کچھ مزید منصوبے بھی لگا کر اپنی ضرورت کو پوری کرنے کے بعد ہمسایہ ممالک کو بجلی کی فروخت کر کہ بھاری زرمبادلہ کمایا جا سکتا ہے۔ کوہالہ کے مقام پر زیر زمین ہائیڈرل پراجیکٹ کا کام دوست ملک چین کے تعاون سے شروع ہو چکا ہے جو پانی کی اہمیت کی واضح مثال بھی ہے۔ منگلا ڈیم کی رائلٹی اربوں روپے سالانہ بنتی ہے لیکن ہمارے حکومتی نظام کی کمزوریوں اور سیاستدانوں کی نااہلیوں کی وجہ سے کشمیری اس رائلٹی سے ہی نہیں بلکہ بجلی کی لوڈ شیڈنگ سے بھی مستثنیٰ نہیں ہو پا رہے۔ جبکہ حکومت پاکستان صرف آزاد کشمیر میں ہی 15 مزید ڈیم بنانے کا منصوبے پر کام کر رہی ہے۔

ریاست کشمیر میں قدرت کی مہربانیاں مختلف قیمتی معدنیات کی صورت میں بھی موجود ہیں جن میں لوہا، کائلہ، گریفائٹ، سنگ مرمر، جپسم، سوپ سٹون، بکسائیٹ

یاقوت،زمرد،ایکوامیرین، نیلم،تانیہ، سونا،ابرق، نکل، سیسہ، گندھک،بوریکس، ناراؤ، سنگال، یاقوت، نیلم، و دیگر قیمتی معدنیات بھاری تعداد میں موجود ہیں جن سے، استفادہ حاصل کر کہ بھاری زرمبادلہ حاصل کیا جا سکتا ہے،اسی طرح قدرت نے کشمیر کو دیگر بہت سے نعمتیں عطا کی ہوئی ہیں جن میں قیمتی جڑی بوٹیوں کی اہمیت و افادیت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا،ان جڑی بوٹیوں بہل،اجمود،اجوائن،آلو بخارا،آک،اڑوسہ املتاس،اندرجو،ایرسہ، پھگواڑی،انار،انگور،السی،ارنڈ،اسطوخودوس، بالچھڑ،بھنگ، بہی دانہ، بادام، بابچی، بچھناک،بداری کند، بیروزہ، بنفشہ، بادیان، بھوج پتر، برہمی، بوٹی، بید شک، بیر، پاڈھل، پاپڑہ، پتھرجٹ، پودینہ، تلسی، تگر، جمال کوٹہ، چنبیلی، زیرہ زعفران، کھمبی و دیگر سینکڑوں جڑی بوٹیاں شامل ہیں جن سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

ریاست کشمیر میں جس کی خوبصورتی کے حوالے سے مغل شہنشاہ جہانگیر لکھتے ہیں کہ کشمیر ایک سدا بہار باغ ہے یوں کہہ لیجیے کہ ایک فولادی قلعہ ہے جس کو کوئی زوال'' نہیں۔کشمیر بادشاہوں کیلئے ایک عشرت افزاء گلشن ہے اور درویشوں کیلئے ایک دلکش خلوت سرائے ہے، کہاں خوشنما چمن اور اور دلکش آبشاریں بے شمار ہیں۔دریا اور چشمے حدوحساب سے باہر ہیں،جہاں تک نگاہ کام کرتی ہے سبزہ اور آب رواں ہی دکھائی دیتا ہے،گلاب بنفشہ اور خود نرگس صحرا صحرا

کھلتے ہیں'' ۔ مغل بادشاہ کے علاوہ سرفرانس ینگ ہسبنڈ،نائیگل کیمرون ،دیوان جرمنی داس مصنف ''مہاراجہ'' ، شاعر مشرق ڈاکٹر علامہ اقبال سمیت دیگر بہت سی تاریخی شخصیات نے ریاست کشمیر کی خوبصورتی کے حوالے سے کلمات کہے ہیں ۔ریاست کشمیر کی خوبصورتی اور سیاحوں کو کھینچنے کیلئے جھیلوں کا کردار بھی بہت اہم ہے ان جھیلوں ہیں سوپور اور بانڈی پورہ میں واقع ایشیاء کی سب سے بڑی جھیل وولر ،سری نگر میں ڈل جھیل ،سری نگر کے قریب ہی واقع نگین جھیل ، جھیل آنچار ،مانس بل جھیل ،پہلگام کے قریب شیش ناگ ، جھیل کونسر،گنگا بل جھیل ، جھیل تارسر مارسر ، جھیل کرشن سروشن سر ،ال پتھر جھیل ،شیشدور جھیل ،بورٹ جھیل ،کھورہ جھیل ،ست پارہ جھیل راما جھیل ،پنگانگ جھیل ، جھیل سرن جھیل اور وادئی نیلم میں رتی گلی جھیل شامل ہیں ۔اس کے علاوہ ریاست کشمیر میں مغل بادشاہوں نے باغات پر سخت توجہ دی انہوں نے باغات لگانے کے فن سے دنیا کو آگاہی دی ریاست کے مشہور باغات ہیں ڈل جھیل کے کنارے شالیمار باغ،ڈل جھیل کے جنوب میں نشاط باغ،ڈل جھیل غربی طرف نسیم باغ اور چار چنار باغ لگوائے ۔باغات کے علاوہ ریاست کشمیر میں مشہور چشمے بھی موجود ہیں جو ریاست کی خوبصورتی اور پانی کی ضرورت کو پورا کرنے میں اہم معاون ثابت ہو رہے ہیں ان باغات میں سری نگر کے قریب چشمہ شاہی چشمہ ویری ناگ ،اسلام آباد شہر کے قریب چشمہ اچھل بل ،انت ناگ میں بے شمار، چشمے موجود ہیں ۔چشمہ ماتنڈ،چشمہ ککڑ ناگ ،بارہ مولہ میں چشمہ کھیر بھوانی ، ضلع پونچھ،ہجیرہ کے قریب گرم

پانی کا چشمہ (تتہ پانی) کے علاوہ ڈل جھیل کے قریب 51 چشمے دریافت ہو چکے ہیں۔
ریاست کشمیر میں بہت سی اہم قابل دید خوبصورت ایسے مقامات موجو ہیں جن کی ایک تاریخی حیثیت بھی ہے وادی کشمیر میں گل مرگ، سری نگر میں سونہ مرگ اور سری نگر سے 96 کلو میٹر دور 'پہل گام' جگہ موجود ہے۔ قدیم مذہبی اور دھارمک مقامات بھی موجود ہیں جن میں سری امر ناتھ، جموں شہر میں تری کوٹا، چرار شریف، وادی نیلم میں شاردہ، پونچھ میں تولی پیر، بنجوسہ، باغ میں گنگا چوٹی جیسے خوبصورت مقامات شامل ہیں۔ ریاست میں اہم تاریخی مقامات اکھنور کا قلعہ سکردو، استور، اونتی پورہ، باغ سر (باغ اور قلعہ)، بج بہادر، ترال، توشہ میدان، جموں اور چلاس شامل ہیں۔ اس کے علاوہ کشمیر کے شمالی صوبہ لداخ کو عجائبات و طلسمات کی سرزمین بھی کہا جاتا ہے، لداخ کی یہ بھی خصوصیت ہے کہ اس کا موسم بھی طلسماتی قسم کا ہے لداخ کو فضا سے دیکھا جائے تو اس میں تین رنگ سفید پہاڑون پر برف، بھورا رنگ زمین کا اور سیاہ رنگ گہری کھائیوں کا نظر آتا ہے۔ لداخ میں جو عجائبات ہیں ان ہیں کرگل سے 80 کلو میٹر دور گرگون میں ایک ہی نسل کے لوگ صدیوں سے آباد ہیں جن کی رنگت سفید ہے، اس کے علاوہ زنسکار کے دور دراز علاقہ میں مخصوص مدت کیلئے شادیاں کی جاتی ہیں، لیہہ کے علاقہ میں مہاتما بدھ کے سونے کے مجسمے بنے ہوئے ہیں۔

ایک وقت تھا کہ ریاست کشمیر میں قدرت کی جو خاص مہربانیاں ہیں ان کی قدر و منزلت برقرار رکھنے کیلئے دنیا بھر سے بہت سے اہل بصیرت لوگ سامنے آتے رہے جن میں ڈاکٹر مبشر حسن سابق وزیر خزانہ، جماعت اسلامی پاکستان کے سابق امیر قاضی حسین احمد ،پروفیسر طاہر القادری، پیر پگاڑا، بے نظیر بھٹو،ڈاکٹر اسرار احمد ،ایئر مارشل اصغر خان ، تحریک انصاف کے معراج محمد خان، نیشنل عوامی پارٹی کے اجمل خٹک ، ممتاز بھٹو سمیت دیگر اہم شخصیات ریاست کشمیر کا فیصلہ کشمیریوں کی اپنی مرضی سے حل نکالنے کی حمایت کر چکے ہیں۔ پاکستانی اہل بصیرت لوگوں کے علاوہ بھارت کے بہت سے دانشوروں جن میں سلمان خورشید ،واجپائی ، خشونت سنگھ ،جے پرکاش نارائن ، من موہن سنگھ ،کلدیپ نیئر نے بھی کشمیر کے مسئلہ کو سنجیدہ قرار دے کر اس کے حل کی طرف پیش قدمی کرنی کی کوشش کی لیکن دیگر بہت سے عوامل اس حل کی راہ میں آڑے آتے رہے ہیں ۔بھارتی دانشوروں کے علاوہ بین الاقوامی دانشوروں جن میں امریکی ٹریک ٹو ڈپلومیسی ،واشنگٹن کے نامور ادیب ولیم بیکر ،سابق ایرانی وزیر خارجہ ڈاکٹر ابراہیم یزدی ،امریکی ایوارڈ یافتہ پروفیسر عائشہ جلال ،سابق امریکی وزیر دفاع ولیم کولین، لیبیا کے سابق صدر معمر قذافی سمیت دیگر بہت سی عالمی شخصیات نے کشمیر کے مسئلہ کو فوری طور پر حل کرنے کیلئے اپنی خدمات دینے کی پیش کش کی تھیں لیکن ریاست کشمیر کے حکمرانوں کے علاوہ پاکستان و بھارت کے حکمرانوں

نے اس ریاست کے وسائل کو ذاتی طور پر حل استعمال کیا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ کشمیر کے مسئلے کو حل کرنے میں دلچسپی رکھنے والے ان عظیم رہنماؤں کے ارشادات اوران کی رائے کا کشمیریوں اوران کے لیڈروں کو احترام کرتے ہوئے اوراپنے جملہ مسائل کے حل کیلئے اس عظیم مسئلے کے حل کیلئے عملی جدوجہد کی جاتی لیکن کشمیر کے تمام حصوں میں موجود خود کو کشمیر کا نمائندہ کہلوا کر اس کے نام پر فنڈز کھانے اور دیگر وقتی فائدے اٹھانے والو کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہوتا جارہاہے جو کسی بڑے المیے سے کم نہیں ہے، کشمیر کے تمام ٹکروں میں بسنے والوں اگر اس مٔسلہ کو حل کرنے کیلئے سنجیدہ ہونا پڑے گا، اس مسلہ کو حل کروانے کیلئے ہر ایک کو اپنی حیثیت سے بڑھ کر جدوجہد کرنے کی ضرورت ہے تبھی جا کر تمام کشمیری اپنے بنیادی حقوق کے ساتھ پرامن زندگیاں گزار سکتے ہیں۔

اوپر تفصیل سے کشمیر کے بارے میں معلومات مہیا دی گئی ہیں ان کو بتانے کا مقصد یہ ہے کہ موجودہ وقت میں مملکت کشمیر میں وسائل کی کسی بھی طور کوئی کمی نہیں ہے اگر کوئی کمی ہے تو وہ قیادت اور باشعور عوام کی کمی ہے جس کو دور کوشش سے کیا جا سکتا ہے ،آئیں سب کشمیری مل کر کشمیر کی بہتری کیلئے جدوجہد کریں۔

بھارتی وزیر داخلہ، خارجہ سیکرٹریز کا دورہ پاکستان اور مسئلہ کشمیر

پاکستان میں اس وقت جہاں الیکشن کا وقت قریب تر آن پہنچا ہے،بلدیاتی الیکشن کے نام پرا ایک نئی سیاسی گیم کھیلی جارہی ہے وہاں پاکستان کی موجودہ حکومت بھارتی وزیر اعظم من موہن سنگھ کو پاکستان کا دورہ کرنے کی دعوت بھی بارہا دے چکی لیکن من موہن سنگھ ہیں کہ ان کو اوپر سے اجازت ہی نہیں مل رہی کہ وہ خود پاکستان آسکیں لیکن ڈاکٹر من موہن سنگھ نے اپنے وفد کو جن میں وزیر خارجہ ایس ایم کرشنا،سیکرٹری خارجہ رانجن میتھائی،ہائی کمشنر شرت سبروال،راگھاوندرا شاستری،وائی کے سنھا اور سید اکبرالدین شامل ہیں کو پاکستان بھیجا ہے۔ چھ سال کے بعد مشترکہ وزارتی کمشن کی بحالی پر قومی اور بین القوامی میڈیا کی نظریں اس وقت بھارتی وفد پر کڑی نظر رکھے ہوئے ہیں ،اپنے اس اہم دورہ کے دورے کے دوران اس وفد کی ملاقاتیں پاکستانی صدر آصف زرداری،وزیر اعظم راجہ پرویز اشرف،ایم کیو ایم سمیت حکومتی اتحاد کی پارٹی رہنماؤ ں سمیت میاں نواز شریف اور دیگر اپوزشن جماعتوں کے رہنماؤ ں سے ہوئی ہیں،بھارتی وزیر اعظم تو نا معلوم وجوہات کی بنا پر پاکستان آنے سے قاصر ہیں لیکن ان کے وزیر خارجہ ایس ایم کرشنا کو پاکستانی حکومت نے جس طرح ہائی پروفائل پروٹوکول دیا وہ سمجھ سے بالاتر ہے، کیونکہ دونوں ملکوں کی عوام کی اکثریت دونوں ملکوں کے

درمیان تصفیہ طلب معاملات جن میں کشمیر، سیاچن، پانی، ڈیمز، سر کریک، کارگل اور دیگر سنجیدہ نوعیت کے تقاضوں کو ابھی بھول نہیں پائے ہیں، خاص طور پر کشمیر کا معاملہ جس پر دونوں ملک جنگیں تک کر چکے ہیں کو سائیڈ لائن ہوتا ہوا کوئی نہیں دیکھ سکتا کیونکہ مقبوضہ کشمیر میں بھارتی مظالم ابھی اتنے کم نہیں ہوئے۔ گمنام قبروں کا معاملہ اتنے جلد کون بھول سکتا ہے؟ بھارت سے شکوے شکایات اتنے کم نہیں ہوئے کہ ان سے آنکھیں پھیر لی جائیں لیکن موجودہ پاکستانی حکومت مستقبل میں ایک بار پھر اپنی پارٹی کی حکومت کو عوام سے منتخب کروانے کیلئے ایسے ہتھکنڈے استعمال کرنے کی کوشش کر رہی ہے جس کا عوام کو فائدہ کم اور مستقبل میں نقصان زیادہ ہوتا صاف نظر آتا ہے۔ گو کہ عوامی سہولیات کیلئے اس دورہ میں کچھ اہم کام کرنے کا اعلان بھی کیا گیا ہے جس کو احسن اقدام بھی قرار دیا جا رہا ہے ان کاموں میں دونوں ملکوں کے درمیان آٹھ مختلف اقسام کے ویزے جاری کرنے کا اعلان کیا گیا ان ویزوں میں سفارتی، غیر سفارتی، ٹرانزٹ، سیاحت، تاجروں میڈیا، سول سوسائیٹی کے عہدیداروں کیلئے ترجیحی بنیادوں پر ویزے جاری کرنے کا اعلان کیا گیا ہے، 500 پاکستانی شہریوں کے اجمیر شریف جبکہ بھارتی سکھوں کو اپنے مذہبی تہوار پاکستان میں منانے کیلئے آسان شرائط پر ویزے دیئے جائیں گے، دونوں ملکوں کے درمیاں کرکٹ سیریز کے دوران شائقین کو آسان شرائط پر جلد ویزا جاری کیا جائے گا، قیدیوں کے تبادلے سمیت اجمل قصاب کو پھانسی دیئے جانے کے فیصلے، ڈیوڈ

ہیڈلے اور زیب الدین انصاری سے متعلق بھی بات کی گئی اور بھارت کی جانب سے سربجیت سنگھ کی رہائی سمیت لشکر طیبہ اور حافظ سعید کے خلاف کاروائی کا با ضابطہ مطالبہ پھر سے کیا گیا جبکہ حافظ سعید نے ایس ایم کرشنا کا وفد سمیت پاکستان کا دورہ کشمیر کاز کیلئے نقصان دہ قرار دیا ہے، حافظ سعید کا موقف ہے کہ کشمیر کے مسئلہ کے حل تک بھارت سے دوستی اور تجارت کا سوچا بھی نہیں جا سکتا۔ اس کے علاوہ بھارت نے پاکستان کی جانب سے دہشت گردوں کو سپورٹ کرنے پر پھر سے شدید مذمت کی، دوسری جانب باوثوق ذرائع نے بھارتی وفد کے دورے کے دوران پاکستان کی طرف سے کشمیر کے سنجیدہ ترین مسئلہ سمیت پانی، سیاچن اور دیگر تصفیہ طلب معاملات کے بارے میں واضح موقف نہ اپنا سکے، بھارتی وزیر خارجہ ایس ایم کرشنا کی صدر آصف زرداری سے ملاقات میں پاکستانی وزیر داخلہ حنا ربانی کھر سمیت صدر زرداری کے قریبی ساتھیوں، دونوں ملکوں کے خارجہ سیکرٹریز، ہائی کمشنرز اور دیگر اہم لوگوں نے فوٹو سیشن میں حصہ لینے کیلئے شرکت کی۔

دوسری جانب کشمیری قیادت جو علیحدگی کی خوائش مند ہے نے اپنے خدشات کا اظہار شدید الفاظ میں کیا ہے، کشمیری قیادت نے پاکستان اور بھارت کے موجودہ تعلق کو تحریک کشمیر کو کمزور کرنے کی سازش بھی قرار دیا ہے، اسی تناظر میں جموں کشمیر لبریشن فرنٹ کے چیئرمین یٰسین ملک نے کشمیری علیحدہ پسندوں کی

ایک بڑی تعداد کے ساتھ کشمیر کے تجارتی مرکز لال چوک میں احتجاجی مظاہرہ کیا جس میں انہوں نے موقف اپنا کہ پاکستان اور بھارت کشمیریوں کے حوالے سے کیے جانے فیصلوں کو پریس ریلیز کی صورت میں کشمیریوں کو پہنچاتے ہیں جس پر کشمیری کبھی خاموش نہیں رہ سکتے ۔ بعد ازاں یسی ملک کو گرفتار بھی کر لیا گیا۔ دوسری جانب حریت کانفرنس (ع) کے سربراہ میر واعظ عمر فاروق نے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں پاکستان اور بھارت کے تجارتی معاملات پر اعتراض نہیں لیکن مسئلہ کشمیر کے حوالے سے سنجیدہ قدم نہیں اٹھایا جا رہا جو قابل مذمت ہے ، حریت کانفرنس (گ) کے رہنماء سید علی گیلانی گزشتہ ایک ماہ سے نظر بند ہیں ۔ دوسری جانب ہند نواز نے بھی مسئلہ کشمیر کو حل کرنے کا کہا ہے ۔ کشمیر کے دوسرے بڑے حصے آزاد کشمیر کی تمام تر قیادت بھارتی وفد کے اس دورہ پاکستان سے لا تعلق و بے کبر سی دکھائی دیتی ہے جو کشمیریون کیلئے لمحہ فکریہ سے کم نہیں۔

ان سب حقائق کو اگر سنجیدگی اور غیر جانبدارانہ طور پر دیکھا جائے تو پاکستان اور بھارت کے درمیان چھ سال (ممبئی حملوں) کے بعد داخلہ اور خارجہ کی سطح پر مل بیٹھ کر معاملات کو حل کرنے کی طرف ایک اچھی کوشش تو کہا جا سکتا ہے لیکن اصل مسئلوں کی طرف پاکستانی حکام بات کرنے سے ابھی تک گریزاں ہیں یہ ایک قابل فکر بات ہے کیونکہ بھارت کی جب مرضی ہوتی ہے وہ اپنے مفادات

کیلئے پاکستان کو استعمال کرتا ہے اور اس کو جب جس بھی میدان میں چاہے وہ کشمیر سے متعلق ہو یا جدید ٹیکنالوجی سے ،کھیلوں سے متعلق یا ڈیمز اور پانی کی بات ہو بھارت نے ہر اس موقع پر پاکستان کی مخالفت کی جہاں اس کا بس چلتا ہے یا اس کے مفادات ہوتے ہیں لیکن کبھی ایسا نہیں ہوا کہ بھارت نے پڑوسی ملک سے مخلصی کا مظاہرہ کیا ہو پاکستانی حکام کا یہ اعلان بار بار سننے میں آتا ہے کہ پڑوسی نہیں بدلے جا سکتے اس سے، کسی کا انکار ہو نہیں سکتا لیکن تعلق برابری کی بنیاد پر قائم ہوتے ہیں نہ کہ مفادات کی بنیاد پر۔مسئلہ کشمیر جو اس خطے کا سب سے سنجیدہ ترین مسئلہ ہے سے آنکھیں پھیرنا پاکستان اور بھارت میں سے کسی کے مفاد میں نہیں ،دوسری جانب بھارت سے کشمیر کے ذریعے پاکستان کی طرف آنے والے دریاؤں کے اوپر بھارت کی جانب سے جو ڈیمز بنائے گئے ہیں اور مزید ڈیمز بنا کر پاکستان کو بنجر کرنے کی جو کوشش کی جارہی ہے وہ کسی بھی طور بھارت کیلئے معافی کے قابل نہیں ،پیپلز پارٹی کی موجودہ قیادت کو اس اہم معاملہ نزاکت اور سنجیدگی کا احساس کرتے ہوئے اپنے مفادات ایک طرف رکھتے ہوئے آگے بڑھنے کی ضرورت ہے۔دوسری جانب دونوں طرف کے کشمیری رہنماؤں کو جن کو کشمیر کے نام پر فنڈز ہڑپنے کے بجائے یکجہتی کرتے ہوئے مخلصانہ طور ہر مسئلہ کشمیر کیلئے آگے بڑھنے کی ضرورت ہے ورنہ یہ معاملہ دن بدن ٹھنڈا ہی پڑتا جائے گا۔

اسلام مخالف قوتوں کے خلاف 1.6 ارب مسلمانوں کا احتجاج ہی کافی نہیں

گزشتہ سال نومبر کے وسط میں انٹرنیٹ پر اسلام مخالف قوتوں نے اسلام کے ماننے والوں کا مذاق اڑانے کیلئے خانہ کعبہ اور دیگر مقدس مقامات کے حوالے سے انتہائی ہتک آمیز خاکے بنا کر سوشل ویب سائیٹس پر اپ لوڈ کیے تھے ۔اس سے پہلے امریکی پادری کی جانب سے قرآن پاک کو جلایا گیا تھا،ہفتوں کیا مہینوں گزرنے کے باوجود بھی پی ٹی اے نے ان کے خلاف کاروائی نہیں کی تھی اور یہ مواد پاکستان بھر میں دیکھا جا رہا تھا ،دنیا بھر کے مسلمانوں کے احتجاجی مظاہروں اور تحریکوں کی وجہ سے گزشتہ کی طرح وہ مواد ہٹایا گیا تھا لیکن ان ملزمان کے خلاف کاروائی نہیں کی گئی تھی ،میں نے گزشتہ سال 23 نومبر کو اپنے تحریر کردہ کالم میں نہایت تفصیل سے لکھا تھا کہ کس طرح اسلام مخالف قوتیں مسلمانوں کا مذاق ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت اڑاتی ہیں ،میں آج بھی اس دلیل پر قائم ہوں کہ کہ یہود ،کفار و عیسائی ایک تہہ شدہ منصوبے کے تحت مسلمانوں کے جذبات کے ساتھ کھیلتے ہیں کیونکہ انہیں مسلمانوں کی بے بسی کو پوری دنیا کے سامنے ظاہر کرنا مطلوب ہوتا ہے ،میرا ماننا ہے کہ تمام غیر مسلمانوں پر الزام ڈالنا درست نہیں لیکن چند مخصوص انتہا پسند گروہ ہمیشہ سے اسلام مخالف پروپیگنڈہ کرتے آئے ہیں انہوں نے وقت و حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے ایک بار پھر سے ،مسلمانوں

کی معصومیت' کے نام سے ایک فلم ریلیز کی ہے جس پر آج پوری دنیا کے مسلمان سراپا احتجاج بنے ہوئے ہیں اس فلم کے پس منظر کے حوالے سے جو تفصیلات سامنے آئی ہیں وہ انتہائی بھیانک ہیں کیونکہ یہ فلم امریکہ میں بنائی گئی اور اس سال جون کے آخر میں اسے سینما گھر میں دکھایا گیا۔ بعد میں اس کے چھوٹے چھوتے ٹکڑے کر کہ یوٹیوب پر اپ لوڈ کیا گیا۔ بعد میں اس منحوس فلم کا عربی میں بھی ترجمہ کیا گیا۔ بتایا جاتا ہے کہ اس منحوس فلم میں اسلام اور اللہ کے آخری بنی حضرت محمد ﷺ کے بارے میں اشتعال انگیز کلمات ادا کیے گئے (یہ عمل صرف قابل مذمت ہی نہیں قابل سزا جرم ہے)۔اس فلم میں کام کرنے والی اداکارہ 'سینڈلی لی گارسیا' نے اس امر کی تردید کی کہ ان سے اداکاری اسلام مخالف فلم کے طور پر نہیں بلکہ مصر کی 2 ہزار سال پرانی تہذیب کو دکھانے کے کیلئے فلمائی گئی تھی جس کو بعد میں ڈب کرکے تبدیل کیا گیا۔اب فلم بنانے والوں کی طرف سے جو بھی حیلے بہانے بنائے جائیں لیکن ایک بات تو سب کے سامنے عیاں ہے کہ اسلام مخالف قوتیں جب چاہیں اسلام کا مذاق اڑا دیتی ہیں اور اپنی مرضی کے مطابق اس کو ہٹا دیتی ہیں۔ اب پوری دنیا کہ مسلمان ماضی کی طرح احتجاج پر احتجاج کیے جا رہے ہیں۔ شام، مصر، پاکستان، ایران، ترکی، ملائیشا، انڈونیشیا، افغانستان، بھارت لبنان، امریکہ و یورپ غرض تمام ہی دنیا کے مسلمان اس فلم کی پرزور مذمت کر رہے، اپنے ہی شہروں میں اپنی ہی بنائی گئی عمارتوں کی توڑ پھوڑ کی جا رہی ہے، مختلف سیاسی و سماجی تنظیموں کے علاوہ

مذہبی تنظیموں کی ایک بڑی تعداد احتجاجی مظاہروں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہی ہیں، لیکن ہمیں آج یہ دیکھنا ہوگا کہ آیا یہ احتجاج کیا کافی ہے ؟کیا اس فلم کو ختم کر دینے سے اسلام مخالف قوتوں کا سدباب ہو سکے گا ؟کیا اپنے آپ کو نقصان دینے سے کفار کا یہ عمل رک جائے گا۔۔؟نہیں ایسا نہیں ہوگا یہ تحریک جیسے ہی اثر پکڑے گی، غیر مسلم ہمیشہ کی طرح معذرت کے ساتھ اس فلم پر' بین 'لگا دیں گے معاملہ آہستہ آہستہ اس طرح ماضی کا حصہ بن جائے گا جس طرح آج امریکی پادری 'ٹیری جونز 'کا قرآن پاک کو جلانے جیسا سنگین معاملہ ماضی کا حصہ بنتا جا رہا ہے۔اس متنازعہ فلم میں امریکی پادری ٹیری جونز ' کا کلیدی کردار بھی بتایا جاتا ہے لیکن آج پوری دنیا کہ مسلمان بے غیرتی' کی زندگیاں گزار رہے ہیں، ناموس رسالت کیلئے صرف ریلیاں نکالنے اور تقریریں کرنے پر ہی اکتفا کر دیا گیا ہے، جبکہ اس وقت مسلمانوں کے حکمت عملی میں تبدیلی لانے کی اشد ضرورت ہے۔

مسلمانوں کو غور کرنا چاہیے کہ جدید ٹیکنالوجی میں یہود و عیسائی ان سے بہت آگے ہیں فیس بک، ٹیوٹر، یوٹیوب اور دیگر بڑے سوشل میڈیا کا موجد اور کنٹرولر وہی غیر مسلم، ہیں وہ اپنی مرضی سے اپنی پالیسی کے مطابق کام کر رہے ہیں، کتنی ہی شرم کا مقام ہے کہ دنیا کے تقریباً 23 فیصد (1ارب 60 کروڑ سے زائد) مسلمانوں کو ایک حکمت عملی کے تحت کنٹرول کرکے بے بس کر دیا گیا ہے

۔مسلمانوں کو دیکھنا ہو گا کہ یہ وقت تلوار و بندوق کا نہیں رہایا چوکوں اور چوراہوں مین تقریریں کرنے کا نہیں رہا۔آج کے دور میں جدید ٹیکنالوجی سے دنیا تسخیر کی جاتی ہے اس لیے ہم نے اگر اسلام مخالف قوتوں کو شکست دینی ہے تو اس کیلئے ہمیں ٹیکنالوجی کے میدان میں ترقی کر کہ دنیا کو شکست دینا ہو گی ۔ نوجوانوں نکو ٹیکنالوجی کے میدان مین آگے لانا ہو گا اور اس قابل بنانا ہو گا کہ غیر مسلمانوں کے بنائے گئے پھندوں سے بھی ہمیں نجات دلا پائیں اور ان کو انکی حدود میں رکھ سکیں۔ لیکن کون کرے گا مقابلہ ؟ اور کون دے گا شکست ؟مسلمان ممالک کے سر براہان تو اپنے اقتدار کو مظبوط اور طویل کرنے کی جدوجہد میں مصروف عمل ہیں اور ان ممالک کی عوام سیاست و مذہبی فرقوں میں الجھی ہوئی ہے۔ مسلم ممالک کے انٹیلی جنس اداروں کی ناکامی سب کے سامنے ہے ، یہ ادارے نہ تو ان اسلام مخالف قوتوں کی ایسی نامناسب حرکات کی نشان دہی کر سکے ہیں اور نہ ہی ان کی روک تھام کیلئے ان کے پاس مناسب تربیت و ساز وساماں موجود نظر آتا ہے۔ مختصراً یہ کہ مسلمانوں کہ امن و سکوں کو ان غیر مسلمانوں نے اپنے ہاتھوں میں کنٹرول کیے رکھا ہے اگر دنیا بھر کہ مسلمانوں نے آج مل کر بہتر حکمت عملی نہ اپنائی اور ہنگامی بنیادوں پر کوئی اہم قدم نہ اٹھایا تو اسلام مخالف قوتیں ہمیشہ کی طرح مسلم امہ کو نچاتی رہیں گی اور مسلمان اسی طرح سڑکوں پر احتجاج کرتے ہی رہیں گے ۔

چیف جسٹس صاحب، اب عوام کیلئے بھی ایک نوٹس لے لیں۔۔؟؟

میں اپنی ماں کو ہفتے میں ایک بار فون کرکے اپنی اور ان کی خیر و عافیت دریافت کر لیا کرتا تھا،چونکہ میں اپنی ماں کا چار بچوں میں سے اکلوتا بیٹا ہوں ،جبکہ تین بہنوں میں سے دو مجھ سے بڑی اور ایک چھوٹی ہے ، میرے والد میرے بچپن میں ہی مرحوم ہو گئے تھے، اس لیے ابتداء میں ہی محنت مزدوری کرکے ماں ہی ہم سب کی کفالت کرتی رہی اور جب میں نے ذرا سا ہوش سنبھالا ،کچھ توانا ہوا تو محلے کے بچوں سے الگ ہو کر تمام ذمہ داری میں نے اپنے کندھوں پر لے لی ،بیکری کا سامان بنانے والے کارخانے میں محنت سے چار سال تک کام کیا ،ایک خداترس سے ملاقات ہوئی اس نے پاسپورٹ کی عمر پورا ہونے پر کچھ اپنے خرچے اور کچھ میرے قرض ادھار پر دیارِ غیر بلا دیا اور یہاں مجھے اسی کام میں لگوا دیا جو میں وہاں پاکستان میں کرتا تھا،اب مجھے پردیس میں آئے تیسرا سال ہونے کو ہے جس ملک میں ہوں یہاں میرا پاسپورٹ مالکان کے پاس ہے ، باہر شہر تک بھی پاسپورٹ کے بناء نہیں جا سکتے ، لیکن اللہ پاک کا احسان ہے کے مہینہ گزرنے کے بعد ایک معقول رقم حوالے ہو جاتی ہے جس میں سے 80 فیصد اپنے گھر والوں کیلئے بنک کے ذریعے بھیج دیتا ہوں باقی بیس فیصد سے اپنا یہاں کا نان نفقہ پورا کر لیتا ہوں ،اس ڈھائی، تین سالہ محنت سے ایک بہن کی شادی کروا چکا ہوں جبکہ دوسری

بہن کی شادی کیلئے گاؤں میں انتظامات کو حتمی شکل دی جا رہی ہے، تھوڑی سی جو زمین ہے اس پر بھی ان دنوں علاقے کے با اثر لوگ قبضہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں، میں ابتداً ہی گھریلو حالات کی وجہ سے فضول خرچ واقع نہیں ہوا، لیکن اس کے باوجود بھی ہفتہ میں ایک بار اپنی ماں سے بات نہ کروں تو دل کو سکون نہیں ہوتا ویسے بھی ان دنوں بہن کی شادی کے انتظامات اوپر سے زمین کے تنازعہ نے ذہنی اذیت میں مبتلاء کیے رکھا ہے ،ابھی جو سب سے زیادہ اذیت پہنچی ہے وہ کال ٹیکسز میں بھاری اضافے سے پہنچی ہے جن پیسوں میں ہم 250 منٹ بات کر لیتے تھے اب انہی پیسوں میں صرف 60 منٹ بات ہو پاتی ہے ۔یہ باتیں تھیں دیار غیر میں مقیم ایک پاکستانی کی جس نے اپنا نام 'احمد 'اور تعلق پنجاب سے بتایا نے گزشتہ روز مجھے انٹرنیٹ سے 5 منٹ کی کال کر کہ حکومت پاکستان سے ٹیکسز میں اس اضافے کو ختم کرنے کی التجا کرنے کو کہا۔'احمد کی آواز میں ایک تڑپ ،بے بسی سی تھی اور کچھ حد تک ناامیدی سی بھی ،کہنے لگا کہ ہم ' یہاں سے پاکستان کے ٹی وی چینلز دیکھتے ہیں،آن لائن اخبارات پڑھتے ہیں، شعبہ صحافت سے تعلق رکھنے والے آپ لوگ اگر ان کالز پر ٹیکسز میں اس نئے اضافے کو واپس کروا دیں تو ہم دیار غیر میں محنت و مزدوری کرنے والوں کا حق بھی ادا کریں گے اور ہماری دعاؤں کے مستحق بھی ہونگے ۔یہ تو تھی صرف ایک 'احمد ' کی مختصر سی کہانی، ابھی دیار غیر میں رہنے والے لاکھوں پاکستانیوں کی ایسی کہانیاں منتظر ہیں کہ جنہیں اگر کوئی سننے والا ہو تو سن کر دل خون کے

آنسو روئے۔

حکومت پاکستان (پی ٹی اے) نے یکم اکتوبر سے بیرون ملک سے آنے والی تمام کالز بشمول انٹرنیٹ کے 500 فیصد سے 800 فیصد تک اضافہ کر دی ،جہاں ایک طرف حکومت پاکستان (زرداری) نے دیار غیر میں اپنوں کیلیئے محنت مزدوری کرنے والوں کی گردنوں پر چھری رکھ کے پیسے نکالنے شروع کر دیئے وہاں اپنے لیے نفرت کا ایک نیا سماں بھی مہیا کر دیا ہے ،بیرون ملک مقیم پاکستانیوں کے دلوں میں جہاں پاکستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ اس طرح حکومت پاکستان اور پی پی کیلیئے نفرت پیدا ہوئی وہاں انہوں نے اپنی اس نفرت کا انتقام لینے کیلیئے پاکستان میں کالز کرنا بھی انتہائی کم دی ہیں، وہاں محنت سے کمائی ہوئی رقوم کو غیر قانونی (ہنڈی) طریقے پر اپنے خاندانوں تک بھیجنے کا بھی انتظام بھی کر رہے ہیں،تارکین وطن نے پاکستانی بنکوں کا مکمل بائیکاٹ کرنے کا بھی اعلان کر دیا ہے (کچھ نے تو بھارتی بنکوں کے ذریعے رقوم بھیجنے کا بندوبست کر دیا ہے)جو حکومت پاکستان کیلیئے سنجیدگی سے سوچنے کا مقام ہے ،تارکین وطن نے 10 دن کی دی گئ ڈیڈ لائین مکمل ہونے پر تمام ملکوں میں موجود پاکستانی سفارت خانوں کے سامنے پر امن احتجاجی مظاہرے کرنے کا اعلان بھی کر رکھا ہے ، سوشل میڈیا کے ذریعے سینکڑوں تارکین وطن نے مجھ سمیت دیگر بہت سے قلم کاروں سے رابطے کیے اور حکومت پاکستان سے اس ٹیکس میں اضافہ کو واپس لینے کیلیئے دباؤ

ڈالنے کو کہا ہے ، اور اپیل کی کہ چیف جسٹس کو کہیں کہ وہ اس معاملے پر بھی سو موٹو ایکشن لیں،تارکین وطن نے پاکستان کی تاریخ میں پہلی بار اس طرح اپنی بے بسی ظاہر کرتے ہوئے بتایا کہ ہم یہاں آرام و سکون میں تھے اور اس غلط فہمی میں تھے کہ بے شک پاکستان میں چوروں اور لوٹیروں کی حکومتیں آتی رہیں ہم ان کے شر سے محفوظ رہیں گے محنت مزدوری کر کہ اپنوں کی مدد کرتے رہیں گے لیکن اس بار ایسا نہ ہوا مسٹر 10 پرسنٹ نے ہمارے اوپر ایسا شکنجا کس دیا کہ ہمیں سبنھلنے کی فرصت تک نہ رہی۔ بیرون ممالک کشمیریوں کی ایک بہت بڑی تعداد محنت مزدوری کر کہ اپنے خاندانوں کو سپورٹ کر رہی ہے، کشمیری کمیونٹی نے کالز پر حالیہ ٹیکسز میں اضافے کو مسترد کرتے ہوئے اس کے خلاف احتجاجی تحریک چلانے کا عندیہ دے دیا ہے۔

حکومت پاکستان نے پی ٹی اے کے توسط سے دیار غیر میں رہنے والے اچھوں کو یاد کروا دیا کہ اس وقت پاکستان میں پیپلز پارٹی وزرداری کی حکومت قائم ودائم ہے جو پاکستان کے عوام کا تو خون تک نچوڑ چکی ہے اب بیرون ممالک مقیم پاکستانیوں کے خون کی باری ہے ، جب تک اس حکومت کا اختتام نہیں ہوتا یہ غریبوں کے خون اسی طرح نچوڑتے ہی رہیں گے ،ایک طرف توتارکین وطن جنھوں نے ہر مشکل وقت میں پاکستان کا ساتھ دیا ہے موجودہ حکومت سے یہ مطالبہ کرتے نہیں تھک رہے کہ کالز پر حالیہ اضافی ٹیکس کے فیصلے کو واپس لیا جائے دوسری

طرف تارکین وطن کا پاکستانی میڈیا سے جائز شکوہ بھی ہے کہ اس اہم ترین مسئلے کو کیوں پس پشت ڈالا جا رہا ہے۔ تیسری طرف پاکستان کے عدالتی نظام پر انگلیاں اٹھائی جا رہی ہیں کہ عدالتیں ابھی تک کیوں خاموش ہیں ،اس اہم ترین عوامی ایشو پر سوموٹو ایکشن کیوں نہیں لیا جا رہا۔۔! ویسے تو موجودہ عدلیہ نے اس عوام کو ایک حد تک سہارا ضرور دیا ہے کہ حکومت کے خلاف جیسے تیسے کر کہ کچھ ایکشن تو لیے اور ان پر عمل بھی کسی حد تک کروا ہی دیا، ورنہ ان (پیپلز پارٹی کے) حکمرانو کے بس میں اگر ہو تو جس طرح یہ ملک سے لوٹی ہوئی دولت جو غیر ملکی بنکوں میں اپنے اکاؤنٹس میں محفوظ کیے بیٹھے ہیں یہ لوٹیرے پوری قوم کا ایک بار سودا ہی کر ڈالیں۔ پاکستان کا میڈیا جو کچھ سنجیدہ لوگوں کے نزدیک ابھی 5,6 سال کا بچہ ہے اس کو بچوں کی طرح میچور ہونے میں ابھی وقت لگنا ہے لیکن میرے خیال میں اس سب کے باوجود اس کاروباری میڈیا نے کچھ اچھے کام بھی کیے ہیں جو قابل ستائش ہیں ، ابھی پاکستان کے تمام میڈیا نمائندگان سے یہی درخواست ہے کہ براہ مہربانی اس اہم ترین ایشو پر جس میں لاکھوں پاکستانی بیک وقت متاثر ہوئے ہیں،اس کے حقائق کو مد نظر رکھتے ہوئے جامع رپورٹس بنائی جائیں اور حکومت کی اس نا انصافی کو پوری دنیا کے سامنے لایا جائے، پاکستان میں موجود بڑے سیاسی ٹھیکیداروں کو جو ابھی وفاقی یا صوبائی حکومتوں میں ہیں یا مستقبل قریب میں حکومت بنانے کے لیے اپنی باری کا انتظار کر رہے ہیں سے بھی پوچھا جائے کہ وہ اس اہم مسئلے پر اپنا

کیا کردار ادا کر رہے ہیں ، کیوں خاموش ہیں۔ عمران خان جو ہر اہم ایشو پر احتجاجی ریلیاں کرتے ہیں اس اہم مسئلے پر بھی غور کریں، اس سے ان کو بھی دو بڑے فائدے ہوں گے، ایک سیاسی اور دوسرا ان لاکھوں لوگوں کی دعاؤں کی صورت میں، جس کی ان دنوں کی خان کو بہت ضرورت ہے کیونکہ وہ بہت سے لوگوں کیلئے امید کی ایک کرن بن کر ابھرے ہیں جس کی حالیہ مثال وزیرستان تک کامیاب امن مارچ سرفہرست ہے اس وقت پاکستان میں رہنے والے ہر ایک پاکستانی کو دیار غیر میں بسنے والے اپنوں کا، سہارا بننے کی ضرورت ہے کیونکہ یہی دیار غیر والے ہی مشکلات میں ہمارا دنیاوی سہارا بنتے آئے ہیں،تارکین وطن سے حکومت ووٹ دینے کا حق پہلے ہی چھین چکی ہے۔ دیار غیر میں بسنے والوں سے اب یہی التجا ہے کہ خدارا اپنے اتحاد کو قائم و دائم رکھیں مل کر ایک بڑا اور ایسا موثر پلیٹ فارم بنائیں کہ جب یہ بہروپیے سیاستدان سیر سپاٹے، یا فوٹو سیشن کیلئے آپ کے پاس جائیں تو ان کے اعزاز میں تقریبات منعقد کروانے کے بجائے ان کا مکمل بائیکاٹ کریں ،سفارتی سطح پر اس مسئلے کو اٹھائیں تبھی یہ مسئلہ حل کی جانب جا سکتا ہے۔دیار غیر میں محنت کرنے والے عزیزو سے ایک اور درخواست ہے کہ ایک اور اہم چیز ذہن میں رکھنے کی ضرورت ہے کہ یہاں حکومتوں نے آنا جانا ہوتا ہے، مشرف کو ہی دیکھ لیں یہاں حالات پانسا پلٹتے دیر نہیں لگاتے ممکن ہے کل پاکستان کے حالات بھی تبدیل ہو ہی جائیں اس لیے کوئی ایسا عمل نہ کریں جو ملک و قوم کیلئے مزید شرمندگی کا باعث بنے لیکن

اپنے جائز حق کیلیے خاموش رہنا خود کے ساتھ اور آنے والی نسلوں کیلیے بہت بڑی نا انصافی بھی ہے اس لیے نا انصافی کے خلاف جہاد سے پیچھے بھی نہ ہٹیے گا۔

اب آخر میں چیف جسٹس آف پاکستان سے درخواست ہے کہ اس قومی و عوامی مسئلے پر ترجیحی بنیادوں پر سوموٹوایکشن لے کر لاکھوں تارکین وطن کے ساتھ انصاف کریں ۔اس وقت تمام تارکین وطن کی امیدیں صرف اعلیٰ عدلیہ سے وابستہ ہیں جس کا کنٹرول آپ کے اختیار میں ہے، اس لیے مجھے اور لاکھوں تارکین وطن کو امید ہے کہ آپ ہم سب کی امیدوں و توقعات کو رائیگاں نہیں جانے دیں گے ۔

آزاد کشمیر میں روائیتی سیاست کاری اور آزادی پسندوں کا کردار

اس وقت آزاد کشمیر میں کون سی سیاسی جماعت کس پوزیشن میں ہے ،مسئلہ کشمیر کے حوالے سے کون سے لوگ کردار ادا کر رہے ہیں ،آزادی پسند ذاتی مفادات سے بالا تر ہوئے ہیں کہ نہیں ؟میں ایک سیاسی پارٹی بنانا چاہتا ہوںجو صرف یواین کی اس قرار داد کے حوالے سے کام کرے جس میں رائے شماری کیلئے مجوزہ طریقہ کار بتایا گیا تھااس لیے مجھے مشورہ دیں کہ اس تمام صورت حال میں میں کیا کروں ؟ یہ سوال تھے میرے ایک دوست کہ جو لمبے وقت سے یورپ میں مقیم اور سیاست سے عملاً دور ہیں ۔اس لیے میں نے اس دوست سمیت باقی لوگوں کیلئے جو آزاد کشمیر کی موجودہ سیاست کے حوالے سے جانا چاہتے ہیں کیلئے یہ تحریر اپنے ذاتی تجزیے کیلئے لکھ دی ہیں ،آزاد کشمیر کی سیاست ایک اپنا الگ ہی انداز ہے ،ایک عرصہ تک حکومت کرنے والی اور واحد ریاستی جماعت ہونے کا ناجائز دعویٰ کرنے والی مسلم کانفرنس کا وجود مفلوج ہو چکا ہے ،عتیق خان اپنے سپہ سالار کے ساتھ میدان میں اپنے وجود کو برقرار رکھنے کیلئے دن رات ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں ،شہر شہر پروگرامات منعقد کروائے جا رہے ہیں ،رہے سہے کارکنان کو بچانے کیلئے سیاسی اصولوں کو بھی خاطر میں رکھے بغیر جماعتی تقرریاں کی گئیں جن پر کارکنان کے تحفظات ختم نہیں ہو رہے ،کچھ ایسے لوگوں کو جو اپنے پارٹیوں سے کنارہ کشی

کر چکے تھے ان کو لانے کیلئے حکمت عملی ترتیب دی جا رہی ہے، طلباء یونٹ ایم ایس ایف کا تقریباً صفایا ہو چکا ہے، اس سیاسی نظام میں حکومتی ایوانوں میں واپسی مشکل لیکن ناممکن نہیں ہے خود کو سواد اعظم کی چیمپین کہنے والی جماعت کو اب لمبے عرصے تک انتظار کرنا پڑے گا لیکن اس پرٹی کے موجودہ صدر سردار عتیق خان جو ایک اچھے سیاسی ورکر تو ضرور ہیں لیکن نظام حکومت چلانا ان کے بس کی بات نہیں، مسئلہ کشمیر کے حوالے سے منعقدہ فورمز پر بیرونی ممالک کے دوروں پر جا کر کشمیر کی نمائندگی کرتے رہے ہیں۔ جموں کشمیر پیپلز پارٹی جو آزاد کشمیر میں محدود ووٹ بنک رکھتی ہے اور پاکستان مسلم لیگ ن کے ساتھ الیکشن اتحاد قائم ہوئے ہے، جماعت کے صدر سردار خالد ابراہیم خان ایک بڑی سوچ کے حامل شخص ہیں جن کی نظر دنیا میں وقوع پذیر بڑے معاملات اور نظام حکومتوں پر ہوتی ہے، مسئلہ کشمیر کے حوالے سے عالمی کانفرنسز میں شرکت بھی کرتے ہیں لیکن اس سب کے باوجود ان کے پاس کارکنان کی تعداد محدود ہے مستقبل بعید تک اس پارٹی کی حکومتی ایوانوں میں نمائندگی ممکن نظر نہیں آتی ۔

جماعت اسلامی مخصوص اسلامی نظریے کے ماننے والوں کی جماعت ہے جماعت کیلئے کام کرنے والے تربیت یافتہ کارکنان کی ایک بڑی کھیپ موجودہ امیر جماعت اسلامی آزاد کشمیر عبدالرشید ترابی، نائب امیر ڈاکٹر خالد محمود اور سابق

امیر اعجاز افضل خان کی موجودگی میں ہر وقت متحرک رہتی ہے اور یہ رہنماء مسئلہ کشمیر کے حوالے سے بین الاقوامی فورمز پر بھی جاتے ہیں ، تمام دس اضلاع میں جماعت کی نمائندگی موجود ہے ، شباب ملی کی مکمل حمایت اور طلبہ یونین اسلامی جمعیت طلبہ کو وسیع اور متحرک ترین نیٹ ورک کے باوجود عام عوام میں مقبولیت کم ہونے اور اپنے کارکنان کی فلاح تک ہی محدود رہنے کے ایجنڈے کی بناء پر حکومتی ایوانوں تک رسائی مستقبل بعید میں بھی نظر نہیں آتی ۔ مسلم لیگ ن جو آزاد کشمیر میں مسلم کانفرنس کی توڑ پھوڑ اور ایک مخصوص برادری کی قیادت و سپورٹ کی وجہ سے وجود میں آئی اور کچھ مضبوط ہوئی ،آزاد کشمیر کے گزشتہ الیکشن میں پنجاب میں ن لیگ کی حکومت ہونے کی بناء پر مہاجرین کی سیٹیں لینے میں کامیاب ہو کر آزاد کشمیر اسمبلی کی دوسری بڑی جماعت بن گئی ۔اس جماعت کو جو مواقع اپوزیشن لیڈر شپ ملنے کی حیثیت سے میسر آئے وہ اس نے چاپلوسی اور مجید حکومت کے اقتدار کو طول دینے کی ساز باز اور اندرونی خلفشار میں شرکت کر کہ اپنی حیثیت کم کر دی گو کہ آزاد کشمیر میں قائم اس جماعت کے فیصلے بھی رائیونڈ سے مسلط ہوتے ہیں لیکن اس کے باوجود آزاد کشمیر ہیں اس کے کارکنان اور سابق صدر و وزیر اعظم سکندر حیات ، سابق وزیر اعظم راجہ فاروق حیدر ، نجیب نقی و دیگر پارٹی رہنماؤ ں کی ایک لمبی فہرست ان کے پاس موجود ہے ، لیکن مرکز کے اندرونی اختلافات اور ن لیگ کا آزاد کشمیر میں طلباء یونٹ انتہائی غیر فعال ہونے کی وجہ سے پارٹی کے

پروگرامات میں کشش نہ ہونے کے برابر ہے لیکن پاکستان میں آئندہ ہونے والے جنرل الیکشن پر اس جماعت کے تمام رہنماؤں و کارکنان کی امید ہے کہ وہاں حالات ن لیگ کے حق میں ہوں تو یہاں خود بخود ن لیگ اکثریت میں آجائے گی ، لیکن یہ ان کے سوہانے خواب ہی لگتے ہیں کیونکہ اگر پاکستان میں ن لیگ حلیفوں کے ساتھ مل کر اکثریت میں آ بھی جاتی ہے تو یہاں آزاد کشمیر میں کارکنان و رہنماؤں کو اپنے حالات اپنی کارکردگی سے خود بدلنے ہونگے ۔ایم کیو ایم آزاد کشمیر میں مہاجرین کی سیٹوں سے نازل ہونے والے طاہر کھوکھر اور سلیم بٹ کے ناموں تک ہی محدود ہے ،کارکنان کی ایک بہت مختصر سی تعداد ہر ضلع میں موجود ہے،آزاد کشمیر کی عملی و اصولی سیاست میں اس پارٹی کا کوئی کردار نہیں لیکن اس کے باوجود آزاد کشمیر اسمبلی میں ایک،دو نشستیں ہونے کی وجہ سے حکومت سے اپنے کام نکلوا دیتی ہے ۔ تحریک انصاف آزاد کشمیر تمام 10 اضلاع میں کچھ نہ کچھ موجود تو ہے لیکن تحریک انصاف کے کارکنان و رہنماء بھی انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں ، لیکن تحریک انصاف کا طلباء یونٹ آئی ایس ایف آزاد کشمیر بھر میں سب سے زیادہ متحرک قرار دیا جاسکتا ہے ،اس طلبہ یونٹ کو قیادت کی ضرورت ہے لیکن پی ٹی آئی آزاد کشمیر کی سرپرستی کی ذمہ داری مصدق خان کے پاس ہے جو پاکستان کے گرمائی چھ ماہ یورپ میں اور سرمائی کے چھ ماہ پاکستان میں گزارتے ہیں ،آزاد کشمیر میں مخلص کارکنان تو موجود ہیں لیکن آزاد کشمیر میں تحریک انصاف کے پاس بھی قیادت موجود نہیں ۔اس لیے

اس جماعت کی نظریں پاکستان کے جنرل الیکشن میں سونامی کے آنے کا انتظار کر رہی ہیں جمیعت طلباء اسلام آزاد کشمیر میں چند ہی مخصوص لوگ شامل ہیں ان کا سیاست سے ، عملاً تعلق نظر نہیں آتا۔ پاکستانی پیپلز پارٹی جو اس وقت آزاد کشمیر کی سب بڑی سیاسی جماعت اور مرکزی جماعت وفاق میں بھی پانچ سال سے برسر اقتدار ہے اور آزاد کشمیر میں بھی اسی جماعت کی گزشتہ 14 ماہ سے حکومت ہے اس پارٹی کے پاس مفاد پرستوں کی لمبی قطار موجود ہے ،اس پارٹی کی آزاد کشمیر میں موجود حکومت میں 24 وزیر،25 مشیر 30 کوآرڈی نیٹر ہیں جو ماہانہ اربوں عوامی روپے ا± ڑا رہے ہیں لیکن کارکردگی نہ ہونے کے برابر، لیکن اس کے باوجود آزاد کشمیر میں 14 ماہ کی اس حکومت نے تعلیمی میدان میں عملاً بڑے اقدامات کیے ہیں جس میں یونیورسٹیاں اور میڈیکل کالجز کے کارنامے نمایاں ہیں ،حکومتی پارٹی میں گروپنگ کی وجہ سے وزیر اعظم کو بلیک میل کر کہ مفادات حاصل کرنے والے وزیروں اور مشیروں کی تعداد کثیر ہے ،حکومت چلانے والی پارٹیز میں گروپ بندی کوئی بڑی بات نہیں لیکن اس حدتک عوام دشمنی اور کرپشن ناقابل معافی ہے ، پیپلز پارٹی سے تعلق رکھنے والے یعقوب خان کو صدر حکومت بنایا گیا جو اس وقت وفاق کی آشیر باد، پیپلز پارٹی کی مرکزی قیادت اور آزاد کشمیر بھر میں اپنے اثرو رسوخ کی وجہ سے بااثر ترین شخص ہیں ، لیکن عالمی فورمز پر مسئلہ کشمیر اجاگر کرنے میں زیادہ کامیاب نہیں رہے۔ پیپلز پارٹی آزاد کشمیر کے پاس مزے سے اقتدار کے مزے لوٹنے کے دن کم رہ

گئے ہیں ، پیپلز پارٹی آزاد کشمیر پر یہ الزام بجا طور درست ہے کہ ان کے تمام چھوٹے بڑے فیصلے زرداری ہاؤس یا فریال تالپور سے ہو کر نافذ ہوتے ہیں، جیسے ہی وفاقی حکومت تبدیل ہوتی ہے آزاد کشمیر والوں کی عیاشیاں بھی ساتھ ختم ہو جائیں گی۔آزاد کشمیر بھر میں آزادی پسندوں کی ایک بہت بڑی تعداد موجود ہے جو پاکستان اور ہندوستان دونوں سے علیحدگی آزاد کشمیر کو خود مختار ریاست، معاہدہ کراچی ،گلگت آرڈر نا منظور اور آزاد کشمیر میں لینٹ آفیسران کی بے دخلی کا مطالبہ کرتے ہیں ،تمام دس اضلاع میں ان کے پاس بھرپور نمائندگی موجود ہے اور بیرون ممالک موجود کشمیری کمیونٹی کی سب سے زیادہ حمایت بھی انہی کو حاصل ہے ،آزادی پسندوں میں درجن سے زائد گروپ بنے ہوئے ہیں لیکن موجودہ وقت میں '' قومی انقلابی تحریک '' 'نرم 'کے پلیٹ فارم پر تمام آزادی پسند اکھٹے ہوئے ہیں جو ان کے مقصد کیلئے اور مسلہ کشمیر کے لیے خوش آئیند امر ہے ،اگر یہ فورم کامیابی سے سفر کرتا رہا تو آزاد کشمیر میں حقیقی اپوزیشن یہی فورم کرے گا اور حکومت پر اس کا اثر بھی پڑنے کے ساتھ یہ اپنے مطالبات کو منظور کروانے کی جانب بھی بڑھ سکتے ہیں ۔اب دیکھنا یہ ہے کہ میرے اس دوست اور ان جیسے دیگر لوگ جو اپنی الگ سے دو اینٹوں کی مسجد بنانے کے خوائش مند تھے ، کسی اور پارٹی کہ سفر میں شریک کار ہوتے ہیں یا کوئی اور اقدام کرتے ہیں یہ فیصلہ اب ان پر ہے ۔

عزت مآب عتیق خان، باغی نوجوان اب پتھراؤ کرنے والے ہیں

صدر مسلم کانفرنس وسابق وزیر اعظم عتیق احمد خان 1955ء میں غازی آباد دھیر کوٹ میں پیدا ہوئے ۔بزرگ سیاستدان و سپریم ہیڈ مسلم کانفرنس قیوم خان کے عروج وزوال کے دور کو انھوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ،بین الاقوامی تعلقات عامہ میں ماسٹرز ڈگری حاصل کی، سعودیہ کی مدینہ یونیورسٹی سے 2 سالہ عربی کورس بھی مکمل کیا،اردو ،انگریزی اور عربی زبان میں ملکی و غیر ملکی اخبارات میں مذہبی، سیاسی ،سماجی و دیگر موضوعات پر کالم لکھتے رہے ، ستمبر 2006ء میں او آئی سی کے 57 ممبر ممالک کی سالانہ کانفرنس میں جو نیویارک میں ہوئی کشمیر ایشو کے حوالے سے شرکت کی ،دنیاکے نازک معاملات جن میں یواین او،او آئی سی ، مشرق وسطیٰ ،یورپ ،امریکہ ،ایشیا، افریقہ اور دیگر ایشوز پر جب بلائے جاتے ہیں تو اپنی خدمات و ذہانت سے دنیا کو آگاہ کرتے ہیں ،پانچ مرتبہ آزاد کشمیر کی اسمبلی سے ممبر اسمبلی منتخب ہوئے ہیں ،اپنی وزارت عظمیٰ کے دوران آزاد کشمیر میں ترقی کیلئے بین الاقوامی این جی اوز کی حوصلہ افزائی کرنے کے ساتھ صنعتی شعبہ میں پبلک پرائیویٹ اکنامک پارٹنر شپ کو متعارف کروانے کا سہرا بھی خود کو ٹھہراتے ہیں ۔گلوبل وارمنگ ،ماحولیاتی ترقی اور'' سرسبز و ہنر مند کشمیر'' کے پیغام کو عوام میں عام کرنے کیلئے کام کیا، وزارت عظمیٰ کے دوران عتیق خان سول

ملٹری ڈیموکریسی کی حمایت کرتے رہے ہیں انہوں نے نے کشمیر بنک، کشمیر ہائی وے اتھارٹی، کشمیر کلچرل اکیڈمی، سوشل ری ہیبلی ٹیشن ٹرسٹ، کشمیر ٹورازم ڈیولپمنٹ اتھارٹی سال ڈیم اتھارٹی و دیگر نئے محکمے تخلیق دیئے۔ مخالفین کا ان کے نئے تخلیق کیے جانے، والے محکموں پر بھی سخت اختلاف رہا ہے اور یہ باتیں سامنے آتی رہیں کہ اپنے لوگوں کو ایڈجسٹ کرنے کیلئے حکومتی فنڈ کے بے دریغ استعمال کیلئے یہ محکمے تخلیق کیے گئے۔ اپنے سال 5 ماہ کے اپنے پہلے دور اقتدار کے دوران عتیق خان نے 121 دن غیر ملکی 2 دوروں پر، 151 دن مظفر آباد اور 615 دن آزاد کشمیر و پاکستان کے دیگر شہروں میں گزارے۔ دوسرا دور اقتدار بھی کم و بیش 1 سال تک رہا۔

ضلع باغ کی تحصیل دھیر کوٹ کے عباسی خاندان سے تعلق رکھنے تعلق رکھنے والے عتیق خان نے پہلے اپنے والد محترم بزرگ سیاستدان قیوم خان کے اقتدار اور بعد میں اپنے اقتدار کو بچانے کیلئے سخت جدوجہد کی لیکن کامیاب نہ ہوسکے۔ 1388 مربع کلو میٹر پر مشتمل باغ کو 1988ء میں ضلع پونچھ سے علیحدہ کر کہ ایک نئے ضلع کا درجہ دیا تھا، ضلع باغ کے شمال کی جانب دار لحکومت مظفر آباد، جنوب کی جانب پونچھ ہے۔ مشرق کی جانب بھارتی مقبوضہ کشمیر کا ضلع پونچھ اور ایبٹ آباد اور شمالی وزیرستان کے علاقے ہیں۔ باغ کو مظفر آباد سے ملانے کیلئے 2 سڑکیں سدھن گلی سے مظفر آباد 80 کلومیٹر جبکہ کوہالہ سے مظفر

آباد 97 کلومیٹر ہے، پونچھ ڈویژنل ہیڈ کواٹر سے باغ کا فاصلہ 46 کلو میٹر ہے۔ 5 لاکھ سے زائد آبادی والے اس ضلع کی تین تحصیلیں باغ، ہاڑی گہل اور دھیر کوٹ ہیں۔ باغ سے تعلق رکھنے والے نامور سیاستدانوں راجہ ممتاز حسین راٹھور، عبدالقیوم خان کی عملی سیاست کے بعد اب اس وقت جو نامی سیاستدان موجود ہیں جو الیکشن کا حصہ بنتے ہیں ان میں عتیق احمد خان مسلم کانفرنس، رشید ترابی جماعت اسلامی، قمرالزمان پیپلز پارٹی، میر اکبر خان مسلم کانفرنس، کرنل (ر) نسیم، راجہ یسیٰن، چوہدری یٰسین، راجہ آصف علی، سردار طاہر، امجد یوسف، و دیگر شامل ہیں۔

آزاد کشمیر کی تاریخ گواہ رہی ہے کہ یہاں جو بھی عوام کے ووٹوں سے حکمران بنا اس نے اپنے علاقے کو جہاں سے اس نے اسمبلی ممبر کی سیٹ جیتی اس حلقے کو اسمبلی اعلیٰ مقام ملنے کے بعد یکسر نظر انداز کیا، کچھ ایسا ہی حال صدر مسلم کانفرنس و سابق وزیر اعظم عتیق خان کے ساتھ بھی ہے، گزشتہ ہفتے ایک پورا دن عتیق خان کے اس حلقے ایل اے 13 باغ 1 میں ہی گزرا جہاں سے وہ ممبر اسمبلی منتخب ہوئے، اس حلقے میں ان کے مد مقابل میجر (ر) لطیف خلیق کا تعلق جماعت اسلامی جبکہ راجہ آصف علی کا تعلق پاکستان پیپلز پارٹی سے تھا، 12 ہزار کے قریب ووٹ حاصل کرنے والے پیپلز پارٹی کے راجہ آصف علی کو حکومتی مشیر بنادیا گیا ہے آٹھ یونین کونسلز جن میں

، رنگلہ، ملوٹ، دھیر کوٹ، ہل سرنگ

چوالا، سالھیاں، کھیالا، چمیاٹی، و دیگر اہم مقامات شامل ہیں میں سخت مقابلے کے بعد عتیق احمد خان ،جماعت اسلامی کے امیدوار میجر (ر) لطیف خلیق کو 4 ہزار کے قریب ووٹوں کی برتری سے شکست دینے میں کامیاب ہو گئے ، عتیق خان نے 21 ہزار ،میجر ر) لطیف خلیق جو جماعت اسلامی و ن لیگ کے مشترکہ امیدوار تھے انہوں نے 17 ہزار) ووٹ حاصل کیے۔ گزشتہ اسمبلی میں اکیلی راج کرنے والی مسلم کانفرنس عتیق خان کی سیاہ سیاست کاریوں کی وجہ سے کل چار نشستیں جیتنے میں کامیاب ہوئی الیکشن میں مجموعی طور پر مسلم کانفرنس کو عبرتناک شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ہم نے اپنے دورے کے دوران غازی آباد، نیلہ بٹ، چڑالہ ، سوہاوہ، سیسر،پنیالی و دیگر مقامات کا تفصیلی دورہ کیا، غازی آباد سے چڑالہ کا راستہ 10 کلومیٹر سے زائد نہیں ہو گا لیکن یہ سفر ہمیں عشروں سے مرمت نہ کیے جانے کی وجہ سے 1 گھنٹہ سے زائد میں طے کرنا پڑا،اس سڑک کی حالت اس حد تک خراب ہے کہ خراب موسم میں خدانخواستہ کسی دن کوئی بڑا حادثہ ہو سکتا ہے۔ چڑالہ سے سیسر و سوہاوہ کیلئے جانے والی سڑکوں کی حالت دیکھ کر ان لوگوں پر ترس آتا ہے جو یہاں روزانہ سفر کرتے ہیں ، چڑالہ سے ساہلیاں اور ہل جانے والی سڑکوں کی حالت بھی رو دینے والی ہے ، دھیر کوٹ سے سانگھڑا اور چمیاٹی جانے والی سڑکیں بھی اپنی حالت کو رو رہی ہیں ، سوہاوہ میں تو سول سوسائیٹی کے نمائندگان نے حکومتی مدد کے بغیر اپنی مدد آپ کے تحت سڑک کی مرمت شروع کر رکھی تھی 4 کلوٹ تو ہم نے خود ان لوگوں کے ہاتھوں

سے بنے ہوئے دیکھے ہیں، سوہاوہ میں مسلم کانفرنس کے بزرگ کارکن ورہنماء عبدالخالق سے ملاقات ہوئی جنھوں نے ماضی سے اب تک کے سیاسی وحکومتی حالات کا رونا رویا اور کسی بھی قسم کے ترقیاتی کام نہ ہونے کا ذمہ دار مسلم کانفرنس سمیت سب کو ٹھہرایا وہاں یہ بھی علم ہوا کہ گلباز خان پیپلز پارٹی سوہاوہ کمیٹی کے انچارج کو 3 لاکھ بیس ہزار، روپے ترقیاتی بجٹ میں سے ایم ایل اے فنڈ میں سے دیئے گئے لیکن ان میں سے ایک روپیہ بھی علاقے کیلئے خرچ نہ ہو سکا، سوہاوہ سے واپسی پر بنیادی مرکز صحت کا دورہ بھی کیا، مرکز صحت کی عمارت جو کسی غیر ملکی ادارے نے بہت خوبصورتی سے بنائی تھی کے باہر سید شجاہ احمد گردیزی، پی ایچ ڈی ڈاکٹر یاسر عباسی و دیگر معززین جمع تھے نے مزار شریف و دیگر عوامل پر تفصیلی گفتگو کی، مرکز صحت کے دورے کے دوران ایکاہم انکشاف سامنے آیا کہ اس مرکز صحت میں لیڈی ڈاکٹر بشریٰ رحمان تعینات ہے لیکن آج تک ان کو یہاں کسی نے حاضر نہیں دیکھا جبکہ ان کی تنخواہ ہر ماہ ان کے اکاؤنٹ میں منتقل کر دی جاتی ہے اس کی تصدیق بہتر طور پر متعلقہ محکمہ کر سکتا ہے۔

دورے کے دوران سول سوسائیٹی کے نمائندگان نے ہر جگہ خوش آمدید کہا، علاقے کے مسائل، سیاست و معاشرت کے حوالے سے تفصیلی گفتگو کی، عتیق احمد خان کے حوالے سے جب فورم میں موجود لوگوں سے پوچھا کہ وہ اس حلقہ سے منتخب ہوئے

تھے اس کے بعد وہ اس عوام کے پاس کتنی مرتبہ تشریف لائے ہیں تو یہی جواب ملا کہ سننے میں آیا ہے کہ وہ دل کے عارضے میں مبتلا ہیں اس لیے وہ سڑک کے راست باغ تشریف نہیں لاتے کیونکہ سڑکوں کی حالت آپ کے سامنے ہے ،جب انہوں نے آنا ہو تا ہے ہیلی کاپٹر سے آتے ہیں اور ان کی رہائش گاہ پر لوگ ان سے ملنے جاتے ہیں ، جبکہ مسلم کانفرنس کی زیادہ بھاگ دوڑ سنبھالنے والے عتیق خان کے فرزند عثمان عتیق کے بارے میں بتایا گیا کہ وہ کبھی بھی چڑالہ ، سوہاوہ یا دیگر یونین کونسلز کی طرف آنا گوارا نہیں کرتے ۔ مسلم کانفرنس کی قیادت کے اس حلقہ میں لوگوں میں نہ آنے کی وجہ یہ بھی معلوم ہوئی کہ وہ اس حلقہ کو اپنی ذاتی جاگیر سمجھتے ہیں ان کے نزدیک یہاں سب ان کے مزارعے ہیں جو صرف ان کی خدمت مدارت کیلئے تخلیق کیے گئے ہیں ، یہ بھی بتایا گیا کہ کچھ عرصہ پہلے تک تو ان کے سوا کسی اور کو ووٹ دینا گناہ سمجھا جاتا تھا لیکن اب حالات تبدیل ہو رہے ہیں میجر (ر) لطیف خلیق جیسے لوگوں نے اپنے بہتر کام کی بنیاد پر عوام میں جڑیں مضبوط کرنا شروع کر دی ہیں جو مسلم کانفرنس کی اجارہ داری کو ختم کرنے میں مددگار ثابت ہو رہے ہیں ،چڑالہ بوائز انٹر میڈیٹ گورنمنٹ کالج کی عمارت کو دیکھتے ہوئے خود بھی شرم محسوس ہو رہی تھی ،زلزلہ کے بعد غیر ملکی اداروں کے فنڈ سے تعمیر ہونے والا یہ منصوبہ جس ست رفتاری سے شروع ہے اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ صدیوں تک یہ منصوبہ مکمل نہیں ہو گا ،دو مزدور پتھر توڑ رہے ہیں اور جو محکمہ اس کو تعمیر کر

رہا ہے اس کا نمائندہ نہ ہمیں وہاں تلاش کرنے کے باوجود ملا اور نہ وہاں کی سول سوسائیٹی کو ملتا ہے ۔کالج کی عمارت کی چھت ادھوری ہے بارش ہونے کی صورت میں پانی کلاسز کے اندر آ جاتا ہے، جبکہ اس منصوبے کا 70 فیصد سے زائد کام ابھی 7 سال گزرنے کے بعد بھی باقی ہے اور 150 سے زائد کالج کے طلبہ کو بارش کی صورت میں گھروں کو لوٹ جانا پڑتا ہے ۔ادارے کے پرنسپل ڈاکٹر محمد انور و دیگر سٹاف کے مطابق ان کو شدید مسائل کا سامنا ہے کوئی بھی حکومتی اہلکار ان کے پاس ایسا نہیں آتا جو ان مسائل کو دور کرنے کیلئے سنجیدہ ہو۔کالج انتظامیہ نے ادارہ کے معاملات چلانے کیلئے ساتھ واقع مڈل سکول سے پرنسل آفس (کھوکھے) کی جگہ ادھار پے لے رکھی ہے ۔انٹر کی کلاسز بھی چلانا پڑتی ہیں اس لیے ٹوٹی پھوٹی عمارتthاور th10 کالج کے ساتھ 9 میں بچوں کو پڑھانے کیلئے بٹھا دیا جاتا ہے ۔غازی آباد کے قریب موجود بنیادی مرکز صحت کی عمارت تو غیر ملکی اداروں نے اچھی بنائی ہے لیکن اس کے اندر نہ متعلقہ سٹاف ملتا ہے نہ ہی ادویات ، مریضوں کو علاج کیلئے باغ یا مظفرآباد تک جانا پڑتا ہے ۔اس دورے کے دوران حلقہ بھر میں جہاں بھی جانا ہوا جس بھی جماعت کا ورکر ملا اس نے عتیق خان کو تمام خرابیوں کے ذمہ دار ٹھہرایا لوگوں کا شکوہ جو جائز بھی معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ بزرگ سیاستدان قیوم خان جو ساری زندگی اقتدار میں رہے ۔ان کے بعد ان کا بیٹا بھی دو عشروں سے سیاست میں بھی ہے اور اقتدار میں بھی رہا۔یا کم سے کم حلقہ کا ایم ایل اے ضرور رہا ہے

لیکن اس سب کے باوجود اس علاقے کو دیکھنا تو دور لوگوں کے درمیان آنا بھی ان لوگوں کو گوارہ نہیں ہے۔

باغ میں جہاں نامور سیاستدانوں نے جنم لیا وہاں اس اہم ترین مقام پر عتیق خان جیسے اعلیٰ تعلیم یافتہ شخص کو سیاست بھی میسر آئی اور اقتدار بھی ملا لیکن آخر کیا وجہ ہے کہ وہ عوام کو سہولیات دینے میں اور مسائل کو کم کرنے میں ناکام رہے ہیں، گو کہ اپنے سیاسی کارکنوں کی جائز و ناجائز بہت سی ایڈجسٹ منٹس انہوں نے کیں ہیں۔ عتیق خان اور ان کے بیٹے کی بین الاقوامی سیاست، دوروں اور معاملات پر توجہ دینے کی اہمیت سے انکار نہیں، یہ بھی سب مانتے ہیں کہ عتیق خان صرف اپنے حلقہ یا ضلع کے سیاست کار نہیں ہیں بلکہ آزاد کشمیر کے سیاست کار ہیں جس کا واضح ثبوت انہوں نے بیٹے کو مظفر آباد شہر جیسی مشکل سیٹ سے ضمنی الیکشن لڑوا کر دے دیا، انہیں محسوس کر لینا چاہیے کہ پورے کشمیر کی سیاست کے چیمپئن بننے کے شوق میں اپنے گھر سے بے دخلی ہو جائے تو بندہ کہیں کا نہیں رہتا، میں گارنٹی دیتا ہوں کہ عتیق خان اور ان کا فرزند اگر اب بھی اپنے حلقے کے لوگوں کے پاس نہیں جاتے، ان کے مسائل کو عملی طور پر کم نہیں کرتے تو وہ وقت دور نظر نہیں کہ انہیں گزشتہ الیکشن سے بھی بدتر نتائج کا سامنا کرنا پڑے کیونکہ دنیا کے حالات تیزی سے تبدیل ہو رہے ہیں، اب لوگوں کو عتیق خان یا عثمان عتیق کے پڑھے

لکھے ہونے سے مطلب نہیں نہ ہی ان کو یہ مطلب ہے کہ ہمارا کوئی اپنا وزارت عظمیٰ میں بیٹھا ہو اب لوگوں کو کارکردگی چاہیے کارکردگی، عوام دن بدن سمجھدار ہوتی جا رہی ہے، عتیق خان اور ان کے خاندان کیلئے بزرگی اور حد سے زیادہ احترام کا وقت گزر چکا ہے، وہاں کے لوگوں کو علم ہو چکا ہے کہ عباسی ہونے کے نام پر الیکشن کے دوران تو یہ ووٹ حاصل کر لیتے ہیں لیکن ایک الیکشن سے دوسرے الیکشن تک یہ خود کو عباسی تصور بھی نہیں کرتے۔ اب اپنے لوگ سوالات بھی پوچھتے ہیں اور جواب بھی مانگتے ہیں ۔ جیسے کہ غربی باغ سے تعلق رکھنے والے ایک گریجویٹ نوجوان نے مجھے کہا کہ سر میرا تو اب تک سیاست سے دور کا تعلق بھی نہیں رہا ہے لیکن اب سڑکوں، ہسپتالوں اور تعلیمی اداروں کے حالات اس نہج پے پہنچ چکے ہیں کہ ہمارا دل کرتا ہے کہ ان منتخب نمائندوں کو ایک خاص دعوت پر بلایا جائے اور جب یہ نیچے سے گزر رہے ہوں تو ان کی گاڑیوں پر اونچائی سے پتھراؤ کیا جائے تب ان کے دماغ ٹھکانے آ جائیں اور ان کو احساس ہو کہ باغی (باغ والے) نوجوان جاگ چکے ہیں، عتیق خان سے یہی التماس کرنا ہے کہ عزت مآب آپ ویسے بھی آزاد کشمیر میں ن لیگ کو آنے سے نہ روک سکے پھر مسلم کانفرنس کے بھی ٹکڑے ٹکڑے کروا دیئے، ایک ناکام سیاستدان اور ناکام حکمران اور ناکام مذہبی پیشوا کے طور پر سامنے آنے کے ساتھ سنگین کرپشن جیسے الزامات کا آپ کو سامنا ہے ۔ آج کل آزاد کشمیر بھر میں اپنی پارٹی کی ساکھ کو بہتر کرنے کیلئے دن رات ایک کیے ہوئے ہیں، اس

لیے مزید ہوش مندی سے کام لیں اپنے گھر (حلقہ) میں جائیں لوگوں سے معافی مانگیں اور عوامی پتھراؤ سے بچنے کیلیے مستقبل کی حکمت عملی ترتیب دیں۔

سپریم کورٹ کا تاریخی فیصلہ نے 'خومینی' کی یاد تازہ کروادی

آج سے بیس، پچیس سال قبل پاکستان کے کرتا دھرتاؤں میں سے کسی نے بھی یہ نہیں سوچا ہو تھا کہ اس ہمیں بھی کبھی کسی کے سامنے جوابدہ ہونا پڑ سکتا ہے۔ وقت نے ہمیشہ کی طرح پانسہ پلٹا اور آج وہی لوگ جو کل تک ملک کے کرتا دھرتا تھے آج کٹہیرے میں کھڑے ہیں، تحقیقات کا سامنا کر رہے ہیں۔ کاروائی کرنے کیلئے موجودہ حکومت کا بہانہ بھی ختم ہوا کہ تفصیلی فیصلہ تو اب آ چکا ہے اب عمل درآمد کی دیر ہے۔
16 جون 1996ء کو سابق ایئر مارشل اصغر خان نے ایک کیس دائر کیا تھا سپریم کورٹ آف پاکستان کے بینچ نے چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری کی سربراہی میں اس کیس کا تفصیلی تاریخی فیصلہ سنا دیا۔ 141 صفحات پر مشتمل فیصلہ جسٹس ڈاکٹر فقیر حسین نے پریس کانفرنس میں پڑھ کر سنایا۔ اس اہم ترین فیصلے میں کہا گیا کہ 90ء کے انتخابات میں دھاندلی کی گئی، سابق آرمی چیف مرزا اسلم بیگ اور سابق ڈی جی آئی ایس آئی اسد درانی کے خلاف کاروائی کی جائے۔ دونوں کے حوالے سے کہا گیا ہے کہ دونوں غیر قانونی سرگرمیوں میں ملوث پائے گئے ہیں ان کے خلاف کاروائی کی جائے۔ ان دونوں جرنیلوں کی یہ سرگرمیاں انفرادی ہیں ادارے

کا ان کے ساتھ تعلق نہیں ہے۔ اس وقت کے صدر غلام اسحاق خان آئین کی خلاف ورزی کرنے کے مرتکب ہوئے ہیں۔ سیاسی سیل بنانا ایجنسیوں کا کام نہیں ہے۔ آئی ایس آئی اور ایم آئی کا کام سرحدوں کی حفاظت کرنا ہے۔ اگر اب بھی ایوان صدر یں سیاسی سیل موجود ہیں تو ان کو فوری ختم کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس فیصلے میں صدر کیلئے کہا گیا ہے کہ صدر کو زیب نہیں دیتا کہ وہ کسی ایک سیاسی گروپ کی حمایت کرے صدر کو متنبہ کیا گیا کہ اگر صدر پھر بھی ایسا کرتے ہیں تو ان کے خلاف ایسا کرنے پر کاروائی بھی کی جا سکتی ہے۔ ایف آئی اے کو حکم دیا ہے کہ اس کیس کے متعلقہ لوگوں کے حوالے سے تحقیقات کریں اور سود سمیت رقم لے کر قومی خزانے میں جمع کروائی جائیں، یونس حبیب نے 14 کروڑ روپے تقسیم کرنے کا اعتراف کیا گیا اس کے خلاف فوری کاروائی کی جائے۔ سپریم کورٹ کے تفصیلی فیصلے یں جن لوگوں پر رقومات لینا ثابت ہوا ہے ان میں میاں نواز شریف، جماعت اسلامی، جتوئی، جمالی، میر افضل، عابدہ حسین، الطاف قریشی، جام صادق، جونیجو، پیر پگاڑا، مولانا صلاح الدین، ہمایوں مری، کاکڑ، جام یوسف، بزنجو، ندیم مینگل سمیت دیگر لوگ شامل یں ان میں سے کچھ لوگوں کو 2 مرتبہ بھی روپے دیئے جانے ثابت ہوئے ہیں۔ ان پیسے لینے والوں کے علاوہ بھی برگیڈئیر (ر) حامد سعید جیسے کچھ اہم لوگوں نے مزید رقوم کی تقسیم کے حوالے سے مزید سوالات اٹھائے ہیں جس پر تحقیقات جاری ہیں۔

سپریم کورٹ کا تفصیلی سامنا اب سامنے آچکا ہے اب امتحان وفاقی حکومت کا ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ پیپلز پارٹی کی یہ حکومت جس کی اکثریت ایسے لوگوں پر مشتمل ہے جو خود کرپشن کے الزامات کا شکار ہیں۔ اس فیصلے کو دیکھتے ہوئے ملزموں پر الزامات عائد کر کے ایف آئی آر درج کروائی جانی چاہیے ۔اپوزیشن اور سابق آرمی جرنیلوں کے خلاف کاروائی کرنا ہرگز آسان نظر نہیں آتا۔ کیونکہ یہ کاروائی پولیس نے کرنی ہے اور پولیس میں آج تک ہمت نہیں ہوئی کہ آرمی کے ایک عام سے آفیسر پر ہاتھ تک ڈال سکیں اور یہ تو سابق جرنیل ہیں ، مرحوم بینظیر بھٹو نے 90ء کے الیکشن چرا لینے کا بارہا الزام لگایا تھا اب پیپلز پارٹی کے پاس وقت ہے کہ وہ بینظیر کی اس خواہش کو بھی پورا کرے اور ملزموں کو مجرم ثابت کر کہ کیفر کردار تک پہنچادیں۔ پیپلز پارٹی کی موجودہ قیادت سے توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ سابق جرنیلوں اور مضبوط سیاسی جماعتوں کے سربراہاں کے خلاف کاروائی کر سکیں گے ۔ پیپلز پارٹی قیادت کی یہ خواہش نظر آتی ہے کہ کہ عدلیہ و جرنیلوں کو آپس میں لڑایا جائے کیونکہ ان دونوں سے پیپلز پارٹی اتنی زیادہ تنگ ہے کہ جتنی سیاسی پارٹیوں سے بھی نہیں ۔ موجودہ جرنیلوں، حکمرانوں اور دیگر اعلی شخصیات قرار دیئے جانے والوں کو سپریم کورٹ کے اس تاریخی فیصلے سے سبق سیکھنے کی ضرورت ہے کیونکہ اس تاریخی فیصلے نے ثابت کر دیا ہے کہ کرپشن اور نا انصافی کرنے والے کتنے ہی مضبوط کیوں نہ ہوں ایک نہ ایک دن کٹہرے میں آ ہی جاتے ہیں ۔ صدر زرداری کو بھی ایوان صدر سے

سیاسی سیل ختم کرنا ہوگا وگرنہ وہ وقت دور نہیں جب صدر کو بھی کٹہرے میں کھڑا کر دیا جائے گا۔ جن لوگوں کے خلاف ایف آئی اے نے تحقیقات کرنی ہیں ان لوگوں کو اب خود کو قانون کے حوالے کر کہ لوٹی ہوئی رقوم قومی خزانے میں جمع کروا دینی چاہیے۔ جن لوگوں پر رقومات لیناثابت ہوان کے حمایتیوں کو بھی چاہیے کہ وہ لگو باری سے پرہیز کرتے ہوئے حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے باکردار لوگوں کاساتھ دیں۔ اس تاریخی فیصلہ میں میرے نزدیک سب سے اہم معاملہ ایجنسیوں کے کردار کے متعلق سپریم کورٹ کی وضاحت ہے۔ سپریم کورٹ نے ایجنسیوں کے حوالے سے تفصیلی وضاحت کی کہ ایجنسیوں کاکام سرحدوں کی حفاظت کرنا ہے نہ کہ سیاسی معاملات میں دخل اندازی کرنا۔ موجودہ وقت میں بھی اگر ایجنسیوں کے سیل قائم ہیں تو ان کو بھی فوری ختم کرنے کا کہا گیا ہے۔ سپریم کورٹ نے ایجنسیوں کو بھی ان کی حدود بتا کر تاریخی کام کیا ہے۔ موجودہ عدلیہ مبارکباد کی مستحق ہے کہ اس نے 'خومینی' کی یاد تازہ کر دی ہے جس نے اپنے وقت میں ایران بھر سے کرپشن ختم کرنے کیلئے عملی اقدامات کیے تھے اور کرپشن کرنے والوں کو ان کی ہی محلوں کے ساتھ باندھ کر ان پر ڈوزر چلوا دیئے تھے اور ایک ماہ کی مہلت دی تھی کہ کرپشن کا پیسہ واپس کرو ورنہ سب کے خلاف یکساں کاروائی کرنے کااعلان کیا تھا۔ سپریم کورٹ نے ان مضبوط جرنیلوں کے احتساب کی جو بات کی ہے اور ان میں سے کرپشن کرنے والوں کے خلاف کاروائی کرنے کا جو اعلان کیا ہے وہ اس اب ملک کی تاریخ کا انتہائی ایک اہم

حصہ بن چکی ہے۔ عدلیہ نے اس کے علاوہ سابق صدور، وزرائ، سیاسی پارٹیوں کے سربراہان کے خلاف بھی سخت اصولی فیصلے سنائے ہیں۔اب پاکستان کی عوام سپریم کورٹ سے مزید توقع رکھتے ہیں کہ عدلیہ میں سے کالی بھیڑوں کو نکال باہر کر کہ عدالتی نظام کو آسان کرتے ہوئے انٹر نیشنل کال ریٹس سمیت دیگر اہم ایشوز پر بھی جلد سنائے جائیں گے اور حکومت سے ان فیصلہ جات پر زبردستی عملدرآمد بھی کروایا جائے گا۔

انسانی صحت کے ساتھ جعل سازی، احتساب کون کرے گا

گزشتہ دنوں محکمہ صحت نے صحافیوں کے علاج معالجے کیلئے سہولیات اور رعایت دینے کا اعلان کیا ان سہولیات کی زیادہ تفصیلات تو سامنے نہ آسکیں لیکن کچھ صحافتی تنظیموں کی طرف سے محکمہ صحت کے اس اقدام پر خوشی کے اظہار کے بیانات سامنے آئے۔اس معاملے میں تفصیلات ملنے پر ہی کچھ کہا جاسکتا ہے لیکن یہاں محکمہ صحت کے متعلقہ ایک اہم مسئلہ کو سامنے لانا بھی ضروری ہے۔

پاکستان میں موجود اس وقت نام نہاد جمہوری نظام حکومت میں یوں تو کوئی بھی سرکاری محکمہ درست انداز میں کام کرے ہوئے دکھائی نہیں دیتا۔ پبلک اکاؤنٹس کمیٹی اور احتساب بیورو کا کوئی حال نہیں۔اعلیٰ عدلیہ کو چھوڑ کر کسی سے بہتری کی امید نہیں لیکن اب ہر معاملے میں چیف جسٹس نوٹس لین ایسا بھی ممکن نہیں۔ لیکن اس سب کے باوجود اگر کوئی احتساب کرنے والا محکمہ یا حکومتی ایجنسی یہ سمجھتی ہے کہ وہ حلال رزق کھاتے ہیں اور اپنے پیشے سے وفاداری کرتے ہیں تو ان کیلئے عرض کرتا چلوں کہ وفاقی دار لحکومت اسلام آباد سمیت پاکستان کے چاروں صوبوں میں جعلی ادویات صرف موت ہی نہیں بانٹ رہی بلکہ غریبوں کے خون پسینے کی کمائی کا بھی صفایا کر رہی ہیں لیکن محکمہ جات ،حکومتی

ذمہ داران یا انسانی حقوق کی ہی دعویدار این جی اوز اہم ترین مسئلے سے منہ چھپائے بیٹھی ہیں تو محکمہ صحت کے موجودہ وزیر دوسری وزارتوں کے معاملات میں ٹانگ اڑائے رکھنے کے ماہر ہیں لیکن اپنی وزارت کی ذمہ داریوں کا ان کو نہ احساس ہے نہ ہی خدا خوفی۔

گزشتہ کچھ عرصے سے اس معاملے پر نظر رکھے ہوئے ہوں کہ معلوم کر سکوں کہ آخر یہ جعلی ادویات سرعام مارکیٹ میں کس طرح آ جاتی ہیں اور جعلی میڈیکل اسٹورز کس طرح بھرے بازار موت بانٹ رہے ہیں۔تفصیلات اکھٹے کرتے ہوئے علم ہوا کہ آج کل انٹرنیٹ نے جہاں دنیا کے ہر میدان میں ایک انقلاب برپا کر رکھا ہے اسی انٹرنیٹ نے جعلی ادویات کو مارکیٹ میں لانے میں بھی مدد فراہم کی ہے۔میرے نزدیک اب تک اس سب کاروبار کا اصل محرک و مجرم ''ڈرگ انسپکٹرز'' اور ڈسٹرکٹ ہیلتھ آفیسران ٹھہرے ہیں جو انٹرنیٹ پر سے ادویات کی معلومات لے کر ان کی کاپی منگوا لیتے ہیں ٹیسٹ کے طور پر میڈیکل اسٹورز پر چھوڑ دیتے ہیں جب ایک مریض گھنٹوں لائنوں میں کھڑے ہونے کے بعد ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق ادایات کی پرچی لے کر میڈیکل اسٹور پر پہنچتا ہے تو اسٹور والے اصل دوا کی غیر موجودگی ظاہر کر کہاس کے متبادل کے طور پر جعلی ادویہ جو قدرے اصل دوا سے سستی ہوتی ہے میڈیکل اسٹور والے کے مطمین کرنے پر راضی خوشی لے جاتے ہیں پھر ہونا وہی ہے جو جعلی چیزوں کے استعمال کرنے سے ہوتا

ہے اصل مرض تو اپنی جگہ لیکن یہ جعلی مواد پینے سے مزید بیماریاں کمزور جسم کے ساتھ چمٹ جاتی ہیں اس کے بعد جو ہوتا ہے اس سے آپ سب بہتر سمجھ سکتے ہیں لیکن یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ کیسے اور کیونکر یہ ''ڈرگ انسپکٹرز'' جن کی ذمہ داری حفظان صحت کو یقینی بنانے کیلئے عملی اقدامات کرنا ہے اور ڈسٹرکٹ ہیلتھ آفیسران جو صحت کے حوالے سے حکومتی ضلعی سربراہ ہوتے ہیں یہی ذمہ دار لوگ عوام کی صحت کے ساتھ کھیل رہے ہیں ۔زیادہ تر ''ڈرگ انسپکٹرز'' جعلی ادویات کو میڈیکل اسٹور مالکان کے ساتھ اپنا حصہ خود جعلی ادویات مہیا کر کہ بھی اور میڈیکل اسٹور مالکان کی جعلی ادویات پر بھی ان سے حصہ لیتے ہیں اور ڈسٹرکٹ ہیلتھ آفیسران تک بھی حصہ پہنچاتے ہیں ۔اسی طرح آزاد کشمیر کے تمام شہروں میں جعلی میڈیکل اسٹورز کی بھی بھرمار ہے جہاں پر صرف جعلی ادویات ہی نہیں جعلی ڈاکٹرز کی بھی بھرمار ہے لیکن اس سب جعل سازی کے پیچھے اصل جعل ساز ڈسٹرکٹ ہیلتھ آفیسران اور ''ڈرگ انسپکٹرز'' ہی ہیں جو تمام چیزوں سے واقفیت رکھتے ہوئے بھی یا تو آنکھیں بند کیے بیٹھے ہیں یا بھاری معاوضہ جات لے کر خاموش۔صحت کے ساتھ جعل سازی کے مختلف طریقہ جات کو تفصیل سے تحریر کرنے کیلئے کتاب لکھی جا سکتی ہے ۔

اس جعل سازی کو روکنے کیلئے ذمہ داران کو چاہیے کہ تمام تر اضلاع میں موجود ڈرگ انسپکٹرز'' اور ڈسٹرکٹ ہیلتھ آفیسران کو کچھ عرصہ کیلئے معطل کر''

دیا جائے اور ان کی جگہ ایسے غیر جانبدار کمیشن سے تحقیقات کروائی جائے جو خود سفاررش اور میرٹ کی پامالی کر کہ یہاں تک نہ آئے ہوں۔ یہ لوگ انکوائیری کریں ان کی رپورٹ کے مطابق معطل شدگان کو یا تو نوکری سے فارغ کر کہجیل بھیج دیا جائے یا اگر کہیں غلطی سے بچ جائیں تو بھال کر دیا جائے۔ میرے ان الزامات پر اگر کسی بھی ڈرگ انسپکٹر یا ڈسٹرکٹ ہیلتھ آفیسر کو اپنی بہتر کارکردگی کی بناء پر اعتراض ہے اور یقین ہے کہ وہ بے گناہ ہے تو وہ سامنے آ کر اعتراض درج کروا کر اپنے زیر کنٹرول علاقوں میں چیکنگ کروا سکتا ہے تب دودھ کا دودھ پانی کا پانی سامنے آ جائے گا۔ اسی طرح اگر کوئی میڈیکل اسٹور والا یا کوئی اور ذمہ دار خداترسی کی بناء پر جعلی ادویات کی جعل سازی اور اس کا طریقہ کار سامنے لانا چاہتا ہے تو اس کیلئے بھی دروازے کھلے ہیں۔

سیاسی اتحاد، کشمیری کمیونٹی کے عتیق خان سے چند سوالات

کیا پیپلز پارٹی کی آزاد کشمیر میں قائم حکومت کو 'ٹف ٹائم' دینے کیلئے ن لیگ اور مسلم کانفرنس میں اتحاد ہونا چاہیے ۔۔۔؟؟؟

تقریباً 20 فیصد لوگوں نے اس اتحاد کی ،70 فیصد نے مخالفت میں کمنٹس دیئے جبکہ باقی 10 فیصد نے اس اتحاد کے ہونے یا ہونے میں عدم دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اس کے ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ یہ سوال اور اس کا جواب جو آپ نے پڑھا ہے میں نے دسمبر کے شروع سے اب تک مسلم کانفرنس کی ن لیگ سے زبردستی اتحاد کرنے کی کوششوں کو دیکھتے ہوئے سوشل میڈیا پر کشمیر کمیونٹی جو آزاد کشمیر ،پاکستان یا غیر ممالک میں مقیم ہیں، سے پوچھا تھا۔ کشمیر کمیونٹی نے عتیق خان سے چند سوالات پوچھے ہیں جو مضمون کے آخر میں تحریر ہیں۔ یہاں اس اتحاد والے سوال کے پس منظر کو دیکھتے ہیں۔

یکم دسمبر کو سابق مسلم لیگ ن کے رہنماء سکندر حیات خان سے مسلم کانفرنس کے رہنماء عتیق خان ملنے ان کے گھر گئے وہیں بیٹھے بیٹھے سپریم ہیڈ مسلم کانفرنس قیوم خان سے سکندر حیات خان کی فون پر بات کروائی۔ میڈیا رپورٹس کے

مطابق آکر عتیق خان نے ملاقات کو سیاسی کامیابی قرار دیتے ہوئے سکندر حیات خان کو بڑا سیاستدان اور اپنا سیاسی پیرو مرشد تسلیم کرتے ہوئے اعلان کیا کہ مسلم لیگ ن سے اتحاد کا فارمولہ طے پا گیا ہے عوام کو جلد خوشخبری دینے کا اعلان بھی کیا گیا جبکہ یہی عتیق خان اسی سال اپریل میں ن لیگ اور سکندر حیات کے بارے میں یہ کہہ چکے ہیں کہ '' سکندر حیات بھی نواز شریف پر عدم اعتماد کر چکے، نواز شریف مسئلہ کشمیر سے ناواقف ہیں جو انتہائی افسوس ناک ہے، ن لیگ سے اتحاد نہیں ہو گا'' ۔ موجودہ وقت میں عتیق خان کے ن لیگ سے اتحاد کیلئے کی جانے والی کوششوں اور ان سے ملاقات کے حوالے سے سکندر حیات خان کا موقف یہ سامنے ہے کہ '' اتحادی فارمولہ طے نہیں لیکن اتحاد کو ناممکن بھی قرار نہیں دیا جاسکتا بلکہ اس کو میاں نواز شریف کی رضا مندی سے مشروط قرار دیا''۔اس سب عمل کے بعد عتیق خان کے بارے میں سکندر حیات خان نے ریمارکس دیئے کہ عتیق خان جھوٹا، دھوکے باز، نالائق اور ناقابل اصلاح شخص قرار دیا ہے جبکہ اچھا اداکار اور ناکام سیاستدان ہے۔اس تمام صورت حال پر صدر ن لیگ فاروق حیدر کا موقف سامنے آیا کہ '' نواز شریف کا عتیق خان کو اب قبول کرنا ممکن نہیں۔نواز شریف سے قربت حاصل کرنا، مسلم لیگ میں انتشار اور مسلم کانفرنس چھوڑنے والوں کو روکنے کیلئے عتیق اتحاد کا پروپیگنڈہ اور اکیلے اتحاد کی کوششیں کر رہے ہیں انہوں نے فوجی جمہوریت اور اسرائیل کے دوست کے ساتھ اتحاد کو تقریباً ناممکن قرار دیا'' ۔ن لیگ آزاد کشمیر قیادت کے اس

واضح موقف کے باوجود عتیق خان نے ن لیگ سے اتحاد ہی نہیں مسلم کانفرنسی ووٹرز کی بہترین حقدار ن لیگ کو قرار دیتے ہوئے نواز شریف کو محب قومی لیڈر قرار دیتے ہوئے ان کی پالیسیوں کی حمایت میں بیانات دیئے ہیں جبکہ یہی عتیق خان کچھ سال پہلے جب پاکستان میں مشرف کا راج تھا تب فوجی آمر کی جھولی میں بیٹھ کہ آزاد کشمیر میں اقتدار پر قبضہ کیے بیٹھا رہے اور میاں نواز شریف کو قوم کا غدار، پاکستانیوں اور کشمیریوں کا مجرم اور دیگر القابات دیتے ہیں ذرا عار محسوس نہیں کی کیونکہ اس وقت مشرف کا دور تھا تو ملٹری ڈیموکریسی کا نعرہ بھی عتیق خان نے اپنے مفاد کے لیے لگایا تھا تاکہ اپنی سیاسی وحکومتی دکان چمکائی جاسکے اور آج کشمیری قوم کے مجرم یہی عتیق خان جو ٹھیکیداروں کی جماعت ہونے کا داغ لیے بیٹھے ہیں۔ ریاستی جماعت ہونے کا دعویٰ کرنے والے اور ''کشمیر بنے گا پاکستان '' کا نعرہ لگانے والے یہی عتیق خان اپنے دور اقتدار میں تمام شعبوں میں عملی طور پر کام کرنے میں ناکام رہے۔ یہ سیاست میں ناکام حکومت میں ناکام اور لیڈر شپ میں بھی ناکام ہونے کے بعد جب خالی ہاتھ ہو چکے تو. پھر سے پانسہ پلٹنے کی کوشش کر رہے ہیں تاکہ سیاسی طور پر پھر سے کچھ عرصہ کیلئے آکسیجن حاصل کی جاسکے۔ مسلم کانفرنس کے جو چند لوگ ابھی باقی رہ چکے ہیں وہ بھی ن لیگ کی طرف رخ کر رہے تھے اس لیے عتیق خان نے خود کو زندہ رکھنے کیلئے آخری چال بھی چل دی ہے اب یہ تو وقت ہی بتائے گا کہ وہ اپنی اس کوشش میں کس حد تک کامیاب ہو پاتے ہیں کیونکہ

موجودہ اسمبلی میں اپوزیشن لیڈر فاروق حیدر کی جماعت ن لیگ کے پاس اتنی تعداد موجود نہیں کہ وہ اسمبلی کا اجلاس طلب کرنے کیلیے درخواست تک جمع کروا سکیں جبکہ اگر دونوں جماعتوں کا اتحاد ہو جاتا ہے جو فلوقت کچھ حد تک ممکن بھی نظر آ رہا ہے تو اپوزیشن کو ایوان میں کسی حد تک مضبوطی ضرور حاصل ہو جائے گی جس سے پیپلز پارٹی کو ایوان کے اندر ٹف ٹائم کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔دوسری جانب اتحاد کی ان خبروں کو دیکھتے ہوئے مسلم کانفرنس کے' ٹھیکیدار' کارکن تو خوشی ہیں نظر آتے ہیں کہ ان کے ٹینڈر پھر سے لگیں گے۔ جبکہ ن لیگ کے کارکنان کی اکثریت عتیق خان سے نفرت کا اظہار کرتے ہوئے انہیں قبول کرنے سے انکاری ہے۔ عتیق خان کیلیے بہتر ہے کہ اب اس حد تک ن لیگ کے آگے گر ہی چکے ہیں تو پارٹی ختم کرتے ہوئے ن لیگ میں ہی ضم ہو جائیں اس عمل سے شائد ان کی سیاست پھر سے زندہ ہو سکے۔اب دیکھنا یہ ہے کہ ن لیگ آزاد کشمیر کی قیادت مستقبل کی دور رس سیاست کو نظر رکھتے ہوئے کن بنیادوں پر اس اتحاد کو کامیاب یا ناکام بناتی ہے۔

کشمیر کمیونٹی سے میں نے جو سوال کیا تھا اس کے جواب میں حامی یا انکار کے ساتھ ساتھ کمیونٹی کی طرف سے عتیق خان کیلیے جو سوالات اٹھائے گئے وہ یہ تھے کہ عتیق خان اپنی پارٹی کا کوئی ایک منشور بتا دیں جس پر وہ قائم رہ سکیں؟ عتیق خان اپنے حلقہ کے لوگوں کو آج تک ان کے بنیادی حقوق نہیں دلا سکے تو

ان پر پورے کشمیر کی ذمہ داری ایک بار پھر سے کیسے ڈالی جا سکتی ہے ؟ مسئلہ کشمیر کو اس اتحاد سے کوئی فائدہ ہوگا؟ عام عوام اس اتحاد میں دلچسپی لے کر اپنا وقت کیوں ضائع کیوں کریں ؟ وقتی طور پر اتحاد ہو بھی گیا تو لمبے وقت تک کامیاب کیسے ہو گا ؟آج عتیق خان کا ریاستی تشخص کہاں گیا ؟ملٹری ڈیموکریسی کا نعرہ لگانے والے آج کس منہ سے جمہوری اتحاد کی باتیں کر رہے ہیں ؟کیا اس اسمبلی کے اندر اس اتحاد کے کامیاب ہو جانے کے بعد عوام پر کوئی مثبت اثر پڑنے کی گارنٹی ہے۔

میرا ماننا ہے کہ اتحاد ہو یا نہ ہو عام عوام کو اس سے کوئی غرض نہیں ہے عوام کو بنیادی حقوق ملنے چاہیے جن کو مہیا کرنے کیلئے آزاد کشمیر کی کوئی بھی سیاست جماعت مخلص نظر نہیں آتی بلکہ یہ سیاستدان اپنی کرسی کو بچانے کیلئے کسی بھی حد تک چلے جاتے ہیں ان کا اول و آخر کرسی و اقتدار ہے اس کے سوا کچھ نہیں۔سیاسی عمل میں تبدیلی لانے کیلئے نوجوانوں کو سامنے آ کر سیاسی عمل میں حصہ لینا ہوگا اور ان جاگیرداروں و سرمایہ داروں سے نجات دلوا کر مسئلہ کشمیر کا حل نکالنا ہو گا کیونکہ سابقہ سیاستدان و حکمران کشمیر کے مسئلہ پر غیر ملکی دورے و اپنے اکاؤنٹس بھرتے رہے ہیں اس کے سوا کسی نے عملی کام مخلصی سے نہیں کیا اگر کسی مخلص شخص نے کوشش بھی کی تو اس کو سائیڈ لائن کر دیا گیا۔

اس سب کے باوجود کشمیر کمیونٹی کے یہ چند سوالات جو عتیق خان سے کیے گئے ہیں عوام ان کے جواب کی منتظر ہے۔

آزاد کشمیر پونچھ یونیورسٹی کو درپیش چیلنجز

یعقوب خان جو صدر آزاد کشمیر ہونے کے ناطے آزاد کشمیر کی تمام یونیورسٹیز کا چانسلر بھی ہیں انہوں نے جب پونچھ یونیورسٹی کے قیام کا اعلان کیا تو اس وقت اس یونیورسٹی کا پی سی ون بھی منظور نہ تھا گو کہ پی سی ون کا منظور ہونا ضروری تھا لیکن یعقوب خان نے ان بنیادی پہلوؤں کے بارے میں جاننا زیادہ اہم نہ سمجھا اور یونیورسٹی کے قیام کا اعلان کر دیا۔ا±س وقت صدر یعقوب خان کا یہ اقدام پونچھ کے عوام کیلئے کسی بڑے اعزاز سے کم نہ تھا۔وائس چانسلر ڈاکٹر منظور اور انکی ٹیم جس میں رجسٹرار یونیورسٹی ڈاکٹر جمیل ، تنظیم اساتذہ پاکستان کے اہم ذمہ دار پروفیسر تصدق جیسے ماہر لوگ موجود ہیں ۔اس انتظامیہ کو اس وقت سخت چیلنجز کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے کیونکہ چانسلر یونیورسٹی یعقوب خان جہاں یونیورسٹی کا قیام تو کروا چکے ہیں وہاں وہ یونیورسٹی کو اس کی بنیادی و اہم ضرورت 'ٹیک آف گرانٹ' جو قریباً 10 کروڑ روپے بنتی ہے دلوانے میں تاحال ناکام رہے ہیں ۔ بات ٹیک آف گرانٹ پر ہی آ کر ختم نہیں ہو جاتی صدر یعقوب خان نے کشمیر کونسل سے پونچھ یونیورسٹی کو 5 کروڑ روپے دلوانے کا اعلان بھی کیا تھا وہ اعلان اب تک صرف ایک اعلان ہی ہے ۔ گزشتہ ماہ جب آزاد جموں و کشمیر مظفر آباد یونیورسٹی سے پونچھ کیلئے گرانٹ جو اس کے اپنے حصے کی تھی

کو منتقل کیا گیا تو متعصبانہ ذہنیت والوں نے اس پر بھی سیاست بازی شروع کر دی۔ یونیورسٹی کا پی سی ون ابھی تک ہائر ایجوکیشن سے منظور ہی نہیں ہوا جس کو منظور کروانے کیلئے یونیورسٹی انتظامیہ ابھی سر دھڑ کی بازی و بھرپور زور لگا رہی ہے، اس گرانٹ کے نہ ملنے سے یونیورسٹی کا اندرونی مالیاتی نظام مفلوج ہو کر رہ گیا ہے، دوسری طرف ایرا کے زیر نگرانی راولاکوٹ شہر سے 10 کلو میٹر دور چھوٹا گلہ کے مقام پر یونیورسٹی کی جو عمارت بن رہی ہے وہ انتہائی سست روی کا شکار ہے کام یں س ±ست روی کی اصل وجہ وہاں کام کرنے والے ادارے کی من مانی اور کرپشن بتائی جاتی ہے۔ ضروری گرانٹ نہ ملنے کی وجہ سے پونچھ یونیورسٹی کیلئے اس وقت چیلنجز ہی چیلنجز ہیں۔ یونیورسٹی کے قیام کے وقت سے ہی اس کو اپنی مدد آپ پر چلنے کیلئے بے یار و مددگار چھوڑ دینے سے بہت سے نقصانات سامنے آ رہے ہیں اوپر سے المیہ یہ کہ اس یونیورسٹی کو بھی دیگر تعلیمی اداروں کی طرح جیالوں کا بھرتی کیمپ بنا دیا گیا ہے اس کو تعلیم کے ساتھ ستم ظریفی نہ کہیں تو کیا کہیں کہ پونچھ کی دھرتی کے اس اہم تعلیمی ترین ادارے میں بھی دیگر غیر تعلیمی اداروں کی طرز پر درجنوں جیالوں کو بھرتی کیا گیا ہے اور ابھی مزید سینکڑوں جیالوں کی بھرتیاں کی جانی باقی ہیں کیونکہ یونیورسٹی نے ابھی بہت سے ڈیپارٹمنٹس شروع کرنے ہیں یونیورسٹی انتظامیہ اگر ایک ہی نیا ڈیپارٹمنٹ

متعارف کرواتی ہے تو اس کیلئے 20 سے 30 تک ملازمین چاہیے ہوتے ہیں اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یونیورسٹی میں جو 10 سے 12 نئے شعبے متعارف کروائے جانے والے ہیں ان میں کتنے مزید لوگ ایڈجسٹ کرنے کیلئے پر تولے جا رہے ہوں گے۔ جیالے تو تاک میں بیٹھے ہیں کہ جیسے ہی کوئی پوسٹ سامنے آئے صدر ریاست سے براستہ پولیٹیکل سیکریٹری معاملات طے کرتے ہوئے اپنا جوائننگ لیٹر حاصل کر لیں۔ خدارا جیالہ نوازی کیلئے یونیورسٹیوں کو نشانہ نہ بنایا جائے ورنہ اس کا انجام بھیانک ہو گا اس سنجیدہ نوعیت کے معاملے میں تعلیم یافتہ طبقے سے بھی یہ گزارش کروں گا کہ آپ بھی سامنے آئیں اور علم کو بچانے کیلئے ایسے اقدامات کی نفی کرتے ہوئے ایسے نوسرباز طبقے سے تعلیمی اداروں کو بچائیں کیونکہ مہذب معاشروں میں تعلیم کا میدان ایسے لوگوں کیلئے سجایا نہیں جاتا جن کا خود تعلیم سے کوئی تعلق بھی نہ ہو اور جو خود کرپشن کے راستے سے آئے ہوں۔ رجسٹرار یونیورسٹی کا نئے پروفیسرز کی تعیناتیوں کے حوالے سے کہنا ہے کہ مشروط طور پر ایسے قابل پروفیسرز کو ایڈجسٹ کریں گے جن کی تعلیمی قابلیت ایم ایس آرایم فل سے کم نہ ہوں۔ اللہ کرے کہ سیاسی مداخلت ان کے سامنے نہ آئے اور وہ میرٹ پر تعیناتیاں کر سکیں۔

دوسری طرف یونیورسٹی طلباء پر فیسوں کی مد میں مسلسل اضافی بوجھ پڑ رہا ہے جس وجہ سے طلباء کے شدید تحفظات سامنے آ رہے ہیں، بھاری فیسوں کی وجہ سے

یونیورسٹی میں نئے آنے والے طلباء ہچکچاہٹ کا شکار ہیں اسی وجہ سے یونیورسٹی انتظامیہ کو بی ایس پروگرام ناکام ہونے پر اس پروگرام کو فلوقت روکنا پڑا۔یونیورسٹی ہاسٹل نہ بنا سکی۔ طلبہ ہوٹلز پر طالبات کیلئے جو ہاسٹل مہیا کیا گیا ہے وہ ناکافی اور انتہائی غیر موزوں جگہ پر ایک جیل کی مانند ہے۔یونیورسٹی طلباء کیلئے تاحال ٹرانسپورٹ کا انتظام موجود نہیں ایک ہی بس طالبات کیلئے چلائی جا رہی ہے جس کی حالت مردہ گھوڑے کی مانند ہے جو ناکافی بھی ہے۔

یونیورسٹی کے فیکلٹی آف وٹرنری اینڈ اینمل سائینسز سے ڈاکٹر آف وٹرنری (ڈی وی ایم)پروگرام پر گزشتہ کچھ سالوں سے سوالیہ نشان ہے کہ اکی پاکستان وٹرنری میڈیکل کونسل (پی وی ایم سی) سے اکریڈیشن کیلئے یونیورسٹی متعلقہ معیار پر نہیں اتر رہی ،بتایا جاتا ہے کہ (پی وی ایم سی) سے اکریڈیشن کیلئے یونیورسٹی کو قریباً 6 کروڑ روپے درکار ہیں کیونکہ قریباً 2 کروڑ روپے سے ڈی وی ایم ہسپتال اسکے چاروں ڈیپارٹمنٹ کیلئے ضروری سامان پر قریباً 3 کروڑ روپے اور (ڈی وی ایم) لیبارٹری و لائبریری بنانے کیلئے قریباً 1 کروڑ روپے ہر حالت میں چاہیے ہیں۔

50۔ سے 80 طلباء کیلئے انجنئیرنگ کروانے کا (این۔او۔سی) منظور ہونا خوش آئند ہے۔ اس کامیابی میں راولاکوٹ کے معروف کاروباری گروپ ' گلف ایمپائر' نے

یونیورسٹی سے تعاون کیا ہے۔گلف ایمپائر والوں کو مثال بناتے ہوئے پونچھ کے دیگر کاروباری حضرات کو بھی چاہیے کہ یونیورسٹی کو بنیادی سہولیات پہنچانے کیلئے تعاون کریں۔ پونچھ یونیورسٹی انتظامیہ نے ابھی مزید 12 مختلف ڈیپارٹمنٹس جن میں باٹنی زوالوجی ،کیمسٹری ،فزکس اور میتھ کے 4 سالہ آنرپروگرامات متعارف کروائے ہیں، جبکہ سوشل سائینسز میں ایم ایس سی لیول کے فارمیسی ،سوشیالوجی،اکنامکس ،انگریزی الیکٹریکل و سافٹ ویئر انجنیئرنگ میں داخلے شروع کیے ہیں یونیورسٹی کا ان، پروگرامات کا شروع کرنا انتہائی خوش آئند ہے کیونکہ پونچھ وقریب کے دوسرے اضلاع کے طلباء کو اب پاکستان کے دور کے شہروں میں جاکر بھاری رقوم خرچ کر کہ تعلیم حاصل کرنے کے بجائے اپنے خطہ میں کم خرچ میں تعلیم حاصل کرنے کے مواقع مل رہے ہیں۔

مشورے نے چار دوستوں کی زندگی بدل دی

رواں سال ماہ فروری میں ایک دن سہ پہر کے وقت موبائل فون کی گھنٹی بجی ،انجان آواز والے نے اپنا نام سلمان بتایا، مختصر سلام دعا،حال احوال کے بعد اپنا تعلق آزاد کشمیر سے بتایا اور ذکر کیا کہ ابھی پنجاب کے ایک تعلیمی ادارے میں کنٹریکٹ کی بنیاد پر ملازمت کر رہا ہوں ۔ میرا ایک کلاس فیلو دوست جبران ہے جو مجھ سے بھی زیادہ قابل اور اپنے کام میں ماہر ہے لیکن گزشتہ دو سال سے بے روزگاری کی زندگی گزار گزار کر تھک سا گیا ہے ،ایسا لگتا ہے کے کسی دن وہ کوئی انہونی ہی نہ کر دے ۔ سلمان کی بات میں طوالت آتی دیکھی تو وقت کی قلت کا ادراک کرتے ہوئے میں نے ٹوکتے ہوئے کہا کہ سلمان میاں آپ مختصراً اپنا مدعا بیان کریں اور اصل بات کی طرف آئیں کہ کیا کہنا چاہتے ہیں ۔ سلمان نے کہا کہ آپ ہمیں وقت دے دیں گے کب آپ ہمیں کم سے کم دو گھنٹے کا وقت دیں گے ؟ ہم کچھ دوست آپ سے ملنے آئیں گے تو تفصیلی بات کریں گے ۔ میں نے کہا میرے پاس آپکے لیے وقت نکالنا زیادہ مشکل نہیں ہوتا ، لہٰذہ آپ لوگوں کا جب پروگرام بنے ،مجھے اطلاع کر دیں میں حاضر خدمت ہو جاؤں گا ۔سلمان نے دوسرے دن ہی کال کر کے ملاقات کیلئے جگہ اور وقت کا تعین میری مشاورت سے کر لیا۔وقت مقررہ جو شام کا طے پایا تھا سے پہلے ہی پارک میں سلمان اور اس کے تین دوست بیٹھے میرا

انتظار کر رہے تھے، میں بھی وقت پر پہنچ گیا۔ سلام دعا کے بعد تعارف کا سلسلہ شروع ہوا تو سلمان نے بتایا کہ عاقب کا تعلق مانسہرہ، جبران اور رئیس کا تعلق بھی آزاد کشمیر سے ہے، چار دوستوں میں دو نے انجنیئرنگ کے شعبہ میں اور دو نے ابلاغ عامہ کے شعبہ میں ماسٹرز ڈگریاں حاصل کر رکھی ہیں۔ میرا صحافتی تعارف کرایا گیا اور سلمان کی طرف سے میرے ایک کالمز جو 'ہاسٹل لائف' کے عنوان سے لکھا گیا تھا کا ذکر بھی چھیڑا گیا (جس کا ان سے ذکر ہاسٹل مالک کی طرف سے کیا گیا تھا، جس میں ہاسٹل لائف زدہ ایک طالب علم کا ذکر کیا گیا تھا) ۔تعارف کے بعد سلمان کا کہنا تھا کہ ماسٹرز ڈگری کے بعد گزشتہ ڈھائی سال سے ہم چاروں بے روزگار رہے ہیں، سرکاری و غیر سرکاری اداروں میں چاروں دوستوں نے CV'S جمع کرانے اور انٹرویوز دینے میں وسیع تجربہ حاصل کر رکھا ہے۔ابلاغ عامہ کے ڈگری ہولڈرز نے بتایا کہ پی ٹی وی، ایکسپریس نیوز، ڈان، نوائے وقت، ریڈیو پاکستان، جنگ گروپ، خبریں سمیت دیگر بڑے صحافتی گروپس میں بھی نوکری کیلئے اپلائی کر چکے لیکن نا تجربہ کاری، رشوت اور ریفرنس نہ ہونے کی وجہ ان اداروں کے دروازے ہمارے لیے بند ہیں، جبکہ ان دونوں نے کچھ دیگر صحافتی گروپس میں چند مہینوں تک کام کا تجربہ حاصل کر رکھا ہے جہاں انہیں کہا گیا کہ تنخواہ تو ماہانہ دی جائے گی لیکن ادارے میں اچھی رپورٹس کی نہیں 'بزنس' کی ضرورت ہے اس لیے خود بھی کمائیں اور ہمیں بھی دیں۔ ہم دونوں اخبارات کے بزنس لین دین کے معاملات سے نابلد ہونے کی

وجہ سے جلد ہی اداروں سے باہر کر دیئے گئے۔ جبکہ سلمان کو 8 ماہ قبل اس کے ایک دور کے رشتے دار نے جو ایک تعلیمی ادارے میں بڑے عہدہ پر فائز ہیں نے کچھ سخت شرائط کے بعد کنٹریکٹ پر نوکری دلا دی تھی، جبکہ اس نوکری سے آمدن 16 ہزار روپے ماہانہ دی جاتی ہے۔ ان دوستوں کی گفتگو سے علم ہوا کہ چاروں دوست گزشتہ پانچ، چھ سال سے ایک ساتھ ہاسٹل میں رہ رہے ہیں اور اچھے اور برے وقت میں ایک دوسرے کا ساتھ دیتے رہے ہیں، ہاسٹل اور دیگر اخراجات گھر والوں کی طرف سے بھیجی گئی رقوم سے چاروں مل کر چلا لیتے ہیں، دو نوجوانوں کا تعلق سیاسی تنظیم تحریک انصاف اور دو کا ن لیگ سے ہے لیکن یہ تعلق انہیں ابھی تک کوشش کے باوجود نوکری دلانے میں کامیاب نہیں ہو سکا ہے۔ جبران نے بتایا کہ ہمیں نوکری کی تلاش کے دوران کچھ جرائم پیشہ گروہ ایسے بھی ملے ہیں جو منشیات سمگلنگ و دیگر جرائم میں مبتلا تھے وہاں سے ہمیں بھی نوکری کی آفر ہوئی لیکن ہم نے یہ آفرز ٹھکرا دیں۔ سلمان نے بتایا کہ میرے والد لیبیا میں ایک پرائیویٹ کمپنی میں ملازمت کرتے ہیں اور ایک بڑا بھائی یوا اے ای پلٹ اور گزشتہ دو سال سے گھر پر بے روزگاری کے دن گزار رہا ہے۔ عاقب کے والد حیات نہیں ہیں اس کا بھائی پولیس میں ملازمت کرتا ہے جو گھر کا نظام اور عاقب کے اخراجات برداشت کرتا آ رہا ہے۔ جبران کے والد ریٹائیرڈ سرکاری ملازم اور دل کے عارضہ میں مبتلا ہیں، زندگی بھر کی جمع پونجی، پنشن والد کے علاج اور جبران کی تعلیم پر خرچ کر چکے، جبکہ رئیس کی والدہ 13 سال پہلے اپنے میاں سے

علیحدگی اختیار کرنیکے بعد اپنے مسکہ میں قیام پذیر ہیں، اپنی ماں اور دو بہنوں کے ساتھ وہ ننھیال میں رہتاہے تمام اخراجات اس کے ننھیال والے ہی برداشت کرتے آرہے ہیں۔ مختصراً یہ معلوم ہوا کہ چاروں نوجوان، انکے والدین اور دوست احباب انکی بے روزگاری کے حوالے سے پریشان ہیں۔ نوجوان سوال کر رہے تھے کہ ملک کی حالت کب تک ایسی رہے گی ؟ تعلیم یافتہ طبقہ سڑکوں پر اور سفارشی اچھی پوزیشنوں پر کب تک بیٹھیں رہیں گے ؟ میرٹ کی پامالیاں ہمارے سامنے ہو جاتی ہیں لیکن ہم خاموش اس لیے رہ جاتے ہیں کیوں عدلیہ وحکومت سے بھی انصاف کی توقع نہیں ہوتی ؟ بے روزگاری کا فیکٹر اتنا عام ہو گیا ہے کہ آج ہم میں سے ہر ایک اس بات پر راضی ہے کہ ہمیں اپنے شعبہ کے علاوہ بھی کہیں معقول آمدن والی نوکری مل جائے تو بخوشی کر لیں گے ؟۔ آخر میں مجھ سے مشورہ مانگا گیاکہ ہم اب ایسا کیا عمل کریں کہ ہمارے اور ہم جیسے لوگوں کے یہ مسائل حل ہو سکیں۔

تفصیلات جاننے کے بعد میرے لیے اُن چاروں نوجوانوں کے ان سوالات کا جواب دینا خاصا مشکل ہو رہا تھا کیونکہ میں سوچ رہا تھا کہ ایسا نہ ہوکے یہ چاروں مزید مایوس ہو جائیں اور بے روزگاری و مایوسی انہیں جرم کی دنیا میں لے جائے جہاں سے ان کا سلامت لوٹنا ممکن نہ ہو۔ طرح طرح کے وسوسے ذہن میں آرہے تھے۔ کچھ دیر خاموشی کے بعد میں نے ان سے صرف اتنا کہا کہ آج ملک کی

صورتحال یہ ہے کہ یہاں سرمایہ داروں نے اپنے حجم کو مزید بڑھانے کیلئے غیر قانونی کاروبار، منشیات، اغواء برائے تاوان، جرائم بھتہ خوری، کرپشن، سمگلنگ عام کر دی ہے یہ سرمایہ کار سیاست، معاشرت وحکومت میں شریک کار ہو کر اتنے مضبوط ہو چکے ہیں، کہ ان کا توڑ اب ممکن دکھائی نہیں دیتا۔ سرکاری اداروں مین سیاست بازی اور میرٹ کی پامالیاں عام ہو رہی ہیں، ایسی صورتحال میں سرکاری وغیر سرکاری اداروں میں روزگار کے مواقع بنا بھاری رشوت وبڑی سفارش کے ملنا ممکن نظر نہیں آتا۔ آپ لوگ ایسا کریں کہ جن اداروں سے آپ نے یہ ڈگریاں حاصل کر رکھی ہیں ان اداروں کے سربراہوں اور وہاں اپنے شعبہ کے چیئرمینوں سے ملیں اور اصل صورتحال کا بتائیں اور زور دیں کہ ہم آپ کے ادارے سے پڑھ کر اب تک بے روزگار ہیں، ادارے کے سربراہ کے نام لیٹر لکھیں کہ ہمیں کیا مسائل درپیش ہیں؟ بتائیں کہ ہماری بے روزگاری کی وجہ سے ادارے کا نام بھی خراب ہو رہا ہے، ادارے کی ڈگری کی اہمیت پر سوالات اٹھائے جا رہے ہیں اور ادارے کے منتظمین وسٹاف کی مہارت پر بھی سوال اٹھائے جا رہے ہیں لہٰذا ہمارے جاب کا بندوبست کرنے میں مدد کریں۔ امید ہے اس عمل کے بعد وہاں سے جلد آپ کو تسلی بخش جواب آجائے گا کیونکہ ادارے کے ذمہ داران کو اپنی ساکھ بچانے کیلئے آپ لوگوں کو ایڈجسٹ کرانے میں اب دلچسپی مجبوری کی صورت میں ہوگی۔ بات رہی تجربہ نہ ہونے کی تو میں آپ لوگوں کو آپ کے شعبہ جات کے مطابق '' تجربہ کا لیٹر '' بنوانے میں آپ کی مدد کرنا میری ذمہ داری

ہے۔ملاقات ختم ہوئی ،اگلے دو، تین دن کے اندر ان چاروں کو '' تجربہ کے لیٹر '' کے ساتھ تعلیمی اداروں کے سربراہ کے نام لکھے جانے والے خطوط کے مسودہ جات تھما دیئے گئے ۔اس کے بعد سے میرا ان نوجوانوں سے رابطہ نہ ہوا تھا۔گزشتہ ماہ ایک صبح مجھے موبائل پر سلمان کی کال آئی ،اس نے تفصیلات بتائے بغیر ملاقات کیلئے وقت مانگا ۔وقت اور جگہ کا تعین ہوا۔ملاقات ہوئی تو چاروں نوجوانوں کے چہرے کھلے کھلے تھے،انہوں نے بتایا کہ آپ کی ترکیب نے کام دکھا دیا ،ابلاغ عامہ کے دونوں طلباء کو ان کے اپنے تعلیمی ادارے نے ہی کنٹریکٹ کی بنیاد پر ایڈجسٹ کر لیا اور انجنیئرنگ کرنے والے دوسرے نوجوان کو ادارے کے سربراہ کے توسط سے لاہور کے ایک اچھے ادارے میں نوکری دے دی گئی ۔(میں نے اس وقت اللہ پاک کا شکریہ ادا کیا)

۔چاروں دوست اب خوش تھے اور انہوں نے مجھے آج اپنی خوشیوں میں شریک ہونے اور سرپرائز دینے کیلئے کھانے کی دعوت پر بلایا تھا،ان چاروں کی خوشی میں مجھے اپنائیت سی محسوس ہو رہی تھی ،ہم پانچوں دیر تک بیٹھے مختلف موضوعات پر گپ شپ کرتے رہے ۔اس پوری کہانی کو سامنے لانے کا مقصد یہ ہے کہ مسائل ومشکلات اپنی جگہ لیکن ہمت نہیں ہارنا چاہیے،معاشرے میں مشاورت کے عمل کو جاری رہنا چاہیے ،ضروری نہیں کہ تمام بے روزگاروں کو یہی ترکیب کام دے جائے،اپنے تئیں بھی مسائل سے چھٹکارا پانے کیلئے کوشش کی جانی ضروری ہیں ۔مشاورت کا عمل اس لیے بھی ضروری ہے کہ کیا معلوم کسی کا ایک بہترین مشورہ زندگیوں میں بڑی تبدیلیاں

لانے میں مدد کر دے۔ رہی بات ملکی حالات کی تو یہ جلد سدھرتے ہوئے نظر نہیں
آتے۔

کراچی میں اسلحہ سمگلنگ کیس اور فوجی آپریشن کی کی بازگشت

وفاقی حکومت کی بھاگ دوڑ گزشتہ ڈھائی ماہ سے ن لیگ کے ہاتھ میں ہے لیکن کچھ عرصہ بجلی کی لوڈ شیڈنگ کے چھٹکارے کے علاوہ کوئی ایسی کامیابی حاصل نہیں کی گئی کے جسے مثالی کہا جائے۔ کشکول اٹھا کر دوسرے ممالک سے مانگ تانگ کر کے ن لیگ ن اپنے منشور کی خلاف ورزی پہلے سے کر دی ہے اب دیکھتے ہیں عدلیہ اور انتظامیہ کے حوالوں سے منشور میں جو کچھ لکھا ہے اس پر عمل کس حد تک کیا جاتا ہے۔ گزشتہ دنوں سپریم کورٹ نے بحری جہاز اور لانچ سے اسلحہ سمگلنگ کے معاملے پر سابق ممبر کسٹم رمضان بھٹی کی سربراہی میں کمیشن قائم کر دیا ہے جو 7 دن میں رپورٹ سپریم کورٹ میں پیش کرے گا سات دن بھی مکمل ہونے والے ہیں اب دیکھیں گے کیا رپورٹ سامنے لا کر فیصلہ سنایا جاتا ہے۔ کراچی بدامنی عملدرآمد کیس کی سماعت کے دوران چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری نے ریمارکس دیئے کہ ملک بھر میں ہتھیاروں کی ترسیل اور کنٹرول امن وامان کا اہم مسئلہ ہے، عدالتی فیصلے کو 2 سال گزرنے کے باوجود کوئی پیش رفت نظر نہیں آتی۔ چیف جسٹس نے کہا کہ وفاقی حکومت کو اسلحہ ڈیلرز کی مشاورت سے اقدامات کرنا ہوں گے، حکومت اسلحہ کی سمگلنگ پر فوکس کرے اور کراچی پورٹ سے نکلنے والے کنٹینرز کی مانیٹرنگ اور چیکنگ سخت کرے۔ سپریم کورٹ نے بحری جہاز اور لانچ سے اسلحہ سمگلنگ کے

معاملے پر کمیشن قائم کر دیا ہے جس کے سربراہ سابق ممبر کسٹم رمضان بھٹی ہوں گے، یہ کمیشن 7 دن میں رپورٹ سپریم کورٹ میں پیش کرے گا اور ہتھیاروں کی خریداری، بحری جہاز اور لانچوں سے اسلحہ سمگلنگ کے خاتمے سے متعلق تجاویز دے گا۔ سپریم کورٹ نے ایف بی آر کو رمضان بھٹی کو مکمل سہولیات فراہم کرنے کی ہدایت بھی کی ہے۔ سپریم کورٹ نے پیپلز پارٹی کے گزشتہ پانچ سالہ دور میں متعدد بار اہم امور پر کمیشن تشکیل دیئے جنہوں نے رپورٹیں مرتب کیں اور کورٹ میں پیش کیں جن پر سپریم کورٹ نے ایکشن لیتے ہوئے حکومت کو ہدایات جاری کیں کہ فلاں فلاں ملزمان کو گرفتار کیا جائے اور ان سے تفتیش کی جائے لیکن پیپلز پارٹی حکومت کو ٹس سے مس نہیں ہو رہا تھا کہ سپریم کورٹ کے فیصلوں پر عملدرامد کو یقینی بناتی۔ دوسری جانب چیف جسٹس سپریم کورٹ افتخار محمد چودھری نے کراچی امن وامان کیس میں ڈائریکٹر جنرل رینجرز کی عدالت میں عدم موجودگی کا سخت نوٹس لیتے ہوئے انہیں فوری طور پر عدالت میں طلب کیا اور باور کرایا کہ یہاں تو تحفظ فراہم کرنیوالے خود محفوظ نہیں پولیس بھی آزادانہ گھوم پھر نہیں سکتی چیف جسٹس نے کہا کہ عدالت نے اڑھائی سال قبل سیاسی جماعتوں کے عسکری ونگ ختم کرنے کا حکم دیا تھا اب تک اس عدالتی حکم پر کیوں عملدرآمد نہیں ہوا؟ ڈی جی رینجرز میجر جنرل رضوان اختر نے بعدازاں عدالت میں پیش ہو کر بیان قلمبند کرایا کہ کراچی کے حالات خراب کرنے میں سیاسی ونگز ملوث ہیں اور سیاسی جماعتوں کے کارکنوں کی رہائی کے

بعد حالات خراب ہوتے ہیں۔ فاضل عدالت نے اس پر انہیں باور کرایا کہ سیاسی ونگ ختم کرنا انکے ادارے کی ذمہ داری ہے۔ اگر وہ بطور ادارہ ذمہ داری ادا نہیں کر سکتے تو اپنی ناکامی قبول کریں۔ فاضل عدالت نے ریمارکس دیئے کہ معلوم نہیں وہ کونسی طاقتیں ہیں جو پولیس اور رینجرز کو قیام امن سے روکتی ہیں۔

چیف جسٹس سپریم کورٹ کی سربراہی میں عدالت عظمی کے بینچ نے اڑھائی سال قبل کراچی رجسٹری میں بیٹھ کر کراچی امن وامان کیس کی دو ہفتے تک مسلسل سماعت کی اور اپنے فیصلہ میں امن وامان کی بحالی سے متعلق احکام جاری کرتے ہوئے نہ صرف مرض کی تشخیص بتائی بلکہ اس کا اصل علاج بھی تجویز کیا۔آج بھی کراچی کو لاحق مرض کی تشخیص اور اسکے اصل علاج کے بجائے محض زبانی جمع خرچ سے کام لیا جارہا ہے اور ایک دوسروں پر سیاسی پوائنٹ سکورنگ کی کوشش کی جارہی ہے جبکہ کراچی کی بدامنی اس انتہا کو پہنچ چکی ہے کہ وہاں روزانہ ایک آدھ درجن بے گناہ انسانوں کی لاشیں گر رہی ہیں۔ کوئی شخص گلی محلے بازاروں اور کسی پبلک مقام تو کجا اپنے گھروں میں بھی محفوظ نہیں لوگوں کا روزگار اور کاروبار تباہ ہو چکا ہے اور مزید تباہی کا اہتمام ہوتا نظر آرہا ہے جبکہ ملک کے اس تجارتی ہب کی تباہی کے منفی اثرات پورے ملک کی معیشت پر مرتب ہو رہے ہیں اور سابقہ دور ہی کی طرح اب بھی گورننس کہیں نام کو بھی نظر نہیں

آ رہی۔ سیاسی جماعتوں کے عسکری ونگز بھی موجود ہیں اور انکی آڑ میں ٹارگٹ کلرز بھتہ خور لینڈ مافیاز اور دیگر بدقماش عناصر بھی کراچی میں دہشت و وحشت کا بازار گرم کرکے اپنے مذموم مقاصد پورے کرنے میں مگن ہیں۔ اگر سندھ حکومت کراچی میں امن و امان کی بحالی میں مخلص اور سنجیدہ ہوتی تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ پولیس اور رینجرز کے ذریعے دہشت گردوں اور بدقماشوں کی سرکوبی نہ ہو پاتی مگر جب حکومتی اور اپوزیشن جماعتوں کی جانب سے ہی اپنے اپنے مفادات کے تحت ان بدقماش عناصر کی سرپرستی کی جا رہی ہو تو قانون اور امن نافذ کرنیوالی ایجنسیوں کے اقدامات بھی کب موثر ثابت ہو سکتے ہیں۔

ایم کیو ایم کراچی میں فوج طلب کرنے کا مطالبہ کر رہی ہے جس پر وفاقی وزیر داخلہ چودھری نثار علی خان نے کہا ہے کہ کراچی میں فوج بلانا درست نہیں۔ انہوں نے اسکے جواز میں یہ دلیل پیش کی کہ وفاقی حکومت کی جانب سے کراچی میں فوج بلانا صوبائی حکومت کے مینڈیٹ کی خلاف ورزی ہو گی۔ کراچی میں وفاقی حکومت کے پاس گورنر راج کے نفاذ کا آپشن موجود ہے جس کے بعد متعلقہ صوبے کے وفاق کے زیر کنٹرول آنے سے فوج کی معاونت طلب کرنے کا اختیار وفاقی حکومت خود بھی استعمال کر سکتی ہے۔ اس سلسلہ میں وزیراعظم میاں نواز شریف کو اپنے ہی دور حکومت میں 1992 میں سندھ میں کئے گئے فوجی اپریشن کو پیش نظر رکھنا چاہیے کہ اس اقدام سے ہی بہتری کی راہ نکلی تھی اس لئے اب بھی فوج کے ذریعہ

ایسے ہی بے لاگ آپریشن سے حالات پر قابو پایا اور کراچی کا امن و امان بحال کیا جا سکتا ہے جبکہ اب تو کراچی کو فوج کے حوالے کرنے کا تقاضہ خود ایم کیو ایم کی جانب سے کیا گیا ہے۔ مضبوط پولیس اور رینجرز کے ذریعے کراچی میں امن و امان کی بحالی ممکن ہو سکتی ہے کیونکہ کراچی کے حالات تو پہلے سے بھی ابتر ہو چکے ہیں اب گرینڈ آپریشن وقت کی اہم ضرورت بن چکا ہے۔ ان اقدامات کی بنیاد پر حکومت مخالف جماعتوں کو حکومت پر انتقامی کارروائیوں کے الزامات عائد کرنے کا موقع بھی ملنا بھی محال نہیں جیسا کہ فاروق ستار نے کراچی میں رینجرز کے چھاپوں کے دوران ہونیوالی گرفتاریوں پر حکومت کو انتقامی کارروائیوں کا مورد الزام ٹھہرایا۔ یہ صورتحال کسی سدھار کے بجائے مزید بگاڑ کی عکاسی نہیں بنے گی بلکہ کراچی کے حالات کے معاملہ میں وفاقی حکومت کو بے نیازی والا رویہ ترک کرکے امن و امان کی بحالی کے اصل تقاضے پورے کرنے چاہئیں اور افواج پاکستان اور رینجرز کے باہمی تعاون کے ذریعے آپریشن کراکے حالات پر قابو پانا چاہیے ورنہ کراچی کی بدامنی کا تسلسل جاری رہے گا اور وہاں کی عوام خون کی ہولی کے رنگوں میں رنگتی رہے گی۔

امریکہ اپنے ایجنٹ کو چھڑا لے جائے گا؟

گاؤں کے کسی طاقت ور بدمعاش نمبردار کی مانند امریکہ پوری دنیا میں اپنے آپ کو سپر پاور ثابت کرنے کی کوششوں میں ہر دم مصروف نظر آتا ہے،اس کی پالیسیاں اس کے انٹیلی جنس ادارے تشکیل دیتے ہیں جن پر ہر نئے آنے والے حکمران کو کو بلکل اسی طرح عمل پیرا ہونا پڑتا ہے جس طرح گاؤں کے نمبردار کے بعد آنے والے نئے نمبردار کو بھی وہی طریقہ کار استعمال کرکے اپنے مزاروں کو قابو کرنا پڑتا ہے ۔امریکہ میں صدر یا وزیر خارجہ کوئی بھی ہو اسے اپنے خفیہ اداروں کی پالیسیوں سے باہر نکلنے کی اجازت یا مداخلت نہیں کرنے دی جاتی۔ گزشتہ دنوں قومی و بین الاقوامی میڈیا میں ڈاکٹر عافیہ صدیقی کی ڈاکٹر شکیل آفریدی کے بدلے رہائی کے حوالے سے خبریں منظر عام پر آئیں جن کی بعد میں تردید کر دی گئی ۔امریکہ جو دنیا پر غالب رہنے کیلئے کمزور ممالک کے ذہنوں پر سوار رہنے کی کوششیں کرتا رہتا ہے کی اپنے ایجنٹ ڈاکٹر شکیل آفریدی کی رہائی کیلئے کوششیں اور توانائیاں صرف کر رہا ہے اس سلسلے میں وہ میڈیا میں ایسی خبریں ایک سازش کے تحت چھوڑ کر دوسرے ممالک اور اداروں کا رد عمل دیکھ کر اپنے مشن کی تکمیل کیلئے مستقبل کی نئی پالیسیاں مرتب کرتا ہے ۔امریکی پالیسی ساز اداروں کی تاریخ گواہ رہی ہے کہ وہ کبھی کسی ایسی پالیسی پر نہ خود عمل پیرا ہوتے ہیں

جن میں امریکی خفیہ اداروں کی پالیسیوں کو ٹھیس پہنچے اور انکے عوام کی نظر میں ان کی ساکھ متاثر ہونے کا خدشہ ہو اور نہ اپنے حکمرانوں کے ایسا کرنے دیتے ہیں اس کی ایک بڑی مثال اسرائیلی جاسوس ناتھن پولارڈ کی ہے جس سے سبق سیکھنے کی ضرورت ہے۔امریکی ریاست نارتھ کیرولینا کی جیل کی آہنی دیواروں کے پیچھے 26 سال سے ایک اسرائیلی جاسوس 'جوناتھن پولارڈ' قید ہے۔جسے امریکہ میں رہ کر اسرائیل کیلیے جاسوسی کرے کے الزام میں گرفتار کرکے سزادی گئی ہے، ناتھن پولارڈ کی رہائی کے لئے اسرائیلی حکمرانوں نے ہر حربہ استعمال کیا ہے، مگر ہر مرتبہ امریکی انتظامیہ کے اعلیٰ افسران اس کی رہائی کے راستے میں دیوار بن کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جوناتھن پولارڈ امریکی شہری تھااور ایک یہودی خاندان میں پیدا ہوا، مگر پھر اسے اسرائیل کے لئے جاسوسی کرنے کے جرم میں گرفتار کر لیاگیا۔آج جوناتھن پولارڈ کی رہائی کے لئے ہر اسرائیلی تڑپ رہاہے، مگر امریکی اسے کسی طرح رہا کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

1998ء میں جب ہیبرون معاہدہ ہو رہا تھا تو اس وقت اسرائیلی وزیراعظم نیتن یاہو نے شرط رکھی کہ وہ اس معاہدے پر صرف اس صورت میں دستخط کریں گے اگر صدر کلنٹن جوناتھن پولارڈ کو رہا کر دیں۔صدر کلنٹن نے جوناتھن پولارڈ کو رہا کرنے کا عندیہ بھی دے دیا۔اسرائیلی و دیگر یہودی ممالک کے اخبارات میں شہ سرخیوں کے ساتھ خبریں شائع ہوئیں کہ جوناتھن پولارڈ رہا ہو کر وزیراعظم نیتن یاہو کے طیارے میں اسرائیل آرہاہے۔اس کے پرجوش استقبال کے لئے تیاریاں شروع ہو

گئیں، مگر اس وقت کے سی آئی اے کے چیف جارج ٹینٹ نے صدر کلنٹن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا کہ اگر رات کو پولارڈ کو رہا کرنے کا فیصلہ کیا جاتا ہے تو صبح وہ استعفیٰ دے دیں گے۔ اپنی خود نوشت میں جارج ٹینٹ نے اس واقعے کا قدرے تفصیل سے ذکر کیا ہے جس میں اس کا کہنا ہے کہ امریکی انتظامیہ کے اعلیٰ عہدیدار پولارڈ کو رہا کرنے پر آمادہ ہو گئے تھے، مگر جارج ٹینٹ کا خیال تھا کہ اس کی رہائی سے سی آئی اے میں سخت بے اطمینانی پھیل جائے گی اور وہاں کوئی یہ یقین نہیں کرے گا کہ اتنا بڑا فیصلہ اس کی مرضی کے خلاف ہوا ہے اور اس صورت میں اس کے سی آئی اے کا سربراہ رہنے کا جواز ختم ہو جائے گا۔ جارج ٹینٹ بتاتا ہے کہ ایک رات کو ایک بجے جب جارج ٹینٹ کی صدر کلنٹن سے ملاقات ہوئی تو اس نے کہا کہ اگر پولارڈ کو رہا کیا گیا تو وہ صبح سی آئی اے کا چیف نہیں ہو گا۔ اسے بخوبی علم تھا کہ پولارڈ کے معاملے میں صدر کلنٹن پر کتنا زیادہ دباؤ ہے، کیونکہ خود اسرائیلی وزیر دفاع نے اسے زور دے کر بتایا تھا کہ اسرائیل کو ہر قیمت پر پولارڈ کی ضرورت ہے۔ پولارڈ رہا نہیں ہوا اور اسرائیلی وزیر اعظم نیتن یاہو کو ہیبرون معاہدے پر اس کے بغیر ہی دستخط کرنا پڑے، کیونکہ وہ سمجھ گئے تھے کہ پولارڈ کو رہا نہ کرنے کے لئے صدر کلنٹن کی انتظامیہ کے افسران آخری حد تک جانے کے لئے تیار ہیں۔ جوناتھن پولارڈ کی رہائی اسرائیلی ایجنڈے پر سرفہرست رہی ہے۔ نیتن یاہو جب وزیر اعظم نہیں تھے تو وہ اس قیدی سے ملنے جیل گئے تھے۔ ان کی انتخابی مہم

میں بھی جوناتھن پولارڈ کی رہائی کا وعدہ نمایاں رہا۔ رواں سال جولائی میں بطور اسرائیلی وزیراعظم نیتن یاہو نے امریکی وزیر خارجہ جان کیری سے پھر کہا تھا کہ اگر 58 سالہ پولارڈ کو رہا کر دیا جائے تو اسرائیلی حکومت ان 103 فلسطینیوں کو رہا کر دے گی جن کی رہائی کا مطالبہ فلسطینی کر رہے ہیں، مگر جان کیری نے بھی اسے مسترد کر دیا تھا، کیونکہ اسے معلوم تھا کہ امریکی حکومت کے انتظامی افسر ایسا کسی صورت نہیں ہونے دیں گے۔ جوناتھن چونکہ یہودی ہے اس لیے امریکہ میں جوناتھن پولارڈ کے بے شمار حامی ہیں جو اس کی رہائی کے لئے متعدد مرتبہ زوردار تحریکیں چلائی چکے ہیں، اس کے حق میں یہ دلیل دی جاتی ہے کہ اس نے امریکہ سے غداری نہیں کی تھی، بلکہ ایک دوست ملک کو چند ممالک کے دفاعی نظام کے متعلق معلومات فراہم کی تھیں جن میں پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے متعلق معلومات بھی شامل تھیں۔ اس کے علاوہ اس نے جنوبی افریقہ اور دیگر مسلمان ممالک کے دفاعی نظاموں کے متعلق خفیہ معلومات بھی اسرائیل کو فراہم کی تھیں ۔ یہ معلومات اسرائیل کے ساتھ اپنی مذہبی عقیدت کی بنا پر دی تھیں۔ امریکی انتظامیہ کے افسران کہتے ہیں کہ پولارڈ کا جرم ثابت ہوگیا ہے کہ اس نے امریکہ سے غداری کی تھی۔ اس نے امریکہ کی بجائے اسرائیل کے ساتھ اپنی وفاداری کا ثبوت دیا تھا۔ امریکہ میں بے شمار یہودی اعلیٰ عہدوں پر کام کرتے ہیں۔ ان کی اسرائیل سے محبت پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا، مگر کسی کو امریکہ سے غداری کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ جوناتھن

پولارڈ کو اگر رہا کر دیا گیا تو اس سے ایک ایسی بری مثال قائم ہو گی، جس سے دوسرے بہت سے لوگوں کو بھی امریکہ سے غداری کرنے کی شہ ملے گی۔ اس لئے جب بھی پولارڈ کی رہائی کا معاملہ اٹھتا ہے تو امریکی انتظامیہ کے سابق عہدیدار بھی اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس طرح انتظامی ڈھانچہ تباہ ہو جائے گا۔ آج امریکی ادارے اپنے ایجنٹ ڈاکٹر شکیل آفریدی کی رہائی کی لیئے لابنگ کرنے میں مصروف ہیں، یہی امریکی ادارے اسامہ بن لادن کو سزا دینے کے لئے افغانستان اور عراق میں لاکھوں لوگوں کا قتل عام کر چکے ہیں،تاریخ گواہ رہی ہے کہ امریکہ نے اپنی سرزمین پر جرم کرنے والے کسی غیر ملکی کو نہ تو کبھی معاف کیا ہے اور نہ ہی نظر انداز، اور نہ ہی اپنے کسی ایجنٹ کو دوسرے ملک میں پکڑے جانے پر سزا دی جانے دی، کیونکہ امریکی سمجھتے ہیں کہ امریکہ کی حفاظت محض سرحدوں پر سختی کرنے یا مشکوک افراد پر کڑی نظر رکھ کر نہیں کی جا سکتی۔ اس کے لئے وہ کسی کی پروا کئے بغیر ہر ہتھکنڈا اختیار کرنے پر تیار رہتے ہیں۔ وہ ڈرون حملے کرتے ہوئے کسی کی کوئی پروا نہیں کرتے کہ کتنے معصوموں کی اس میں موت واقع ہوتی ہے، کیونکہ ان کے نزدیک صرف اسی طرح امریکہ کے تحفظ کے تقاضے پورے کئے جا سکتے ہیں۔ آج ڈاکٹر شکیل آفریدی پشاور جیل میں قید ہے۔ امریکی وزیر دفاع اور سی آئی اے کے اس وقت کے سربراہ لیون پنیٹا اس امر کی تصدیق کر چکے ہیں کہ ڈاکٹر آفریدی سی آئی اے کے لئے کام کرتا رہا ہے۔ امریکی خفیہ اداروں کی پالیسی پر عمل پیرا ہوتے ہوئے

امریکی سینٹ نے ڈاکٹر آفریدی کی سزا پر پاکستان کی 33 ملین ڈالر امداد کم کرنے کا فیصلہ کیا تھا یعنی ایک سال کی سزا پر ایک ملین ڈالر طے پائے۔ کچھ عرصہ قبل امریکی سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے حوالے سے یہ خبر بھی آئی تھی کہ ڈاکٹر آفریدی کے بدلے میں ڈاکٹر عافیہ کو پاکستان کے حوالے کیا جا سکتا ہے۔ بعدازاں اس کی تردید کر دی گئی۔ امریکی خفیہ ادارے اپنے ایجنٹ ڈاکٹر آفریدی کی رہائی کے لئے خاصے سنجیدہ نظر آتے ہیں۔

گزشتہ دنوں پاکستان میں قائم ن لیگ حکومت کے وزیر اطلاعات کی طرف سے ایسے بیانات سامنے آئے کہ جلد ڈاکٹر عافیہ صدیقی کو رہا کرا دیا جائے گا۔اب دیکھنا یہ ہے کہ امریکی خفیہ اداروں نے کس سازش کے تحت حکومت پاکستان کو ایسی کیا تسلی یا لولی پوپ دیا ہے کہ حکمرانوں داکٹر عافیہ کی رہائی کو ممکن سمجھ رہے ہیں،ڈاکٹر عافیہ کی رہائی کیلئے حکومت پاکستان کا امریکی خفیہ اداروں کے ساتھ رابطہ کرنا معمول کی بات ہے لیکن اس رہائی کو یقینی بنانے کیلئے امریکہ کو اپنے قوانین سے انحراف کرنا ہوگا کیونکہ ان کی عدالتیں ڈاکٹر عافیہ کو مجرم ثابت کرکے سزا دے چکی ہیں اب ملک دشمن امریکی ایجنٹ پشاور جیل کے قیدی ڈاکٹر شکیل آفریدی کی رہائی کیلئے امریکی ادارے منصوبہ بندی کرنے میں مصروف ہیں اس کیلئے وہ حکومت پاکستان پر جائز و ناجائز دباؤ بھی بڑھا رہے ہیں اس کے علاوہ وہ اپنے اداروں،ہم خیال و پاکستان دشمن و پاکستان دوست ممالک سے رابطے ضرور کر رہے ہوں گے۔ڈاکٹر عافیہ صدیقی کو تو یقینی طور پر امریکہ

رہا نہیں کرے گا لیکن سابقہ امریکی تاریخ میں ایسے واقعات سے یہ ضرور ثابت ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے ملازم شکیل آفریدی کو لے جانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اس سلسلہ میں پاکستانی خفیہ اداروں کو اسرائیلی ایجنٹ ناتھن پولارڈ والے واقعے پر گہری نظر رکھتے ہوئے ایسی پالیسی مرتب کرنا چاہیے کہ امریکہ ایسے مقاصد کو حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ لیکن یہاں ہماری تاریخ بھی اس بات کی شاید رہی ہے کہ ہمارے ہمارے حکمران جلد بھلاوے اور دباؤ میں آجاتے ہیں جس وجہ سے ہم مفاہمتی پالیسیوں میں مصروف اور دوسرے روندتے ہوئے چلے جاتے ہیں۔

قانون کی حکمرانی یا مذاکرات کا راستہ

اپر دیر میں سڑک کنارے نصب بارودی سرنگ کے دھماکے میں پاک فوج کے دو افسران سمیت تین اہلکار شہید ہوئے جبکہ تحریک طالبان نامی گروپ نے ذمہ داری بھی قبول کرلی۔ پاک فوج کے محکمہ تعلقات عامہ کے مطابق پاک فوج کے میجر جنرل ثنااللہ اور لیفٹیننٹ کرنل توصیف پاک افغان سرحد کے قریب اگلے مورچوں کا دورہ مکمل کرکے واپس آرہے تھے کہ اپر دیر میں دھماکہ ہوگیا جس کی زد میں آکر افسران شہید ہوگئے۔ نجی ٹی وی چینل کے مطابق میجر ثنااللہ کا تعلق بلوچ رجمنٹ سے تھا وہ جنرل آفیسر کمانڈنگ سوات تعینات تھے جبکہ وہ ملٹری ٹریننگ اور سٹاف کالج کوئٹہ میں خدمات انجام دے چکے ہیں۔ دہشت گردی کے اس واقع پر صدر ممنون حسین ، میاں نواز شریف اور صدر آصف علی زرداری افسوس کا اظہار کیا اور غمزدہ خاندانوں سے ہمدردی کا اظہار کیا۔ اس واقع کے بعد تحریک انصاف کے چیئرمین عمران خان کا بیان سامنے آیا کہ طالبان سے مذاکرات میں اگر تحریک انصاف کی مدد کی ضرورت ہوئی تو اسے خوش آمدید کہیں گے خیبر پختونخواہ حکومت طالبان کیساتھ مذاکرات کیلئے وفاق کی حمایت کرے گی اس وقت ہمارے پاس مذاکرات کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہے لیکن طالبان سے مذاکرات کیلئے یہ بھی ضروری ہے جنگ بندی کی جائے ہم نہیں چاہتے کہ افغانستان کی طرح

بم بھی برسائے جارہے ہوں اور مذاکرات بھی ہورہے ہوں ، طالبان کیساتھ مذاکرات کا آغاز خطے میں مستقل قیام امن کیلئے ہونا چاہئے خیبر پختونخواہ حکومت طالبان کیساتھ مذاکرات کیلئے مرکز کی حمایت کرے گی۔اس وقت اگر ملک کو بچانا ہے تو قوانین کو سخت کرنا اوران پر عملدرامد یقینی بنانا ہوگا۔چیف جسٹس آف پاکستان افتخار محمد چودھری کا بھی دہشت گردی کے خلاف بیان سامنے آیا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ مہذب معاشرے کی بنیاد قانون کی حکمرانی پر مبنی ہے، قانون سے بالاتر کوئی نہیں، عدلیہ آئین کے مطابق معاشرے میں قیام امن اور عوام کے مسائل حل کرنے کے لئے اقدامات کررہی ہے،اسلام میں عدل وانصاف لفظی معاملہ نہیں مذہبی فریضہ ہے، ریاستی اداروں پر کڑی نظر رکھنا عدلیہ کی آئینی ذمہ داری ہے، ماتحت عدلیہ بنیادی ڈھانچے کے بغیر فرائض ادا کررہی ہے، ملک میں سائبر کرائمز کے متعلق کوئی قانون موجود نہیں ہے۔چیف جسٹس نے عدلیہ میں جدید تربیت اور تحقیق سے فیصلوں کا معیار بلند کرنے پر زور بھی دیااور ملک میں انصاف کی جلد فراہمی ریاست کی ذمہ داری قرار دیا۔دہشت گردی کے ان حالیہ واقعات کے بعد جہاں ایک طرف تمام سیاسی و مذہبی قیادت اس واقع کی مذمت کررہی ہے وہاں تحریک طالبان کی مستقبل کی پالیسی بھی سامنے آچکی ہے۔ایسا لگ رہاہے کہ طالبان مذاکرات کی سادہ زبان سمجھنے سے قاصر نظر آتے ہیں ان کا یہ رویہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ بہت زیادہ مضبوط نیٹ ورک کے مالک بن چکے ہیں اس لیے ان کیلئے ایسے دہشت گردی کے واقعات کرانا زیادہ

محنت طلب محسوس نہیں ہو رہا جبکہ ان کی معاونت غیر ملکی ایجنٹ بھی کر رہے ہیں ۔ان حالات میں ایسا نظر آتا ہے کہ ملک میں عام آدمی کو انصاف فراہم کرنے اور قانون کی بالادستی قائم کرنے کی بات مسلسل کہی جاتی رہی ہے لیکن اس پر عمل کہیں نظر نہیں آرہا، قانون کی بالا دستی کا لفظ عوام نے قیام پاکستان کے بعد سے مسلسل سنا ہے لیکن آج تک قاعدے قانون پر عملدرآمد کا مزاج پوری قوم میں پیدا نہیں ہو سکا۔ ضرورت تو اس بات کی تھی کہ شہریوں میں ہر سطح پر یہ شعور پیدا کیا جاتا کہ مہذب اور قابل احترام ہونے کے لئے دولت اور عہدہ و اقتدار کا حصول نہیں بلکہ قانون قاعدے کی پابندی ضروری ہے۔ بے اصول اور ملکی قانون کو نظر انداز کرنے والے لوگ با عزت نہیں بلکہ مجرم اور نچلے درجے کے لوگ ہیں۔ دوسروں کے ساتھ انصاف کا سلوک نہ کرنے والے معاشرے میں فساد اور انتشار پھیلانے کے ذمہ دار ہیں۔ تمام ریاستی ادارے انصاف کی جلد فراہمی کے ذمہ دار ہیں لیکن انصاف کے حصول کے لئے عام آدمی کو زندگی بھر جس طرح خوار اور پریشان ہونا پڑتا ہے اور نچلی سطح پر ہماری عدالتوں کی جو حالت ہے ، اسے دیکھ کر کوئی بھلا انسان بھی اس معاشرے میں رہنا پسند نہیں کرتا۔ بڑے جرائم کے پیچھے موجود محرکات کے سلسلے میں کی گئی تحقیقات ہر بڑے مجرم کے ساتھ اس کے مجرم بننے سے پہلے ہونے والی زیادتیوں اور ظلم کی نشاندہی کرتی ہے۔ اس لئے ہمیں اب اپنے شہریوں کو تحفظ فراہم کرنے کا راستہ اختیار کرنا ہوگا۔ یعنی انصاف مہیا کرکے تحفظ دینے اور ان کے

جان و مال کا تحفظ فراہم کرنے کا راستہ اختیار کرنا اب ہماری مجبوری بن چکا۔ وفاقی اور صوبائی حکومتیں جہاں دہشت گردی کے خلاف جنگ لڑنے کے دعوے کر رہی ہیں وہاں انہیں چاہیے کہ قانون کے نفاذ کو یقینی بنائیں اور نچلی سطح پر انصاف کی فراہمی یقینی بنائیں ماضی میں خیبر پی کے میں حالات سب سے زیادہ خراب رہے ہیں، تحریک انصاف کی، یہاں حکومت بننے کے بعد عوام نے کسی حد تک سکھ کا سانس لیا لیکن پھر اب پے در پے دہشت گردوں نے ایسے حملے کیے کہ صوبائی حکومت کے ہوش ٹھکانے پر آ گئے ہیں، یہی حال دیگر صوبوں کا بھی ہے۔ ان واقعات سے تب تک مکمل چھٹکارا حاصل نہیں کیا جا سکتا جب تک پولیس اور دیگر فورسز سے کالی بھیڑوں کا خاتمہ نہیں کیا جاتا۔ کیونکہ انہی اداروں پر ملک میں امن و مان کی ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے اس لیے ان اداروں کو جدید تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے تربیت بھی مہیا کی جانی وقت کی اہم ضرورت ہے۔ چیف جسٹس پاکستان کا دہشت گردی کے خلاف موقف جاندار ہے اس پر عمل کرنا ریاستی اداروں کی ذمہ داری ہے جبکہ بلند بانگ دعوے کرنے والے عمران خان کو اب اس بات کا ادراک کر لینا چاہیے کہ عوام کی ایک بڑی تعداد ان کے ساتھ شانہ بشانہ کھڑی ہے ،اس بھاری مینڈیٹ کو لیتے ہوئے انہیں بڑے فیصلے کرتے ہوئے ان پر عمل درامد یقینی بنانا ہوگا، صرف مولانا فضل الرحمان کو گالیاں دینے س اب کام نہیں چلے گا۔ اپر دیر جیسے واقعات کو روکنے کیلئے صرف مذاکرات سے کام نہیں چلے گا بلکہ ایسے گروپوں جن کی سرپرستی دوسرے ممالک یا

ملک میں موجود ملک دشمن عناصر کر رہے ہیں کے خلاف جنگ ضروری ہے کیونکہ مذاکرات سے اپنوں کو راضی کیا جا سکتا ہے جانی دشمنوں کے خلاف مذاکرات کرنے کی روایت ڈھونڈے نہیں ملتی۔اب فیصلہ کرنے کا وقت آگیا ہے کہ ان ملک دشمنوں کے خلاف جنگ کرنی ہے یا مذاکرات سے ہی حکمرانوں اور اداروں کا کام چلتا رہے گا۔

دارالحکومت میں غیر ملکیوں کے ڈیرے اور نئے شہر کا منصوبہ

گزشتہ دنوں وفاقی وزیر داخلہ چوہدری نثار علی خان نے انکشاف کیا کہ اسلام آباد کے قرب و جوار میں واقع کچی آبادیوں میں تقریبا ایک لاکھ غیر ملکی آباد ہیں جن میں سے اکثر جرائم پیشہ سرگرمیوں میں ملوث ہیں۔وزیر داخلہ نے اسلام آباد میں ایسے افراد کی تعداد اور جگہوں کے جو حقائق بتائے ان سے بہت سوں کی نیندیں اڑ چکی ہیں وزیر داخلہ نے بتایا کہ یہ لوگ وفاقی دارالحکومت میں ہونے والے تمام قسم کے جرائم میں ملوث ہیں۔۔بری امام اور سیکٹر ڈی 12 ایسے ملزمان کے معروف مقامات قرار دیئے ۔ وزارت داخلہ کے منصب سنبھالنے کے فوری بعد کچی آبادیوں میں مقیم افراد کی رجسٹریشن کا پراسیس مشکلات کے باوجود مکمل ہونے کا دعویٰ کرتے ہوئے چوہدری نثار نے بتایا کہ رجسٹریشن کی ابتدا میں مختلف افراد اور حلقوں نے اپنے ذاتی مفادات کی خاطر اس عمل میں رکاوٹ ڈالنے کے لیے یہ تصور عام کرنے کی کوشش کی تھی کہ رجسٹریشن کا عمل ناممکن اور اگر اس عمل کی تکمیل میں احتیاط سے کام نہ لیا تو شہر میں امن وامان کے حوالے سے صورتحال خراب ہو سکتی ہے اس لیے وزیر داخلہ نے پولیس افسران کو ہدایات جاری کی تھیں کہ وہ اس عمل کی انجام دہی کے دوران کسی بھی قسم کے دباؤ کو خاطر میں نہ لائیں اور رجسٹریشن

کا عمل جلد از جلد مکمل کریں، وزیر داخلہ کا غیر قانونی رہائش پذیر گروہوں کی فہرستیں حاصل کرنا ایک بہترین اقدام قرار دیا جا سکتا ہے لیکن یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اسلام آباد جیسے حساس اور اہم ترین شہر میں گزشتہ دور کی حکومتوں نے غیر قانونی آبادکاروں جن میں غیر ملکیوں کی ایک بری تعداد ہے کی طرف کوئی توجہ کیوں نہیں دی گئی۔انہی غیر قانونی رہاش پذیر افراد کی وجہ سے آج پورے ملک میں امن و امان کی حالت ابتر ہے،اسلام آباد میں ان غیر قانونی رہاش پذیر غیر ملکیوں کا تعلق افغانستان، ہندوستان، وسطی ایشیائی، عرب ممالک،امریکہ،یورپ اور افریقی ممالک سے بتایا جاتا ہے۔اتنی بڑی تعداد میں ان غیر ملکیوں کا اس طرح کھلے عام رہائشیں اختیار کرنا قومی سلامتی کے اداروں کی کارکردگی پر سوالیہ نشان اور حکمرانوں کی اس نازک معاملے پر عدم توجہی اور بے حسی ظاہر کرتا ہے۔

ادھر دوسری جانب وزیراعظم نواز شریف کی ہدایت پر سی ڈی اے 12 ارب ڈالر کی بھاری لاگت سے ایک ڈریم پراجیکٹ پر کام کر رہا ہے جس کے تحت مارگلہ ہلز کے قریب جڑواں دارالحکومت تعمیر کیا جانا ہے،مارگلہ کے ارد گرد دونوں شہروں کو ایک سرنگ کے ذریعے جوڑنے کی منصوبہ بندی بھی کی جا رہی ہے۔اس منصوبے کو دبئی کے تجارتی اور سیاحتی علاقے شیخ زید ایونیو کی نقل کے طور پر بنایا جانا ہے۔رپورٹس کے مطابق اس بڑے پراجیکٹ میں راولپنڈی اور اسلام آباد کے

درمیان دور رنگ روڈز اور راولپنڈی کے علاقے روات میں ایک نیا ائیرپورٹ بھی تعمیر کیا جانا ہے اور جیسے ہی اسے حتمی شکل دے دی جائے گی وزیراعظم اس کا اعلان بھی کر دیں گے۔ میڈیا رپورٹس کے مطابق اکنامک زون اور کثیر المقاصد زون کی تعمیر کیلئے سی ڈی اے 25 ہزار ایکڑ زمین کے حصول کیلئے کوششیں کر رہا ہے یہ زمین بھی اسی میگا پراجیکٹ کیلئے استعمال کی جانا ہے۔ سی ڈی اے کے چیئرمین کو وزیراعظم نواز شریف نے اس پراجیکٹ پر جنگی بنیادوں پر کام کرنے کی ہدایت کر رکھی ہے۔ اس پراجیکٹ کی نمایاں خصوصیات میں مارگلہ ہلز کے پار ایک نیا اسلام آباد شہر بنائے جانا اور اس کے بعد نئے اور پرانے اسلام آباد کو ایک سرنگ کے ذریعے جوڑنا ہے۔ پراجیکٹ کے تحت بلیو ایریا سے شروع ہونے والی اسلام آباد ہائی وے کو روات تک 8 سے 10 لین پر مشتمل سڑک بنانے کیلئے وسیع کیا جائے گا اور اس کے دونوں اطراف کثیر المنزلہ کمرشل عمارتیں تعمیر کی جانی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ روات میں ایک نیا ائیرپورٹ بھی تعمیر کیا جانا ہے جسے لاہور اور اسلام آباد موٹروے سے جوڑا جائے گا۔ حکومت توقع کر رہی ہے کہ توسیع شدہ اسلام آباد ہائی وے کے دونوں اطراف کمرشل پلاٹس کے ذریعے اسے اربوں ڈالرز کی آمدنی ہو گی یہ اکنامک اور کثیر المقاصد زونز اہمیت کی حامل سمجھی جا رہی ہیں کیونکہ اس پراجیکٹ میں غیر ملکی سرمایہ کاروں بالخصوص سمندر پار پاکستانیوں کو اس پراجیکٹ میں سرمایہ کاری کیلئے راغب کیا جائے گا۔ راولپنڈی اور اسلام آباد کے عوام کے فائدے کیلئے دو رنگ

روڈز کی تعمیر کی تجویز بھی پیش کی گئی ہے۔ اس پراجیکٹ پر لمیٹڈ کمپنی ایونیو ڈویلپمنٹ کمپنی کے ذریعے کام کرنے کا منصوبہ بنایا گیاہے ایونیو ڈویلپمنٹ کمپنی کو سی ڈی اے بورڈ نے حال ہی میں منظوری بھی دی ہے۔ سی ڈی اے نے اس سلسلے میں 25 ہزار ایکڑ زمین حاصل کرنے کیلئے کام شروع کر دیا ہے اکنامک اینڈ ملٹی پرپز زون کی تعمیر کیلئے یہ زمین راولپنڈی کے 42 گاؤں کے برابر بتائی جاتی ہے۔ نواز شریف حکومت جہاں ایک طرف وفاقی دار لحکومت اسلام آباد میں غیر قانونی رہاش اختیار کرنے والوں کے خلاف کاروائی میں مصروف نظر آتی ہے وہاں معیشت کو مضبوط کرنے اور مستقبل کی ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے مارگلہ ہلز کی دوسری جانب بھی نیا اسلام آباد شہر آباد کرنے کے منصوبے پر کام کر رہی ہے یہ ایک اہم قدم ہے جس کو اگر وقت مقررہ تک مکمل کر لیا جاتا ہے تو اس سے پاکستان کی معیشت میں بھی بہتری آئے گی اور عالمی برادری میں پاکستان کی ساکھ بھی بہتر کرنے میں معاونت بھی ہو گی لیکن اس منصوبے کی تکمیل کیلئے ملک میں امن وامان کو قائم رکھنا نواز حکومت کیلئے بڑا چیلنج ہو گا کیونکہ حکومتیں تسلی سے تبھی منصوبےمکمل کر سکتی ہیں جب ان کو ملک میں امن کے حالات میسر ہوں۔ وزیر داخلہ کو چاہیے کہ اسلام آباد میں غیر قانونی رہاش اختیار کرنے والوں کے خلاف فوری کاروائی کروائیں اور مستقبل میں ایسے غیر ملکیوں اور جرائم پیشہ گروہوں کی روک تھام کیلئے انتظامیہ اور متعلقہ اداروں کو سختی سے ذمہ داریاں پوری کرنے کی سختی سے

ہدایت کریں۔ حکومت کے نئے شہر بسانے جیسے اقدام سے جہاں لاکھوں ہنر مندافراد کو روزگار میسر آئے گا وہاں سرمایہ کاروں اور کاروباری حضرات کو بھی حوصلہ ملے گا لیکن اس سب کامیابی کیلئے میرٹ پر انتظامی ذمہ داریاں سونپی جانی ضروری ہیں ورنہ پیپلز پارٹی کے گزشتہ دور حکومت کی طرح میرٹ کی دھجیاں اڑاتے ہوئے اگر اپنوں عزیزوں اور جیالوں کو ایڈجسٹ کرنے کی ہی کوشش کی گئی تو یہی منصوبے اس حکومت اور آنے والی دیگر حکومتوں کیلئے بھی مصیبت بن سکتے ہیں۔

انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی پر منڈلاتے خطرات

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کی بنیاد یکم محرم چودہ سو ایک ہجری گیارہ ستمبر انیس سو نواسی کو رکھی گئی مارچ 1985ء میں اس وقت کے صدر جنرل ضیاء الحق نے ایک آرڈینس جاری کرکے اس جامعہ کو ایک باقاعدہ ڈگری دینے والا ادارہ بنایا اس وقت اس ادارے کل نو کلیات اور چھ خود مختار تحقیقی ادارے کام کر رہے ہیں ،اس ادارے میں سترہ ہزار طلبہ زیر تعلیم ہیں جن میں سات ہزار طالبات بھی شامل ہیں ،اسلامک یونیورسٹی میں اسلامی فقہ،اسلامی بینکنگ اور معیشت،اسلامی تاریخ،عربی زبان،اسلامی تہذیب اور اصول الدین کے ساتھ ساتھ جدید سائنسی مضامین ،انجنیئرنگ اور ٹیکنالوجی ،بزنس ایڈ منسٹریشن ، منیجمینٹ سائنسز،سوشل سائنسز،نفسیات اور ابلاغ عامہ کے شعبوں میں تعلیم دی جاتی ہے ۔انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی کے قیام کیلئے سعودی عرب نے بھی دل کھول کر امداد دی ۔یونیورسٹی کا پرانا کیمپ فیصل مسجد اسلام آباد کے اطراف واقع ہے جبکہ نیا کیمپس 2003ء میں اسلام آباد کے سیکٹر ایچ نائن میں بنایا گیا جس سے یونیورسٹی کے تعلیمی پروگراموں میں بھی اضافہ ہوا ،نئے کیمپس کے ساتھ ہی خواتین کیلئے علیحدہ کیمپس بھی بنایا گیا ہے ،اکتوبر 2009ء میں یونیورسٹی کے نئے کیمپ میں دو خود کش دھماکے ہوئے تھے جس

میں چار طالبات سمیت چھ افراد مارے گئے تھے اس واقعے کے بعد پورے ملک کے تعلیمی اداروں میں خوف وہراس پھیل گیا تھا اور تمام ادارے ایک ہفتے تک بند رہے تھے آہستہ آہستہ ادارے معمول پر آ گئے لیکن ایسے واقعات رونما ہونے کی وجہ اور اصل بیماری کی تشخیص کی کوشش نہیں کی گئی تھی اسی کا نتیجہ تھا کہ گزشتہ دنوں حساس ادارے کے اہلکاروں نے پنجاب یونیورسٹی کے ہاسٹل پر چھاپہ مار کر ایک طالبعلم سجاد احمد کو دہشت گردی کے الزام میں گرفتار کیا احمد سجار کی نشاندہی پر قانون نافذ کرنے والے ادارون نے دوبارہ چھاپہ مار کر اس کے ساتھی فاروق حمید کو بھی حراست میں لے لیا۔اطلاعات کے مطابق القائدہ سے تعلق رکھنے والے کمانڈر فدائی مشن کی قیادت کیلئے لاہور آیا تھا اور اس نے ایک مذہبی جماعت کی ذیلی تنظیم سے تعلق رکھنے والے طلبہ کے یہاں پناہ لے رکھی تھی چونکہ پنجاب یونیورسٹی کے ہاسٹلز پر بھی طلبہ تنظیموں کا قبضہ ہے اس لیے ایسے تخریب کاروں کو سیاسی ومذہبی طلبہ تنظیموں کی آڑ میں باآسانی پناہ مل جانا غیر معمولی بات نہیں ہے ،پنجاب یونیورسٹی جیسے معروف ادارے کے ہاسٹلز سے ایسے مشکوک افراد کو گرفتار کیا جانا لمحہ فکریہ ہے اور دیگر تعلیمی اداروں کیلئے بھی باعث فکر ہے۔

پنجاب یونیورسٹی نیو کیمپس لاہور کے قائد اعظم ہال سے القاعدہ کے جنگجو کی گرفتاری معروف اینکر پرسن اور کالم نگار حامد میر اور طاہر سرور میر کیلئے غیر معمولی اور میرے لیے عام سی بات تھی (یہ دونوں سینئر صحافی پنجاب

یونیورسٹی کے اس ہاسٹل میں رہ کے تعلیم حاصل کرتے رہے ہیں جہاں سے احمد سجاد واس کا ساتھی پکڑے گئے) کیونکہ میں گزشتہ چند سالوں سے یونیورسٹیز (اسلامک یونیورسٹی) کے ان ہاسٹلز میں آتا جاتا رہا ہوں اور بحیثیت صحافی اس بارے میں معلومات اکٹھی کرتا رہا ہوں۔پنجاب یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر مجاہد کامران نیاپنے ہاسٹل سے مشکوک افراد کی گرفتاری کے بعد میڈیا سے گفتگو کرتے ہوئے یونیورسٹی ہاسٹلز میں غیر قانونی طور پر مقیم مسلح افراد کی موجودگی کی تصدیق کر دی تھی ،پنجاب یونیورسٹی کے ہاسٹلز پر جس طرح غیر قانونی رہائشیوں کا قبضہ ہے اس بھی زیادہ قابضین بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کے ہاسٹلز میں موجود بتائے جاتے ہیں جن میں دوسری یونیورسٹیوں کالجز کے طلبہ ہی نہیں بلکہ ملازمت پیشہ افراد کی ایک بڑی تعداد موجود ہے کسی کو معلوم نہیں کہ ان قابضین میں کتنے لوگ ایسے ہیں جو حساس اداروں کو مطلوب یا جن کی سرگرمیاں مشکوک ہیں۔اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد میں ملکی و غیر ملکی طلبہ کی ایک بڑی تعداد زیر تعلیم ہے اس کے ساتھ ساتھ مذہبی تعلیم حاصل کرنے کیلئے بھی یہ درسگاہ اپنا ایک مقام رکھتی ہے،افسوس کا مقام ہے کہ اسلامک یونیورسٹی کے ہاسٹلز پر بھی پنجاب یونیورسٹی کی طرز پر طلبہ تنظیموں کا قبضہ ہے۔یہاں اسلامی جمعیت طلبہ اور انجمن طلبہ اسلام دو بڑے گروپ تسلیم کیے جاتے ہیں لیکن اسلامی جمعیت طلبہ کو قدرے زیادہ اہمیت اس لیے بھی حاصل ہے کیونکہ اس طلبہ تنظیم کو یونیورسٹی کے اکثریتی

آفیسران کی حمایت حاصل ہے یونیورسٹی میں اس مخصوص طلبہ تنظیم کی حمایت کرنے والے پروفیسرز اور طلباء کی تعداد دیگر سیاسی و مذہبی تنظیموں کے مقابلے میں قدرے زیادہ ہے ،اسی تنظیمی سیاست کا اب یہ نتیجہ سامنے آرہا ہے کہ یونیورسٹی اور ہاسٹلز میں ان طلباء تنظیموں خصوصا اسلامی جمعیت طلباء کے حمایت یافتہ آفیسران و دیگر انتظامیہ کی تعیناتیاں کی جاتی ہیں، جب ان مخصوص تنظیموں کے غیر قانونی اقدامات (بوگس الاٹ منٹس، غیر قانونی رہائشیوں، میس بلز کی عدم ادائیگی) کے خلاف قانونی کاروائی کیلئے یونیورسٹی کے غیر سیاسی ملازم قانونی اقدام کرکے روک تھام کی کوشش کرتے ہیں تو ان تنظیموں کی سرپرستی کرنے والی بیوروکریسی حرکت میں آجاتی ہے جو ان کے غیر قانونی اقدامات کی پشت پناہی کا باعث بن جاتی ہے ، ابتدائی طور پر ان غیر تنظیمی ملازمین کو دھمکیاں دے کے خاموش رہنے کا کہا جاتا ہے اور بعد میں طلبہ تنظیموں کے مطالبات کے مطابق ''نہ سدھرنے پر'' ایسے ملازمین کے تبادلے دوسرے ڈیپارٹمنٹس میں کرا دیئے جاتے ہیں ،اس بات کو ثابت کرنے کیلئے گزشتہ ایک سال میں درجن بھر ملازمین کے تبادلوں کی جانچ پڑتال کرا کر تصدیق کرائی جا سکتی ہے۔اسلامی یونیورسٹی کے کویت ہاسٹل ہاسٹل نمبر5,4,2 پر انہی طلباء تنظیموں کا قبضہ ہے ،کویت ہاسٹل جو فیصل مسجد سے تھوڑے سے فاصلے پر جنگل کے اندر موجود ہے میں یونیورسٹی کے ملکی اور غیر ملکی طلباء کی ایک بڑی تعداد رہائش پذیر ہے یہاں پر بھی طلبہ تنظیم اسلامی جمعیت کی اکثریت

اور قبضہ ہے اسی تنظیم کے طلباء کی مرضی سے ہاسٹل انتظامیہ میں تبادلے و تقرریاں کی جاتی ہیں کیونکہ یہاں ان طلباء نے غیر قانونی طور پر سینکڑوں افراد کو رہائش دے رکھی ہے اس لیے ان کے ایسے غیر قانونی کاموں کو روکنے والوں کو سائیڈ لائن کرنا اب عام سی بات بن گئی ہے اس کے باوجود جن ملازمین نے پشت پناہی دینے سے انکار کیا تو ان کے تبادلے کرا دیئے گئے۔ ان غیر قانونی قیام کرنے والوں میں کتنے افراد ایسے ہیں جو مشکوک ہو سکتے ہیں یا جن کی سرگرمیاں پنجاب یونیورسٹی میں پکڑے جانے والے افراد جیسی بھی ہو سکتی ہیں۔ کویت ہاسٹل کے علاوہ ہاسٹل نمبر 2 میں اسلامی جمعیت کا پورا قبضہ ہے اور اس ہاسٹل میں تو جمعیت کا باضابطہ دفتر قائم ہے جہاں تنظیم کے افراد کے علاوہ کسی جو جانے کی اجازت بھی نہیں دی جاتی یہی حال ہاسٹل نمبر 4 کا ہے وہاں طلبہ تنظیم اے ٹی آئی کی اکثریت اور ان کا دفتر قائم ہے، ہاسٹل نمبر 5 میں بھی مخصوص طلباء تنظیموں کا قبضہ ہے۔ چند ہفتے قبل جب حماد عادل نامی فرد کو دھماکہ خیز مواد کے ساتھ اسلام آباد پولیس نے گرفتار کیا تو توقع کی جارہی تھی کہ اسلامی یونیورسٹی کے ہاسٹلز میں سے غیر قانونی رہائش پذیر طلباء کیا نتظامیہ کی طرف سے چھانٹی کی جائے گی کیونکہ حماد عادل جس کا تعلق عسکریت پسند تنظیم سے بتایا جاتا ہے بھی اسلامی یونیورسٹی میں زیر تعلیم رہا ہے اور اس کے دوستوں اور ہم خیالوں کو تلاش کرنے کیلئے سکیورٹی کے ادارے ہاسٹلز پر بھی نظر رکھے ہوئے تھے لیکن معلوم نہیں یونیورسٹی انتظامیہ ان

غیر قانونی طور پر رہائش اختیار کیے ہوئے مشکوک افراد کے خلاف کوئی کاروائی کیوں نہیں کر رہی اور غیر قانونی رہائش اختیار کیے ہوئے افراد کو پناہ دینے والوں کی حوصلہ شکنی کیوں نہیں کی جا رہی۔ یہ ایک نازک معاملہ ہے ہے کیونکہ ان ہاسٹلز میں غیر ملکی طلباء کی بھی ایک.بڑی تعداد رہائش اختیار کیے ہوئے ہیں اگر خدانخواستہ کوئی انہونی ہو گئی تو اس وقت ذمہ دار کون ہو گا ؟؟ ویسے بھی ملکی حالات ایسے ہیں کہ ملک دشمن عناصر کسی بھی جگہ دھماکہ کر دیتے ہیں اور یہ وفاقی دار لحکومت میں قائم یونیورسٹی کا معاملہ ہے۔ یونیورسٹی انتظامیہ، اسلام آباد کے سکیورٹی اداروں اور وفاقی حکومت نے اگر فوری طور پر ان معاملات پر سنجیدگی دکھاتے ہوئے کنٹرول نہ کیا تو حالات خراب ہوتے دیر نہیں لگا کرتی۔ اس وقت یونیورسٹی انتظامیہ تو بے بسی کی تصویر بنی بیٹھی ہے، حکام کو احساس ہی نہیں ہو رہا کہ کتنے.بڑے خطرات ان کے سر پر منڈلا رہے ہیں۔ایسے میں صرف اچھے کی دعا اور امید ہی کی جا سکتی ہے۔

آرمی چیف کا موقف اور' ملالہ 'کی مشکوک مقبولیت

گزشتہ دنوں آرمی چیف جنرل اشفاق پرویز کیانی کا ہندوستان کی جانب سے سیز فائر لائن کی مسلسل خلاف ورزیوں اور بھارتی آرمی چیف کے بیانات کے حوالے سے موقف سامنے آیا کہ پاک فوج برداشت کی حکمت عملی پر عمل پیرا ہے اور اس کے برعکس بھارتی عسکری قیادت کی جانب سے پاک فوج پر دہشت گردی کے الزامات من گھڑت اور بے بنیاد ہیں، ایسے الزامات سے دونوں ممالک کے درمیان کشیدگی میں اضافہ ہورہا ہے اور بھارتی فوج کو ایسے بیانات سے گریز کرنا چاہیۓ، جنرل اشفاق پرویز کیانی نے لائن آف کنٹرول کی خلاف ورزیوں پر تشویش ظاہر کی اور بھارتی فوج کو پاکستان کی جانب سے لائن آف کنٹرول پر فائرنگ کے واقعات کی مشترکہ اور غیر جانبدارانہ تحقیقات کرانے کی تجاویز پر غور کرنے کا کہا، آرمی چیف کا کہنا تھا کہ پاک فوج نے دہشت گردی کے خلاف جنگ میں اہم کردار ادا کیا ہے۔پاک فوج کے سربراہ جنرل اشفاق پرویز کیانی نے ہفتہ کے روز پاکستان ملٹری اکیڈمی کاکول میں 128ویں لانگ کورس کی پاسنگ آوٹ پریڈ سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ امن کے لیے پاک فوج مذاکرات کی حمایت کرتی ہے،طاقت کا استعمال آخری آپشن ہوگا، پاکستان اس وقت اپنے مشکل اور کٹھن دور سے گزر رہا ہے۔ جو قومیں چیلنجز کو قبول کرتی ہیں، وہی ابھر کر سامنے آتی ہیں، جو قومیں خود پر مایوسی

طاری کرلیتی ہیں، تباہی ان کا مقدر ہو جاتی ہے۔ان کا کہنا تھا کہ ہم نے غلطیاں ضرور کیں، لیکن کچھ نہ کچھ اچھا بھی ضرور کیا، کمیشن حاصل کرنے والے ملکی اور غیر ملکی کیڈٹس کو دلی مبارکباد پیش کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں یقین ہے کمیشن لینے والے کیڈٹس آنے والے دنوں میں ملک کے لیے بہترین اثاثہ ثابت ہوں گے اور ملک کے بھرپور مستقبل کے ضامن بنیں گے۔آرمی چیف نے باور کرایا کہ میں نے اکتوبر 1979 ء میں یہیں سے اپنے سفر کا آغاز کیا تھا۔اپنے 44 سال کے کیریئر میں جو بھی حاصل کیا، وہ پاکستان اور اللہ کے کرم کا مرہونِ منت ہے۔آج سوات میں مکمل امن ہے، جس کے گواہ سوات کے لوگ ہیں۔یہ غلط ہے کہ دہشتگردی کیخلاف جنگ میں ناکامی کے بعدمذاکرات ہو رہے ہیں ۔دفاعی اخراجات بجٹ کا 18 فی صد ہیں۔پاک فوج مذاکرات کے عمل کی حمایت کرتی ہے۔پاک فوج نے مشکل حالات میں دہشت گردی کا مقابلہ کیا۔پاک فوج ملکی سلامتی اور استحکام کی علامت ہے۔پاکستان ہم سب کا نصیب ہے،اسے بہتر سے بہترین بنائیں گے۔آرمی چیف جنرل کیانی نے جاتے جاتے مشکل حالات میں بھارتی حکومت اور آرمی چیف کے بیانات کا جواب دیا ہے اور ملک کے مسائل اور فوج کے کردار پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے اس سے موجودہ فوج کا کردار اور سوچ مزید واضح ہو گئی ہے ۔آرمی چیف کی رخصتی رواں ماہ کے آخر میں ہو جانی ہے اور نئے آرمی چیف کا تقرر بھی فوری ہو جائے گا اور یقینی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ نئے آرمی چیف کو اب پرویز کیانی کے نقش قدم پر چلنا ہو گا کیونکہ پرویز کیانی نے فوج کیلیے

حدود مقرر کرنے میں سیاستدانوں کی مدد کی ہے اب سیاستدانوں پر بھی لازم آتا ہے کہ یہ بھی ذرا شرم محسوس کریں اور جس قوم کو دہائیوں سے بیوقوف بنا رہے ہیں اس کی بہتری کیلئے کام کر دیں۔

امن کے نوبل انعام کی تقریب ناروے کے شہر اوسلو میں ہوئی جہاں امن کے نوبل انعام سے کیمیائی ہتھیاروں کی روک تھام کے عالمی ادارے آرگنائزیشن فار دی پروہیبشن آف کیمیکل ویپن (او پی سی ڈبلیو) کو نوازا گیا۔اس سال نوبل امن انعام کیلئے اداروں سمیت 259 امیدواروں کو نامزد کیا گیا تھا جس میں پاکستان سے تعلق 50 رکھنے والی ملالہ یوسف زئی بھی شامل تھی۔پاکستان اور عالمی میڈیا میں امن کے نوبل انعام کے لئے ملالہ یوسف زئی کو مضبوط امیدوار قرار دیا جا رہا تھا تاہم وہ یہ ایوارڈ حاصل کرنے میں ناکام رہیں، گذشتہ سال نا معلوم افراد نے ملالہ یوسف زئی کو اپنی گولی کا نشانہ بنایا تھا، تاہم اس حملے میں بچ جانے کے بعد ملالہ کو ملکی و غیر ملکی اداروں نے میڈیا پر اس قدر پذیرائی دی کہ اس کو نوبل پرائز کا مضبوط حق دار قرار دیا جا رہا تھا، نوبل امن پرائز کے اعلان سے صرف ایک دن پہلے یورپی یونین نے انسانی حقوق کا سخاروف ایوارڈ بھی ملالہ کو دیا، ملالہ کو ستمبر 2013 میں بچوں کا بین الاقوامی امن کا انعام بھی دیا گیا، ایمنسٹی انٹرنیشنل نے ملالہ کو ضمیر کا سفیر بھی بنایا، جبکہ ملالہ نے گلوبل سٹیزن ایوارڈ بھی اپنے نام کیا۔ہارورڈ

یونیورسٹی نے بھی انسانیت کے نام ایک اور اعزاز ہومینیٹیرین ایوارڈ ملالہ کو دیا، 8 اکتوبر کو ملالہ یوسفزئی کی سوانح حیات بھی شائع کی گئی، نوبل ایوارڈ کے اعلان کے بعد ملالہ کی ملاقات امریکی صدر باراک اوبامہ سے کرائی گئی جہاں ملالہ نے امریکی صدر سے ڈرون حملے روکنے کا بھی کہا اور تعلیم کے حوالے سے اہم اقدامات کرنے پر زور دیا ۔برصغیر میں جہاں ملالہ یوسف زئی کی حمایت میں آوازیں اٹھائی جارہی ہیں وہاں پاکستان کے اہم حلقے ملالہ کی اچانک اس حد تک مقبولیت کو مشکوک نگاہوں سے دیکھ کر اسے غیر ملکی ایجنڈہ بھی قرار دے رہے ہیں ۔ملالہ کی اس حد تک مقبولیت مشکوک ضرور ہے کیونکہ اس مختصر وقت کے دوران اس قدر عالمی سطح پر مقبولیت دیئے جانا واقعی غیر معمولی اور مشکوک ہے کیونکہ ایسی مثال پہلے موجود نہیں ہے ۔ اگر اوریا مقبول جان جیسے سیانے تجزیہ نگاروں کی بات کو مان لیا جائے تو پھر ملالہ، ملالہ والے اس کھیل کی اصلیت کو سامنے لاکر بے نقاب کرنااور بھی ضروری ہو چکا ہے کیونکہ اگر غیر ملکی سامراج یک طے شدہ منصوبے کے تحت اپنے مذموم مقاصد کیلئے سوات کی ایک بچی کو استعمال کر رہے ہیں اور انکے اس عمل سے ملک کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تواس کھیل کو صرف تجزیوں اور تبصروں کی حد تک نہیں رہنا چاہیے بلکہ بکاؤ میڈیا اور غیر ملکی سامراج کے اس دور میں اس کو بے نقاب کیا جانا اور بھی ضروری ہو جاتا ہے۔

متاثرین زلزلہ بلوچستان توجہ کے منتظر

2005 ء کے آزاد کشمیر اور پاکستان کے شمالی علاقہ جات میں تباہ کن زلزلہ کے 8 سال بعد گزشتہ ماہ بلوچستان کے دو اضلاع آواران اور کیچ میں چوبیس اور اٹھائیس ستمبر کو ساڑھے سات شدت کے دو زلزلے آنے کے سبب پانچ سو سے زائد افراد کی ہلاکت اور چالیس ہزار کے لگ بھگ خاندانوں کی بے گھری ہوئی۔ صوبائی حکومت زلزلے کے فوراً بعد سے غیر ملکی امداد اور طبّی و غیر طبّی ماہرین کے لیے پکار رہی ہے لیکن وفاقی حکومت اقوامِ متحدہ کے امدادی اداروں تک کو زلزلہ زدگان تک رسائی نہیں دے رہی اور یہ اعلان سامنے آیا کہ زلزلہ زدگان کی کو مدد کر سکتے ہیں غیر ملکی اداروں کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔ اس عرصے میں بلوچستان کی روایتی محرومیوں پر سلسل آبدیدہ وزیرِ اعظم ایک ماہ میں دوسری دفعہ امریکہ میں موجود ہیں مگر زلزلہ زدہ علاقوں آواران یا کیچ میں ان کا ہیلی کاپٹر ایک بار بھی نہیں اتر سکا، متاثرہ علاقے سے محض چھ گھنٹے کی مسافت پر پاکستان کے سب سے بڑے شہر میں عید کے تین دنوں میں آٹھ لاکھ سے زائد جانور قربان کیے گئے لیکن بے گھر زلزلہ زدگان کی ایک بڑی تعداد پھر بھی بھوکی رہی۔ زلزلے کے بعد مصیبت زدگان کی زبان اور حساسیت سمجھنے والے سرکاری سویلینز اور غیر جانبدار ملکی و غیر ملکی این جی اوز

امدادی کاموں میں آگے آگے رکھے جاتے تو ہزاروں متاثرین بلا خوف و خطر بھی امداد قبول نہ کرتے ۔ فوج اور ایف سی ضروری امدادی سکیورٹی فراہم کرنے سے زیادہ اس پر بضد دکھائی دیئے کہ امداد ان کے ذریعے ہی تقسیم ہوگی، یہ حکومت کی حکمت نظر آتی ہے کہ غیر ملکی اداروں کو اس علاقے سے دور رکھا ہے ہے کیونکہ بلوچستان میں بھارتی جاسوسی کے اداروں سمیت دیگر غیر ملکی کی مداخلت رہی ہے ۔ایک مدت سے آوران کا علاقہ باغیوں کا گڑھ سمجھا جاتا ہے اور اس پر دوبارہ ریاستی عمل داری کی کوششیں ابھی بھی پوری طرح کامیاب نہیں ہو سکیں ہیں جس کو کامیابی کی طرف لے جایا جا رہا ہے۔

زلزلے سے متاثرہ صوبے بلوچستان کے ضلع آواران اور ارد گرد کے اضلاع میں صورتِ حال بے حد خراب اور بہت سے لوگ ابھی بھی امداد سے محروم نظر آتے ہیں ۔بین الاقوامی میڈیا کے مطابق چوبیس ستمبر کے خوفناک زلزلے میں سینکڑوں افراد ہلاک، ہزاروں زخمی جبکہ لاکھوں بے گھر ہوگئے اور ان گنت مدد کے انتظار میں ادھر ادھر کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔حکومت نے امدادی کاموں کا آغاز کیا مگر غیر ملکی امدادی کارکنوں کو ضلع کے اصل مقام آواران جانے کی اجازت نہیں دی جبکہ امدادی اشیا کی ترسیل بھی ایف سی کے معائنے اور اجازت سے مشروط کر دی اس اقدام کو ناقدین کڑے ہاتھوں لے رہے ہیں۔اس صورتِ حال میں اب تک بے شمار افراد کو امداد نہیں مل سکی بلکہ کئی تو علاج جیسی بنیادی

ضرورت سے بھی محروم ہیں۔میڈیا نمائندگان نے مقامی حکام، حقوقِ انسانی کمیشن کی سربراہ، امدادی کارکنوں اور متاثرہ افراد سے بات چیت کرنے کے بعد اپنی رپورٹس میں بتایا ہے کہ آواران اور ارد گرد کے اضلاع میں صورتِ حال اب تک بے حد خراب ہے ۔ رپورٹس کے مطابق صرف آواران میں ایک ایم بی بی ایس ڈاکٹر ہے جبکہ وہاں ایکسرے کا کوئی یونٹ تک نہیں ہے۔ یہی حال دیگر زلزلہ زدہ مقامات کا بھی بتایا جاتا ہے۔وہاں موجود لوگ کہتے ہیں کہ جہاں وہ ہیں وہاں سے صرف تین سو کلومیٹر دور صورتِ حال کہیں بہتر ہے لیکن وہ ہم سے تین سو کلومیٹر دور ہیں لیکن ان کا اور ہمارا فاصلہ صدیوں کا ہے۔ حقوقِ انسانی کمیشن کی سربراہ زہرہ یوسف نے میڈیا سے گفتگو میں کہا کہ امدای سرگرمیوں میں اب بھی بہت سی مشکلات ہیں۔ فاصلہ ایک بڑی مشکل ہے۔ دوسری طرف بلوچ علیحدگی پسندوں کی جانب سے بھی نیشنل ڈیزاسٹر مینیجمنٹ اور فوج پر حملے کیے جانا زیادہ خوفناک ہے ، امداد لینے کی کوشش کرنے والے لوگوں کو بھی ڈرایا گیا تاکہ وہ امداد نہ لیں۔ ایک طرف سے فوج چاہتی ہے کہ ان کو امداد دیں اور دوسری طرف علیحدگی پسند چاہتے ہیں کہ وہ امداد نہ لیں۔ لہٰذا ضرورت مند پسے ہوئے محسوس ہو رہے ہیں۔دوسری طرف مذہبی تنظیمیں آواران پہنچ رہی ہیں اور انہیں حکومت کی جانب سے علاقوں تک رسائی کی اجازت بھی مل رہی ہے۔ جماعت الدعوۃ پاکستان کے ادارے فلاح انسانیت فاؤنڈیشن نے زلزلہ زدگان کی مدد میں مثالی کردار ادا کرتے ہوئے ایک بار پھر تمام غیر سرکاری اداروں پر

برتری لے رکھی ہے جس کو بین الاقوامی میڈیا بھی پذیرائی دینے پر مجبور ہے، عید سے چند روز قبل جماعت الدعوۃ پاکستان کے امیر حافظ سعید احمد نے مسجد قباء اسلام آباد میں زلزلہ زدگان کی مدد کیلئے لگائے گئے کیمپ میں پریس کانفرنس کی جس میں تمام پاکستانیوں سے زلزلہ زدگان کی مدد کرنے کی اپیل کی گئی۔اس اپیل سے پہلے بھی جماعت الدعوۃ اور فلاح انسانیت فاؤنڈیشن کے زیر اہتمام زلزلہ دگان کیلئے کروڑوں روپے کا سامان، تین درجن سے زائد میڈیکل ٹیمیں اور ہزاروں رضاکاران آفت زدہ علاقوں میں موجود ہیں۔امیر جماعت الدعوۃ کے مطابق اس علاقے میں گھر بنانا زیادہ مہنگا نہیں ہے، 1 لاکھ روپے سے ڈیڑھ لاکھ روپے کا اچھا گھر مٹی سے بن جاتا ہے۔اس لیے امدادی اداروں کو اس جانب بھی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔دوسری جانب حکومت نے غیر سرکاری تنظیموں خصوصا بین الاقوامی غیر سرکاری تنظیموں کو زلزلے سے متاثرہ علاقوں میں پہنچنے سے روک کر رکھا ہے۔اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ حکومت ان تنظیموں سے خوف زدہ ہے کہ یہ زمینی حقائق کے بارے میں سازشیں اور باہر رپورٹ کر سکتے ہیں اور دوسری طرف حکومت ان تنظیموں کی سیکیورٹی کے بارے میں بھی فکر مند ہے کیونکہ ماضی میں بلوچستان میں مغربی تنظیموں کے کارکنان کو اغوا کیا جاچکا ہے۔میڈیا سے بات کرتے ہوئے جماعت الدعوۃ کے ادارے فلاح انسانیت کے سربراہ حافظ عبدالروف نے کہا کہ وہاں بنیادی سہولیات نہیں ہیں۔نہ گیس ہے، نہ بجلی ہے، نہ سڑکیں ہیں، بنیادی ڈھانچہ بھی نہیں ہے۔ وفاقی

حکومت اور بلوچستان کی صوبائی حکومت کو چاہیے کہ ان لوگوں کا جو حق بنتا ہے وہ ان کو دیں۔اس سوال پر کہ کیا بلوچستان کا یہ علاقہ ملک کے دیگر پسماندہ علاقوں کی طرح ہے یا ان سے مختلف ہے فلاحی تنظیم کا کارکن نے بتایا کہ یہ پاکستان کا سب سے پسماندہ علاقہ ہے۔ ایک سو کلومیٹر کا سفر طے کرنے میں گاڑی پر چھ گھنٹے تک لگ جاتے ہیں ، مشکئی سے کراچی تک صحت کی کوئی سہولت نہیں۔ اواران ضلعی صدر دفتر ہے لیکن وہاں کہ ہسپتال میں ایک ایم بی بی ایس ڈاکٹر کے سوا کچھ بھی نہیں۔ پورے آواران ضلع میں ایک بھی ایکسرے یونٹ نہیں ہے اور قریبی ضلع بیلا کی بھی یہی حالت ہے۔ فاصلہ گو صرف تین سو کلومیٹر کا ہے لیکن فرق ہمارا اور ان کا صدیوں کا ہے۔ وہاں آج بھی لوگ کھجور کے پتوں کا جوتا پہنتے ہیں، ان کے پاس تبدیل کرنے کے لیے کپڑا نہیں بلکہ پیوند لگانے کی بھی جگہ نہیں رہی۔ وہاں اتنی غربت ہے کہ شاید ہی کسی گھر میں دو وقت کھانا بنتا ہو۔ وہاں حکومت موجود ہی نہیں تھی، بہت سے لوگ تھے جنہوں نے کبھی دوائی کی گولی نہیں دیکھی، انجیکشن نہیں دیکھا کبھی ڈاکٹر نہیں دیکھا۔ آواران سے اطلاعات ملتی ہیں کہ ایف سی والے آگے نہیں جانے دیتے اور سامان نہیں بانٹنے دیتے اور دوسری طرف سے شکایت یہ ہے کہ بلوچ علیحدگی پسند اس میں رکاوٹیں ڈالتے ہیں۔کچھ متاثر علاقے اتنے دور ہیں کہ ایک سو کلومیٹر کا سفر طے کرنے میں گاڑی پر چھ گھنٹے تک لگ جاتے ہیں۔الخدمت ویلفیئر سوسائٹی کے جنرل سیکرٹری انجنیئر عبدالعزیز نے بتایا کہ انہوں نے ایف سی اہلکاروں

سے کہا ہے کہ وہ ان کی زیر نگرانی اس علاقے میں نہیں جانا چاہتے۔ جب وہ متاثرہ علاقے کی طرف بڑھے تو راستے میں ان سے پوچھا گیا کہ کیوں آئے ہو اور کراچی سے آنے کی کیا ضرورت پڑی ہے؟ ابتدائی شکوک و شبہات کے بعد انہیں مقامی لوگوں نے قبول کیا۔ حیرانی ہے کہ اتنی محرومی، تباہی کے باوجود وہاں کوئی چھینا جھپٹی نہیں ہوئی۔ امدادی کارکنوں پر حملوں کے بارے میں سوال کے جواب میں فیصل ایدھی نے کہا کہ ایک بھی کارکن نہ وہاں زخمی ہوا ہے اور نہ مارا گیا ہے۔ بہت سی غیر سرکاری تنظیمیں وہاں آئی تھیں لیکن جلد ہی وہاں سے چلی گئیں۔ وہ لڑائی سے متاثرہ علاقہ ہے اور انھوں نے وہاں فائرنگ کی آوازیں سنی تھیں لیکن یہ نہیں معلوم کہ کون گولیاں چلا رہا تھا۔ ہیلی کاپٹروں کی موجودگی تھی جو امدادی کارروائیوں میں حصہ تو نہیں لے رہے تھے، سامان کی ترسیل میں حصہ لیا ہو تو معلوم نہیں۔ زلزلہ زدگان کی مدد کیلئے پاکستانی عوام کے دروازے کھلے ہیں لیکن عوام تحفظات کا شکار ہے کیونکہ عوام کو بتایا جاتا ہے کہ فلاں فلاحی ادارہ عسکریت پسند ہے اور فلاں خود سامان ہڑپ کر جاتا ہے جبکہ حکومت کے ذریعے مدد فراہم کرنے کی پالیسی اب زیادہ کامیاب دکھائی نہیں دیتی ۔ایسے وقت میں ضرورت اس امر کی ہے کہ جو فلاحی ادارے ان علاقوں میں عوامی مدد کرتے ہوئے دکھائی دیں ان کو سپورٹ دی جائے اور جو لوگ حکومتی اداروں کے ذریعے امداد فراہم کر سکتے ہوں ان کو بھی پیچھے نہیں رہنا چاہیے ۔آج جو وقت بلوچستان کے عوام پر گزر رہا ہے ایسا ہی وقت 8 سال پہلے

آزاد کشمیر اور بالہ کوٹ کے لوگوں پر پیش آیا تھا اور مستقبل میں کوئی بھی علاقہ ان آفات کی زد میں آسکتا ہے اس لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ متاثرین کی بلا تخصیص مدد کی جائے۔ عوام کو خوف خدائی اس لیے بھی کرنا ہوگا کہ جیسی عید اس بار زلزلہ زدگان بھوک ،افلاس اور تنگ میں گزاری ہے ویسی عید اللہ نہ کرے مستقبل میں کوئی اور گزارے۔ غیر سرکاری ملکی و غیر ملکی فلاحی تنظیموں نے امداد کی راہ میں رکاوٹوں کا جو ڈھنڈورہ پیٹ رکھا ہے اس کا حقیقت سے زیادہ تعلق نہیں ہے محض کچھ واقعات کو جو سازش کے تحت کیے گئے کو مثال بنا کر بلوچستان میں مزید مسائل پیدا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے جو نا مناسب ہے ایسے حالات میں فلاح انسانیت فاؤنڈیشن کا کام مثالی ہے اس تنظیم کی طرز پر عوامی خدمت کا کام کرنے کا جذبہ ہو تو کچھ بھی ناممکن نہیں ہے۔

خون سے لالہ زار کشمیر جنت نظیر اور 24 ، 27 اکتوبر

آج 24 اکتوبر ہے آج کے دن کو ' آزاد کشمیر ' حکومت نے سرکاری طور پر یوم تاسیس کا نام دے رکھا ہے ۔ آزاد حکومت ریاست جموں کشمیر کے نام سے قائم تقریباً 40 لاکھ آبادی والے، 10 اضلاع پر مشتمل 'آزاد کشمیر ' میں اس یوم تاسیس کو اس لیے حکومتی سطح پر منایا جانا تھا کہ کشمیر کا اکثریتی علاقہ اب بھی بھارتی تسلط میں ہے جہاں بھارتی افواج و فورسز نے کشمیریوں کی آزادی سلب کر رکھی ہے ۔ ریاست جموں کشمیر کی اکائیاں اس وقت عمومی طور پر چار بڑے ٹکروں میں بٹ چکی ہیں ۔ جموں ، وادی ، آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان ۔ جموں کی اکثریت غیر مسلم ہے ، وادی ، آزاد کشمیر و گلگت بلتستان میں مسلمان اکثریت میں ہیں ۔ چاروں اکائیاں اس وقت تقسیم ہیں ، آزاد کشمیر میں الگ حکومت جس کا صدر ، وزیر اعظم ، وزراء اور اعلیٰ عدالت اپنی ہے ۔ گلگت بلتستان میں وفاق کی زیر نگرانی صوبائی طرز کی حکومت قائم ہے جس کے وزیر اعلیٰ ، گورنر اور وزراء الگ ہیں جبکہ جموں اور وادی میں الگ حکومت قائم ہے جو ہندوستان نواز سمجھے جاتے ہیں ۔ آج پوری دنیا میں موجود کشمیری نہیں بلکہ چند مخصوص کشمیری اور سیاسی جماعتیں یوم تاسیس کا دن منا رہی ہیں جب کہ اس آزاد حکومت کے قیام اور ریاست کشمیر کی مکمل آزادی کیلئے پوری ریاست

جموں کشمیر کی عوام نے جانی و مالی قربانیاں دے رکھی ہیں ۔آج جموں ،وادی ، گلگت بلتستان کے عوام اور آزاد کشمیر کے اندر موجود لاکھوں کشمیری یوم تاسیس نہیں منا رہے جبکہ ' آزادی کشمیر ' کیلئے ہزاروں کشمیری شہید و لاکھوں زخمی و بے گھر ہوئے تھے ۔آزاد کشمیر حکومت کی صورت میں چند لاکھ کشمیری جزوی آزاد ہوئے جبکہ اکثریت آج بھی غلام ہے۔آج 66 سال بعد ہم 'آزاد کشمیر 'میں جو یوم تاسیس منا رہے ہیں اس میں آج وہ جذبہ و جوش باقی نہیں رہی ہے جو غلام کشمیریوں سے تجدید کیلئے ضروری ہے بلکہ آج یہ دن ایک رسم بن چکا ہے۔اسی لیے تجدید کے عہد والے دن پر کشمیریوں کی اکثریت ہمارا ساتھ نہیں دے رہی اس کی وجہ صاف ہے کہ جس مقصد کیلئے 66 سال پہلے ' آزاد کشمیر ' حکومت بیس کیمپ کے طور پر قائم کرائی گئی یہ حکومت اس مقصد سے پیچھے ہٹ چکی۔ یہاں صدارت و وزارت کیلئے سیاستدانوں نے ذاتی مفاد کو ریاست جموں کشمیر کی عوام کے مفاد سے مقدم جانا اور بھارتی تسلط میں قید کشمیریوں کو آزاد کرانے کیلئے سنجیدگی سے کام نہیں کیا گیا۔آج آزاد کشمیر کے عوام خصوصا نوجوان نسل مسئلہ کشمیر سے ناواقف ہو چکی ہے ۔اس کی وجہ گزشتہ و موجودہ حکمرانوں اور سیاستدانوں کی ریاست کشمیر کی آزادی سے عدم دلچسپی اور نصاب میں مسئلہ کشمیر کا تفصیل سے موجود نہ ہونا ہے ۔اسی لیے اب کشمیر کے نام سے منسلک دنوں پر جب پروگرامات کیے جاتے ہیں تو ان میں حکومتی مشینری یا مخصوص سیاسی لوگ رسمی طور پر شرکت کرتے ہیں عام عوام اور نوجوان نسل کو علم ہی نہیں

ہوتا کہ یہ دن کیوں منائے جاتے ہیں۔
تاریخ کے اوراق کے مطالعے سے علم ہوتا ہے کہ 4 اکتوبر 47ء کو کشمیریوں کی کونسل نے ' غلام بنی گلکار ' کو جموں کشمیر کا پہلا صدر بنایا جن کی آزاد و خود مختار حکومت ریاست جموں کشمیر میں 20 دن تک قائم رہی۔ غلام بنی گلکار کشمیریوں کے نمائندہ سمجھے جاتے تھے انکی حکومت کو ہندوستان و پاکستان حکومت میں سے کسی کی حمایت حاصل نہ ہو سکی اس لیے اس خطہ میں حکومت پاکستان نے ریاست جموں کشمیر میں جاری جہاد کو آئینی اور انتظامی قوت عطا کرنے اور اس جہاد کے مقاصد میں جموں کشمیر کے مسلمانوں کی جدوجہد آزادی کو دنیا بھر میں پروجیکٹ کرنے اور آزاد شدہ علاقوں میں نظام حکومت قائم کرنے کیلئے اپنے حمایت یافتہ پونچھ کے نوجوان قائد بیرسٹر سردار محمد ابراہیم خان کی صدارت میں آزاد حکومت ریاست جموں و کشمیر قائم کرادی جبکہ غلام نبی گلکار کی حکومت کو زبردستی ختم کر دیا گیا۔ ہندوستان نے آزاد کشمیر حکومت اور پاکستان کے کشمیریوں کی حمایت کے اقدامات پر بڑے پیمانے پر سازشیں شروع کر رکھی تھیں انہی سازشوں کو ناکام بنانے کیلئے جنرل کونسل نے سری نگر میں سردار محمد ابراہیم کے گھر میں 19 جولائی 1947ء کو اپنے اجلاس میں قرارداد منظور کی تھی جس میں مہاراجہ ہری سنگھ سے مطالبہ کیا گیا تھا تقسیم ہند کے اصولوں کیمطابق اور ریاست جموں کشمیر میں مسلمانوں کی 80 فیصد آبادی اور

ریاست کے پاکستان سے قدیم مذہبی، اقتصادی اور مواصلاتی رابطوں کی رو میں ریاست کا الحاق پاکستان سے کرے ورنہ مسلمان علم جہاد بلند کر دینگے۔ 1947 ء میں کشمیری مجاہدین نے بھارت کی اس وقت کی بڑی اور جدید اسلحہ سے لیس فوج کا مقابلہ بڑی جرات ، پامردی اور عزم و استقلال سے کیا۔ مجاہدین ہر قدم پر فتح و نصرت کے جھنڈے گاڑتے ہوئے آگے بڑھتے گئے اور ریاست کا ایک بڑا حصہ بھارتی اور ڈوگرہ افواج کے تسلط سے آزاد کرالیا۔ اس جہاد کو مزید قوت پہنچانے، عوامی تائید فراہم کرنے اور دنیا بھر میں پروجیکشن کیلئے 24 اکتوبر کو آزاد حکومت ریاست جموں و کشمیر کا قیام حکومت پاکستان کی مرضی سے عمل میں آیا۔ ہندوستان مجاہدین کشمیر کے مسلسل حملوں کی ہرگز تاب نہیں رکھتا تھا۔ چنانچہ اس نے 13 اگست 1948ء اور 5 جنوری 1949ء کی قرار دادوں میں اقوام متحدہ سے جنگ بندی کی اپیل کی اور اقوام عالم کے سامنے یہ وعدہ کیا کہ وہ کشمیری عوام کے رائے شماری کے ذریعہ اپنی تقدیر کا فیصلہ کرنے کا موقع فراہم کرے گا۔ کشمیری عوام کئی سال تک انتظار کرتے رہے کہ انہیں رائے شماری کے ذریعے فیصلہ کرنے کا موقع دیا جائے گا لیکن بھارت نے ایسا موقع دینا تھا نہ دیا۔ بھارت کی وعدہ خلافیوں سے مایوس ہو کر مقبوضہ کشمیر کے عوام نے تحریک مزاحمت شروع کر دی جس کے نتیجہ میں آج تک ایک لاکھ سے زائد کشمیری عوام جام شہادت نوش کر چکے اور انہوں نے کشمیر جنت نظیر کو خون سے لالہ زار بنا کر آنے والی نسلوں پر کشمیر کی آزادی کا قرض چھوڑ دیا ہے۔

کشمیری عوام نے اپنی آزادی اور حق خودارادیت کے حصول کیلئے تاریخی قربانیاں پیش کی ہیں جس سے ساری دنیا پر یہ واضح ہے کہ وہ اپنا نصب العین حاصل کرکے رہیں گے۔ جواہر لال نہرو نے اپنی پارلیمنٹ میں اور سری نگر کے لال چوک میں خطاب کرتے ہوئے وعدہ کیا تھا کہ ہم ان قراردادوں پر عمل کرینگے۔ چاہے انکے نتائج سے ہمیں دکھ ہی ہو لیکن ہندوستان نے آج تک ان قراردادوں پر عمل نہیں کیا اور کشمیر کو زبردستی اپنا اٹوٹ انگ بنا رکھا ہے۔

27 اکتوبر 47ء کو ریاست جموں کشمیر کی سیاسی تاریخ کا ایک المناک باب قرار دیا جاتا ہے اسی روز ریاست کے مطلق العنان حکمران مہاراجہ ہری سنگھ نے کشمیری قوم کی جمہوریت نواز عوامی تحریک کے سامنے بے بس ہو کر اپنے اقتدار کو بچانے کیلئے ہندوستان سے فوجی مدد طلب کی اسی طرز پر حکومت پاکستان نے بھی 24 اکتوبر کو اپنی من پسند حکومت آزاد کشمیر میں قائم کی تھی۔ تاریخ گواہ ہے کہ ہندوستان نے اپنی فوجی امداد کے معاوضے کے طور پر مہاراجہ سے الحاق کا تقاضا کیا لیکن مہاراجہ نے ہندوستان پر واضح کیا کہ وہ کشمیری عوام کے مرضی کے برخلاف ایسا اقدام نہیں کر سکتا۔ کشمیری عوام گذشتہ 66 برس سے 27 اکتوبر کو یوم سیاہ کے طور منا کر اس بات کو عالمی برادری پر واضح کرتے آرہے ہیں کہ جموں کشمیر کے لوگ ہندوستان کے ساتھ رہتے ہوئے مطمئن نہیں ہیں۔ اب وقت آگیا ہے کہ ہندوستان و پاکستان کی سول سوسائٹی سے وابستہ لوگ

اپنے ملک کے اہل اقتدار کو حقائق تسلیم کرنے پر آمادہ کریں اور دونوں ملکوں کی حکومتوں پر دباؤ ڈالیں کہ وہ مسئلہ کشمیر کو حل کریں۔ آج ماہ اکتوبر کے اختتام پر تمام کشمیری عالمی برادری سے ایک بار پھر اپیل بھی کرتے نظر آتے ہیں کہ وہ بھارت کو انسانی حقوق سے متعلق بین الاقوامی قوانین اور اصول و ضوابط کا پابند بنانے اور مسئلہ کشمیر کو حق و انصاف کی بنیادوں پر حل کروانے کیلئے اپنی ذمہ داریاں پورا کریں۔

نئے صوبوں کا قیام کیوں ضروری

نواز لیگ حکومت کب کی قائم ہو کر اب معمول پر آ چکی، غریب عوام کو اپنی معاشی حالت تبدیل ہوتے تو نظر نہیں آ رہی کیونکہ غریب اپنے معاشی معاملات میں پھنسے انہیں غرض ہی نہیں کہ ملک کا صدر و وزیر اعظم کون ہے، وزیر و مشیر کون اور کس جماعت کے ہیں کیونکہ یہ تو آٹا، دال چاول کے بھاؤ تاؤ، بجلی، گیس، پانی و دیگر بلات تلے دبے ہوئے ہیں۔ یہ غرض تو انکو ہوتی ہے جنھوں نے سیاسی بنیادوں پر بنکوں سے بھاری قرضے لے رکھے ہوتے ہیں یا جن کی ایڈجسٹمنٹ سیاسی وابستگیوں سے مشروط ہوتی ہیں۔ عام تاثر یہ ہے کہ نوا لیگ حکومت کے ان تین، چار ماہ میں جہاں ملک میں موجود مسائل جن میں دہشت گردی، مہنگائی، بے روزگاری شامل ہیں میں مزید اضافہ دیکھنے کو آیا وہاں نئے صوبے بنائے جانے جیسے اہم قومی ایشوز پر بھی حکومت اب تک کوئی اہم قدم اٹھاتے ہوئے نظر نہیں آ رہی۔ عام انتخابات سے قبل جنوبی پنجاب میں سرائیکی صوبہ اور خیبر پختونخوا میں ہزارہ صوبہ بنانے کا عوامی مطالبہ سامنے آیا تھا، تب مسلم لیگ ن نے لسانی بنیادوں پر کوئی بھی صوبہ بنانے کی مخالفت کی تھی اور انتظامی بنیادوں پر ہزارہ اور جنوبی پنجاب کے صوبوں کے قیام کو قابل عمل قرار دیا تھا۔ پنجاب سے دو یا تین صوبے بنائے جا سکتے ہیں کیونکہ

بہاولپور اور ملتان وغیرہ کے علاقوں سے صوبائی دارالحکومت لاہور کا فاصلہ بہت طویل ہے اور ملتان یا بہاولپور کو وہاں کا نیا صوبہ بنانے کے بعد اسکا دارالحکومت بنانے سے وہاں دور دراز علاقوں کے لوگوں کو فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ پھر ان علاقوں میں قائم ہونے والی نئی صوبائی حکومت اپنے ان علاقوں کی تعمیر و ترقی پر الگ سے بہتر طور پر توجہ بھی دے سکتی ہے۔ پنجاب کو تقسیم کرکے اسے دو یا تین نسبتا چھوٹے صوبوں میں تقسیم کرنے کا جواز یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ اس طرح پنجاب کے بڑا صوبہ ہونے سے اس کی طاقت اور غلبے کا احساس دوسرے صوبوں پر ختم ہوجائے گا۔ ہزارہ صوبہ بناؤ تحریک کے دوران ہزارہ کے لوگ ایبٹ آباد کو اپنا صوبائی دارالحکومت بنا کر اپنی ترقی اور سہولت کو بنیاد بناتے ہوئے علیحدہ صوبے کا مطالبہ کرتے آئے ہیں ۔ ہزارہ کو صوبہ بنائے جانے کا مطالبہ کرنے والوں کا موقف یہ سامنے آتا رہا ہے کہ انکے موجودہ صوبے کے نام کے ساتھ پختونخواہ لگا کر صوبے میں ایک لسانی گروہ کا تسلط و غلبہ تسلیم کرلیا گیا ہے جبکہ ان کے علاقے غیر پختون ہیں جن پر مشتمل ہزارہ کے نام سے ایک الگ صوبہ قائم ہونا چاہیے تاکہ یہاں کے لوگ احساس کمتری سے آزاد ہوسکیں۔ لسانی بنیاد پر صوبے کا قیام شاید اس وقت ممکن نہیں لیکن وہاں عوامی مطالبہ پر انتظامی بنیادوں پر صوبہ قائم کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اسی طرح بلوچستان میں بلوچوں کے علاوہ پختونوں کی ایک بڑی تعداد بھی آباد ہے، بعض علاقوں میں دوسری نسلوں کے لوگ بھی بڑی تعداد میں موجود ہیں، یہاں

ایک رائے یہ بھی دی جارہی ہے کہ بلوچستان کے اندر پختونوں کی اکثریت والے علاقوں کو ملا کر الگ صوبہ قائم کردیا جائے۔ یہاں ایک بات یہ بھی سامنے آتی ہے کہ لسانی بنیادوں پر نئے صوبوں کے قیام کی مخالفت میں ایک بہت مضبوط رائے بھی موجود ہے، مخالف آراء والوں کے مطابق پاکستان میں نسلی یا لسانی بنیاد پر الگ صوبوں کے قیام کو قومی اتحاد ویک جہتی اور ملکی استحکام کے لئے نقصان دہ قرار دیا جاتا ہے۔ یہاں ایک بات اور بھی اہم ہے کہ نئے صوبے بنانے کے مطالبات اکثران لوگوں کی طرف سے کیے جاتے ہیں جو قومی سطح کی بجائے علاقائی سطح پر اپنی سیاسی اہمیت چمکائے رکھنا چاہتے ہیں اور نئے صوبے بننے کی صورت میں انہیں اپنی بہتر ایڈجسٹمنٹ ہوتی دکھائی نظر آتی ہے۔ان مفاد پرستوں کو دیکھتے ہوئے عوامی مفاد کو سائیڈ لائن بھی نہیں کیا جاسکتا۔ ایک اور رائے یہ بھی سامنے آتی ہے کہ پاکستان سے چھوٹے ملک افغانستان میں اگر پچاس سے بھی زیادہ صوبے موجود ہیں تو ہمارے ہاں انتظامی سہولت کے لئے زیادہ صوبے بنانے میں کیا ہرج ہے۔؟ سوال اٹھایا جاسکتا ہے کہ کیوں نہ موجودہ تمام ڈویژنوں کو صوبوں میں تقسیم کردیا جائے۔؟ اس طرح سے صوبائیت کا مسئلہ ہی ختم ہوجائے گا۔ یہ بھی کہا جارہا ہے کہ زیادہ صوبے بنانے سے صوبائیت کی کوئی اہمیت نہیں رہے گی عوام کو زیادہ سہولیات دہلیز پر حاصل ہو جائیں گی اور اسکے بعد عوامی سطح پر صرف پاکستانیت اور قومیت کو اہمیت حاصل ہوجائے گی۔ ہر علاقے میں اپنی صوبائی حکومت قائم ہونے سے لوگوں

کو حکومت اپنے زیادہ قریب محسوس ہوگی اور مسائل زیادہ بہتر طریقے سے حل ہو سکیں گے۔اس تصور کو عملی جامہ پہنانے کی راہ میں بہت سی رکاوٹیں بھی بتائی جاتی ہیں ۔ نئے صوبے نہ بنائے جانے کا جواز اس وقت ملک کے موجودہ مشکل حالت بتائی جارہی ہے کہا جارہاہے کہ ڈرون حملے ،سیز فائیر لائن کی خلاف ورزیاں ، دہشت گردی کے واقعات اور جرائم کی بڑھتی ہوئی موجودہ صورتحال میں نہ تو مالی طور پر ملک ایسی کسی بڑی تبدیلی کا متحمل نظر آتا ہے نہ ہی قرضوں کے بوجھ تلے دبے قومی معاشی بدحالی اس کی اجازت دے رہی ہے اس کی وضاحت اس طرح کرنے کی کوشش کی جارہی ہے کہ نئے صوبوں کی نئی انتظامیہ ، پولیس ، محکموں کی تقسیم اور پھر ان کے الگ الگ ہیڈ کوارٹرز اور سیکرٹریٹ اور تمام صوبوں میں صوبائی وزراء، اسمبلیوں اور سیکرٹریز وغیرہ کے شاہانہ قسم کے نئے اخراجات وپروٹوکول.برداشت کیے جا سکتے ہیں۔جب صوبے تعلیم، پولیس اور صحت وغیرہ کے الگ محکمے قائم کریں گے تو ہر صوبے کو اپنی پولیس اور دیگر ادارے الگ سے قائم کرنے پڑیں گے۔جبکہ نئے صوبوں کا قیام اس لیے بھی ضروری ہے کیونکہ دہشت گردی اور جرائم کی بڑھتی ہوئی تعداد اب معمول بن چکی،ڈرون حملوں کو نئے صوبے بننے سے فرق نہیں پڑتا، دہشت گردی کی روک تھام اور معاشی بدحالی کے دور میں نئے روزگار کے پیش نظر آبادی کو انتظامی طور پر سنبھالنے کیلئے نئے صوبے بنا کر مقامی انتظامیہ کے ذریعے کنٹرول کرنا اور روزگار فراہم کرنا قدرے آسان ہو سکتا ہے۔
ملکی حالات اس وقت جیسے بھی

ہوں لیکن عوامی سہولت اور انتظامی بہتری کے لئے نئے صوبوں کا قیام ضروری ہے۔ اس کے لئے ہماری معیشت کو خوب مضبوط اور وسیع ہونا توپڑے گا لیکن اس سے بھی اہم اداروں کو باہم تعاون اور روابط میں روانی اور اثر پذیری پیدا کرنا ہوگی۔ عوام اور حکومتی اداروں میں تعاون اور ہم آہنگی بڑھائی جانا ضروری ہے۔اس کیلئے معاشی خوش حالی اُس حد تک اہمیت نہیں رکھتی جو کہ بتائی جا رہی ہے کیونکہ اگر مسائل کم کرنے کیلئے مخلصی سے قومی مفاد میں کام کیا جائے تو نئے صوبوں کی نئی انتظامیہ، پولیس، محکموں کی تقسیم اور پھر ان کے الگ الگ ہیڈ کوارٹرز اور سیکرٹریٹ اور تمام صوبوں میں صوبائی وزراء، اسمبلیوں اور سیکرٹریز وغیرہ کو کسی قدر قربانی تو دینا ہو گی اور انہیں کم وسائل میں افسر شاہی سے نکل کر کام کرنا ہوگا۔ معاشی مسئلہ اہم ضرور ہے لیکن جس صوبے سے یہ الگ ہونگے وہاں سے اپنی آبادی و رقبے کے لحاظ سے فنڈز ان کو حاصل ہو جائیں گے جبکہ نئی بھرتیاں کرنے کی بجائے اپنی علاقائیت کی بنیاد پر ملازمین کو بھی اپنے کنٹرول میں لے سکتے ہیں ۔اس لیے معاشی مفلوجی کو رونا روتے ہوئے عوام کو نئے صوبوں کی سہولیات سے محروم رکھنا درست نہیں۔اس کیلئے ضروری ہے کہ مختلف سیاسی جماعتوں کے ممبران جو قومی و صوبائی اسمبلیاں میں موجود ہیں نئے صوبے بنانے کیلئے آئینی معاملات بہتر طور پر مل بیٹھ کر حل کریں اور نئے صوبوں کی راہ میں رکاوٹیں دور کرتے ہوئے قومی و عوامی مفاد میں نئے صوبوں کو آبادی کے تناسب سے انتظامی طور پر پرکھتے ہوئے بنانے کے

اقدامات کریں کیونکہ ملک کے مسائل تبھی حل ہونگے جب عوام کو انصاف دہلیز پر ملے
گا۔

یوم شہداء جموں کے سلسلہ میں دنیا بھر میں تقریبات کا انعقاد اور مسئلہ کشمیر

6 نومبر 1947 کو سانحہ جموں و کشمیر کی یاد میں کنٹرول لائن کے آر پار، دنیا بھر میں مقیم کشمیریوں اور وفاقی دار لحکومت اسلام آباد، صوبائی دار لحکومت لاہور سمیت پاکستان بھر میں کشمیریوں نے یوم شہدا جموں و کشمیر عقیدت و احترام سے منایا اور اس عزم کا اظہار کیا کہ تحریک آزادی کشمیر کے شہدا کے مشن کی تکمیل تک جدو جہد آزادی جاری رہے گی۔ اس موقع پر کشمیریوں نے متعدد تقریبات منعقد کیں اور 6 نومبر 1947 ء کے شہدا جموں و کشمیر کو خراج عقیدت پیش کیا۔ تقاریب میں مقررین نے کہا کہ 6 نومبر 1947 ء کا دلخراش سانحہ غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔ مسلح افواج سے نبرد آزما نہتے کشمیریوں پر آئے روز ظلم کے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں لیکن کشمیری قوم حق خودارادیت ملنے تک جدو جہد جاری رکھے گی جبکہ مقبوضہ کشمیر کی حریت قیادت نے کہا کہ مقبوضہ کشمیر کو بھارت کا اٹوٹ انگ قرار دینے سے تاریخی حقائق کو نہیں جھٹلایا جا سکتا اور نہ الحاق کو حتمی شکل کہنے سے کشمیر بھارت کا حصہ قرار پائے گا۔ حریت کانفرنس آزاد کشمیر شاخ کے مرکزی دفتر اسلام آباد میں منعقدہ تقریب میں صدر آزاد کشمیر سردار یعقوب خان، ڈپٹی اپوزیشن لیڈر چوہدری طارق فاروق، کنوینئر یوسف نسیم، ممبر کشمیر کونسل و سینئر رہنماء

مسلم کانفرنس سردار صغیر چغتائی، وزیر حکومت فرزانہ یعقوب، نائب امیر جماعت اسلامی آزاد کشمیر نور الباری سمیت دیگر حریت قائدین نے شرکت کی۔ تقریب میں اڑھائی درجن کے قریب شرکاء موجود تھے، شرکاء کی تعداد ظاہر کر رہی تھی کہ حریت کے زیر اہتمام تقاریب میں عام عوام کو نہیں بلایا جاتا ہے ویسے بھی ان کا پروگرام اخبارات کیلئے فوٹو سیشن حکومتی شخصیات اور نامی گرامی رہنماؤں کی موجودگی سے پورا ہو جاتا ہے۔ اس سارے عمل سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اے پی ایچ سی آزاد کشمیر کی جڑیں آزاد کشمیر کے عوام میں موجود نہیں ہیں، ورنہ کشمیریوں کی ایک بہت بڑی تعداد جڑواں شہروں میں موجود رہتی ہے جن کو کشمیر کے حوالے سے منعقدہ پروگرامات میں بلانا زیادہ مشکل بھی نہیں۔ سردار یعقوب نے کشمیر میں انسانی حقوق کی پامالیوں اور غیر انسانی کالے قوانین کی پرزور مذمت کرتے ہوئے عالمی برادری سے اپیل کی کہ وہ کشمیر میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کا سلسلہ بند کرانے میں اپنا کردار ادا کرے۔ آزاد کشمیر کی پوری قیادت اور عوام مقبوضہ کشمیر کے بھائیوں کے ساتھ ہیں اور تحریک آزادی کشمیر میں شہداکے کردار کو کبھی فراموش نہ کرنے کا وعدہ کیا۔ حریت رہنماؤں کا کہنا تھا کہ جموں کے بزرگوں، بچوں اور ماؤں کو بھارت کی دہشت گرد تنظیموں اور ڈوگرہ حکمرانوں نے جس بے دردی سے شہید کیا وہ دنیا کے لیے سوالیہ نشان ہے۔

حریت رہنما محمد فاروق، جماعت اسلامی آزاد کشمیر کے نائب امیر نور الباری کا کہنا تھا کہ قومیں ایسے تاریخی واقعات

کو یاد رکھتی ہیں اور اس بنیاد پر مستقبل کا تعین ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ تحریک آزادی کشمیر کو از سر نو منظم کرنے کے لئے اتحاد و اتفاق کی ضرورت ہے۔ سیمینار میں تمام شہدا کشمیر بالخصوص شہدا جموں کو خراج عقیدت پیش کیا گیا۔ لاہور میں ہونے والی تقریب میں مولانا محمد شفیع جوش، فاروق خان آزاد، مرزا صادق جرال و دیگر نے کشمیریوں کی آزادی تک جدوجہد جاری رکھنے کا عزم دہرایا۔ علاوہ ازیں شہدائے جموں کو 66 ویں برسی پر خراج عقیدت ادا کرتے ہوئے لبریشن فرنٹ، پیپلز فریڈم لیگ، ڈیموکریٹک پولٹیکل موومنٹ، اسلامک پولیٹکل پارٹی، پیپلز لیگ، سالویشن موومنٹ، مسلم خواتین مرکز، مسلم لیگ، لبریشن فرنٹ (حقیقی) اور ماس موومنٹ نے اس سانحہ کو تاریخ کا بدترین واقعہ قرار دیا۔ لبریشن فرنٹ کے چیئرمین محمد یاسین ملک نے ایک اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ جموں کے مقام پر لاکھوں انسانوں کا قتل عام تاریخ جموں کشمیر کا ایک ایسا سیاہ باب ہے جس کی نظیر ملنا بھی دشوار ہے۔ حکمرانوں کے ایماپر ہونے والا یہ قتل عام جموں کشمیر کی تاریخ کا ایک ان مٹ باب ہے۔ آزادی کی خاطر مقبوضہ جموں کشمیر کے لوگوں نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا ہے۔ تحریک آزادی کو اس کے اصل مقصد اور منزل تک پہنچانے کیلئے ہماری جدوجہد ہر حال میں جاری رہے گی۔ پیپلز فریڈم لیگ کے چیئرمین محمد فاروق رحمانی نے کہا انسانی حقوق کی پامالی کا بڑا تاریخی سانحہ تھا۔ ڈیموکریٹک پولیٹیکل موومنٹ کے زیر اہتمام سے شہدائے جموں کے موقع پر پارٹی ہیڈ کوارٹرز پر

چیئرمین فردوس شاہ کی صدارت میں تقریب بعنوان لہو ہمارا بھلا نہ دینا منعقد ہوئی۔ فردوس شاہ نے اس عزم کا اعادہ کیا کہ استصواب رائے کے حصول تک ہم اپنی سیاسی جدوجہد جاری و ساری رکھیں گے۔ وزیراعظم آزاد کشمیر چودھری عبدالمجید اور حریت کانفرنس کی کال پر یوم شہدا جموں کے حوالہ سے دارالحکومت مظفرآباد میں کشمیر لبریشن سیل اور محکمہ اطلاعات کے اشتراک سے سنٹرل پریس کلب میں ایک بڑی تقریب کا انعقاد کیا گیا۔ اس موقع پر کشمیر لبریشن سیل کے زیر اہتمام ایک تصویری نمائش کا انعقاد بھی کیا گیا جس میں بھارتی فوج کی جانب سے مقبوضہ کشمیر میں انسانی حقوق کی بدترین خلاف ورزیوں کو اجاگر کیا گیا تھا۔ تقریب سے خطاب کرتے ہوئے وزیر جنگلات سردار جاوید ایوب کا کہنا تھا کہ تحریک آزادی کشمیر دراصل تحریک تکمیل پاکستان ہے۔ راجہ ساجد خان کا کہنا تھا کہ حکومت پرعزم ہے کہ مقبوضہ کشمیر کو بھارتی چنگل سے آزاد کرانے تک چین سے نہیں بیٹھیں گے۔ اس موقع پر ایک قرارداد پیش کی گئی جس میں کہا گیا نومبر 1947ء میں جموں میں تین لاکھ سے زائد نہتے اور بے گناہ کشمیریوں کو ان کی لازوال قربانیوں پر خراج عقیدت پیش کیا گیا اور مقبوضہ ریاست جموں وکشمیر میں جاری بھارت مظالم کی پرزور مذمت کی گئی۔ علاوہ ازیں حریت کے دونوں دھڑوں اور شبیر احمد شاہ نے وزیراعلی کی جانب سے جموں وکشمیر کو اٹوٹ انگ کہنے کو ہوس اقتدار سے تعبیر کرتے ہوئے کہا گیا کہ ذاتی مفادات کیلئے پینترے بدلنا شیخ خاندان کی پرانی عادت ہے۔

بیان میں کہا

گیا کہ عمر عبداللہ کا پچھلی دفعہ اسمبلی کے فلور سے یہ بیان آیا کہ کشمیر کا بھارت کے ساتھ الحاق عارضی اور مشروط تھا اور یہ کہ اس مسئلے کو اقتصادی پیکج یا زور زبردستی سے حل کیا جانا ممکن نہیں ہے اور آج انہوں نے الحاق کو حتمی اور کشمیر کو بھارت کا اٹوٹ انگ قرار دیکر پینترا بدلا ہے۔ یوم شہداء جموں کشمیر کی یاد میں تقریبات کا انعقاد یقیناً ایک احسن اقدام ہے لیکن اب ایسا لگتا ہے مقبوضہ کشمیر کے مظلوم کشمیریوں کو بھارتی ظلم ستم سے بچانے کیلئے ہم ان دنوں کو تلاش کر کے ماتم کرنے لائق ہی رہ گئے ہیں کیونکہ عالمی سطح پر بھی بھارتی لابی نے مسئلہ کشمیر کے خاصہ پیچھے دھکیل رکھا ہے ن لیگ کی وفاق مین حکومت آنے کے بعد میاں نواز شریف نے مسئلہ کشمیر کے حوالے سے عالمی سطح پر جو موقف اختیار کیا وہ بھی قابل ستائش ہے لیکن کشمیریوں جو اس مسئلے کے اصل فریق ہیں درجوں دھڑوں میں تقسیم ہو چکے ہیں ایک سب اپنے اپنے مخصوص خول میں محدود ہو چکے ہیں ۔آج کشمیر کی کائیوں ایک دوسرے کے دن منانے میں یکجتی نہیں دکھائی رہی ۔گلگت بلتستان کا دن منانے میں کشمیر کی دیگر اکائیاں ساتھ نہیں دیتی ۔یوم تاسیس آزاد کشمیر والے اکیلے مناتے ہیں۔یہی حال مقبوضہ کشمیر میں کشمیریوں کا ہے وہاں بھی درجنوں تنظیمیں ایک دوسرے کو برداشت کرنے پر تیار نہیں ہیں ۔کشمیریوں کو اقوام عالم میں بھارت سے آزادی کی بھیک مانگنے کی بجائے اپنے گریبان میں جھانکنا چاہیے اور خود منظم ہو کر ایسی تحریک چلانی چاہیے کے اقوام عالم مجبور ہو

کر ساتھ دینے کی آفرز کرے لیکن موجودہ وقت میں ایسی سوچ سہانے خواب جیسی ہی معلوم ہوتی ہے۔

سانحہ راولپنڈی اور وقت کی ضرورت

حضرت امام حسین شہید نے کوفہ کا سفر اختیار کرتے وقت فرمایا تھا کہ میں عیش و آرام کی زندگی بسر کرنے یا فساد پھیلانے کے لئے نہیں جا رہا، بلکہ میرا مقصد امتِ مسلمہ کی اصلاح اور اپنے نانا پیغمبر اسلام ﷺ کی سنت پر چلنا ہے۔ حضرت امام حسین نے ظلم و جبر کے آگے جھکنے پر موت کو ترجیح دی۔ آج بھی اسلام مخالف قوتیں سرگرم ہیں اور مسلمانوں کو (خدانخواستہ) ختم کرنے کی سازشیں کر رہی ہیں۔ عصرِ حاضر یہ تقاضا کر رہا ہے کہ جس طرح حضرت امام حسین شہید نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تبلیغ کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے تھے، آج ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ہر اہلِ ایمان کو عمل کرنے کی ضرورت ہے۔ آج ہمیں ایک ایسے معاشرے کی ضرورت ہے جہاں کوئی طاقتور کسی کمزور پر ظلم نہ کر سکے، جہاں برائی کو اچھائی پر ترجیح نہ دی جائے، جہاں یتیموں کا حق نہ کھایا جائے جہاں مظلوموں کو انصاف، بھوکوں کو روٹی، پیاسوں کو پانی اور ظالموں کو سزا ملتی ہو۔

چند روز قبل پاکستان کے دارالحکومت اسلام آباد کے جڑواں شہر راولپنڈی میں یوم عاشورہ کے جلوس کے دوران مذہبی فرقہ وارانہ تصادم کے نتیجے میں شر

پسندوں نے ایک منظم منصوبہ بندی سے ایک درجن کے قریب افراد قتل اور سو سے زائد زخمی کیا۔ شدید کشیدگی کے باعث 40 گھنٹے سے زائد دیر تک درجنوں مقامات پر کرفیو نافذ کیا گیا جبکہ 3 دن تک موبائل فون سروس بھی بند رکھی گئی۔ صورتحال کو قابو میں رکھنے کے لیے سیکیورٹی فورسز سڑکوں پر موجود رہیں، راول پنڈی میں عاشورہ کے جلوس کے موقع پر شر پسند عناصر نے فوارہ چوک پر موجود مسجد میں جمعہ کی نماز ادا کرنے والوں پر حملہ کیا، شر پسندوں نے میڈیا کے نمائندوں کے علاوہ پولیس اہلکاروں کو بھی تشدد کا نشانہ بنانے سے گریز نہ کیا جبکہ پولیس اہلکاروں سے بندوقیں چھین کر قتل عام کی بھی اطلاعات ملی، صورتحال قابو سے باہر ہونے پر انتظامیہ نے رینجرز کے ساتھ فوج کی مدد بھی طلب کی گئی۔ انتظامیہ نے صورتحال قابو میں رکھنے کے لیے شہر کے داخلی و خارجی راستوں کو بھی کنٹینرز لگا کر بند کردیا، کرفیو کی سختی کا عالم یہ تھا کہ شہریوں کو ہدایت کی گئی وہ فجر کی نماز بھی گھروں میں ہی ادا کریں۔ تین دن تک 40 لاکھ سے زائد باشندوں کو آزادانہ گھر سے باہر نکلنے کی اجازت نہ دی گئی۔ دوسری جانب پنڈی واقعہ کو بنیاد بنا کر فرقہ واریت کو پنجاب کے دوسرے شہروں تک پھیلایا گیا تو کراچی، ملتان، فیصل آباد، گلگت، بہاولنگر سمیت کچھ مزید شہروں میں تصادم کے بعد فوج اور رینجرز کی مدد سے حالات کو کنٹرول کیا گیا۔ تاحال دونوں فریق اس واقع کی ذمہ داری قبول نہیں کر رہے اور ایک دوسرے پر الزام تراشی کر رہے ہیں۔ جہاں شیعہ حضرات کا کہنا

ہے کہ مسجد کے سپیکر سے شر انگیز گفتگو کی گئی اور زائرین پر مسجد کے اندر سے پتھراؤ کیا گیا وہاں سنی حضرات ایسے کسی بھی عمل کی نفی کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں اور خطباء جمعہ کی ریکارڈنگ بھی سناتے ہیں جس میں شر پسندی کی کوئی بات سامنے نہیں آئی۔ سنی مسلک سے تعلق کے حمایتی نوجوانوں کی طرف آواز اٹھائی جارہی ہے کہ ملک میں موجود 2 فیصد شیعہ حضرات تمام بڑے شہروں میں دیگر 98 فیصد لوگوں کو سکیورٹی رسک قرار دیتے ہوئے حکومت اور دیگر شہریوں کو بے بس کر دیتے ہیں۔ان تمام الزامات کے باوجود یہ رائے بھی دی جارہی ہے کہ حکومت مذہبی بنیادوں پر تمام مسالک کے جلسے جلوسوں پر مکمل پابندی عائد کر دے تو ایسا مسائل سے بچا جا سکتا ہے کیونکہ اس طرح سکیورٹی رسک بھی کم ہوگا اور عام لوگوں کو مشکلات کا سامنا بھی نہیں کرنا پڑے گا۔ سانحے کے بعد نقص امن کے خدشے کے پیش نظر وفاقی دار لحکومت اسلام آباد میں کنٹینر لگا کر راستے سیل کر دیے گئے راولپنڈی کے مکین پریشان رہے کہ انتظامیہ نے ٹرانسپورٹ کا کوئی متبادل انتظام نہیں کیا۔ شہر میں امن و امان کے مسئلہ کے پیش نظر اسلام آباد کے راستے بھی سیل کیے گئے۔ اس واقع کے دوران اور بعد میڈیا کے کردار کو جہاں حکومت نے پسندیدہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے قابل ستائش قرار دیا وہاں مختلف مکاتب فکر کی جانب سے میڈیا کو بکاؤ اور ڈرپوک بھی قرار دیا گیا۔ تنقید کرنے والوں کو یہاں دیکھنا یہ بھی ہو گا کہ جب ملک میں کوئی بھی ایسا ہولناک واقع پیش آتا ہے تو اس پر میڈیا لائیو کوریج دکھائے تب بھی

آواز اٹھائی جاتی ہے کہ یسے واقع کو دکھا کر ملک میں مزید بدامنی پھیلائی جارہی ہے اور جب راولپنڈی سانحے پر میڈیا نے تھوڑی سی خاموشی اختیار کی کہ مزید منافرت نہ پھیلے تو بھی الزامات واعتراضات کی بوچھاڑ کردئی گئی کی یہ کنٹرولڈ میڈیا ہے۔دوسری جانب سوشل میڈیا نے جہاں دنیا بھر میں جلد معلومات کی ترسیل اور واقعات سے آگاہی پھیلانے میں کردار ادا کیا وہاں اس واقع کے بعد مختلف گروپس میدان میں آ گئے ہیں کوئی شر پسندی پھیلانے کی دعوت دے رہا ہے تو کوئی سب پر مٹی ڈالنے کی بات کر رہا ہے۔ایسے میں لگتا ایسے ہے کہ ان حادثات سے ملک کے شہری تقسیم در تقسیم کا شکار ہو رہے ہیں اور اندر ہی اندر نفرت کا لاوہ پالتے ہوئے دکھتے ہیں۔اس المناک واقع سے قبل 10,9 محرم کے قریب آتے ہی لاہور، اسلام آباد، پشاور، کوئٹہ، کراچی ،ملتان فیصل آباد اور آزاد کشمیر سمیت ملک بھر میں سکیورٹی کے انتظامات انتہائی سخت رکھے، گئے ۔ ملک بھر میں پولیس اور سکیورٹی فورسز چوکس رہیں۔ لاہور، اسلام آباد، پشاور اور مظفر گڑھ سمیت مختلف شہروں میں دہشت گردی کے منصوبے ناکام بنائے گئے۔اس وقت ضرورت اس امر کی ہے کہ علماء اتحاد، بھائی چارے ،یکجہتی اور امن وامان کے فروغ کے لیے اقدامات کریں کیونکہ اسلام ہمیں محبت امن اور یکجہتی کا ردرس دیتا ہے کچھ ملکی وغیر ملکی عناصر پاکستان کا امن تباہ کرکے اپنے عزائم کی تکمیل چاہتے ہیں ان کو ناکام کرنا ہوگا۔ سکیورٹی کے اداروں کو بھی اپنے فرائض مزید بہتر طور پر ادا کرنے کی ضرورت ہے اور سیاستدانوں سے

گزارش کے فرقہ واریت کو مزید بڑھنے سے روکنے کیلئے اپنی زبان کچھ عرصہ تک بند ہی رکھیں تو سب کیلئے بہتر ہے ۔اس سانحہ میں تاجر برادری کی جو املاک اور دکانیں جلا کر شہر میں مزید تنگدستی اور معاشی حالات خراب کی گئی اس پر تاجر برادری کی بلا تخصیص مالی امداد کی جائے تا کہ وہ اپنا کاروبار جاری رکھ سکیں اور اس واقعے میں ملوث جو بھی افراد ہیں انکو ویڈیوز اور فوٹیج سے مدد لے کر پکڑا جائے اور کیفر قرار تک پہنچایا جائے اور مجرمانہ غفلت کے مرتکب انتظامی افسران کے خلاف بھی کاروائی جائے ۔

بدعنوانی، بدامنی اور امریکہ سے نجات

انڈونیشیا میں میں ایک ترکھان کا عام سا بیٹا ''جوکو'' جس کو کبھی کھانے کیلئے روٹی اور سر چھپانے کیلئے چھت میسر نہیں تھی آج اپنی محنت سے اس مقام پر پہنچ چکا ہے کے عوام اسے مجبور کر رہے ہیں کہ وہ اگلے سال انڈونیشیا کے صدر کے طور پر الیکشن لڑے۔ یہ وہی ''جوکو'' تھا جسے چند سال پہلے تک ایک معمولی دکاندار سمجھا جاتا تھا اس نے 2005 میں جب میئر شپ سنبھالی تو وہاں کے حالات پاکستان کے موجودہ حالات سے زیادہ مختلف نہ تھے۔ لیکن آج 8 سال بعد اس میئر نے عوام کے درمیان رہتے ہوئے وہ کارکردگی دکھائی کے عوام اسے صدارتی الیکشن کیلئے مجبور کر رہے ہیں۔

پاکستان میں ہر روز سرکاری و غیر سرکاری اداروں میں بڑھتی ہوئی کرپشن کی ایسی ہوشربا کہانیاں پڑھنے اور سننے کو ملتی ہیں کہ دماغ شل ہو جاتا ہے۔ ان کہانیوں کو پڑھتے ہوئے اب ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اگر کسی سرکاری محکمے میں لاکھوں روپے کی کرپشن ہو رہی ہو تو اس محکمے کو دیگر کے مقابلے میں معصوم سمجھا جاتا ہے، کرپشن میں بھی اب کروڑوں اور اربوں سے کم بات نہیں ہوتی۔ گزشتہ حکومت نے جو بے نظیر انکم سپورٹ پروگرام کو انتہائی شفاف قرار

دینے کے دعوے کیے تھے اس پروگرام میں بھی اربوں روپے کے غبن سامنے آنا شروع ہو چکے ہیں۔آج پاکستان میں کوئی بھی محکمہ کرپشن سے پاک نہیں ہے اسی وجہ سے ملکی معیشت گھٹنوں تلے ہو چکی اور امریکی امداد کے بغیر حکومت کا چلنا ممکن نہیں دکھائی دیا۔ عالمی سطح پر بدعنوانی پر نظر رکھنے والی ایک تنظیم ٹرانسپیرنسی انٹرنیشنل نے اپنی تازہ سالانہ رپورٹ میں دنیاکے 177 ممالک میں بدعنوانی سے متعلق درجہ بندی کی فہرست جاری کی ہے۔ منگل کو جاری کی گئی رپورٹ کے مطابق پاکستان میں 2012ء کے مقابلے میں رواں سال بدعنوانی میں کمی آئی ہے۔ٹرانسپیرنسی انٹرنیشنل کی درجہ بندی فہرست کے مطابق 100 پوائنٹس والے ملک کو بدعنوانی سے تقریباپاک تصور کیا جاتا ہے جب کہ صفرپوائنٹ والے ملک کو انتہائی بدعنوان ملک سمجھا جاتا ہے۔رواں سال کی رپورٹ میں پاکستان میں بدعنوانی میں کمی کے تناظر میں 12 درجے کی بہتری آئی ہے ۔ٹرانسپیرنسی انٹرنیشنل پاکستان کے مشیر عادل گیلانی کے مطابق گزشتہ سال بدعنوانی کے اعتبار سے فہرست میں پاکستان 139 ویں نمبر تھاجب کہ اس سال یہ 127 ویں نمبرپر ہے۔انھوں نے کہاکہ رپورٹ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ پاکستان میں بدعنوانی کے سدباب کے لیے جو اقدامات کیے گئے ہیں ان کے بہتر نتائج حاصل ہو رہے ہیں۔اس سے پاکستان میں بدعنوانی میں کمی کے باعث سرمایہ کاروں اور کاروباری.برادری کا اعتماد بھی.بڑھے گا۔معیشت بھی بہتر ہو گی، درجہ بندی میں بہتری کے باعث باہر سے بھی سرمایہ آئے گا۔ بدعنوانی کے باعث باہر سے

کوئی بھی سرمایہ کار اس لیے نہیں آتا کہ کہیں ان کا پیسہ (ڈوب نا) جائے۔ گزشتہ تین عشروں میں بے قابو ہوتی ہوئی کرپشن پاکستان کے وجود کو دیمک کی طرح چاٹ رہی ہے۔ اگر اس کا مزید سنجیدگی سے سدباب نہ کیا گیا تو پاکستان کا اللہ ہی حافظ ہو جائے گا۔ میرے نزدیک ایک طرف بدعنوانیوں نے ملک کی معیشت کھوکھلی کر دی دوسری جانب دہشت گردی کے واقعات کم ہونے کا نام نہیں لے رہے تو تیسری طرف امریکہ بہادر کے دن بدن بڑھتے ہوئے نخروں نے تمام حدود سے تجاوز کر لیا ہے ۔ان تینوں اہم مسئلوں کے پیدا ہونے کی وجہ ہمارے کم فہم سیاستدان ،نااہل حکمران اور کم شعور رکھنے والی عوام کو قرار دینا بلکل درست ہو گا کیونکہ اب کرپشن ہمارے معاشرے میں اس طرح سرایت کر چکی ہے کہ اس سے بچاو فلوقت ممکن نہیں ،بدامنی اس لیے ہے کہ حکومتی مشینری درست کام نہیں کر رہی اور امریکہ کی غلامی اس لیے کے ہمیں مغلیہ بادشاہوں کے آخری دور کی طرح عیاشیوں کی لت پڑ چکی ہے جس کو آسانی سے دور نہیں کیا جا سکتا۔

دوسری جانب ملک میں ڈرون حملوں کی وجہ سے امن و امان کا مسئلہ گزشتہ ایک عشرہ سے سب سے پیچیدہ مسئلہ بن چکا ہے۔ ڈرون حملوں کو روکوانے کیلئے گزشتہ 2 ہفتوں سے پاکستان تحریک انصاف کی جانب سے نیٹو سپلائی لائن روکے جانے کے بعد امریکہ نے سکیورٹی خدشات کا بہانہ بناتے ہوئے افغانستان سے اپنے عسکری

ساز و سامان کی پاکستان کے زمینی راستوں سے ترسیل معطل کرتے ہوئے متعلقہ کمپنیوں کے ڈرائیوروں سے کہہ دیا ہے کہ وہ اپنی گاڑیاں افغانستان میں ہی کھڑی کر دیں۔اب امریکہ نے نیٹو سپلائی لائن روکے جانے کے حوالئے سے بغور جائزے لینے کے بعد پاکستان کی فوجی امداد بند کرنے کی بھی دھمکی دے دی ہے۔ پاکستان اب تک امریکہ سے 16 ارب ڈالر فوجی امداد کی مد میں لے چکا ہے۔نیٹو افواج کے انخلا اور ان کے فوجی ساز و سامان کی واپسی میں پاکستان کے کردار کو انتہائی کلیدی تصور کیا جاتا ہے۔ادھر مسلم لیگ ن کی وفاقی حکومت کے علاوہ بعض دیگر سیاسی جماعتوں کا بھی موقف ہے کہ نیٹو افواج کی رسد کو روکنے کے لیے تحریک انصاف اور اس کی حلیف جماعتوں نے احتجاج کا جو راستہ اختیار کیا ہے وہ درست اقدام نہیں قرار دیا جا سکتا۔وفاقی وزیر اطلاعات پرویز رشید پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ پاکستان ڈرون حملوں کی بندش کے لیے سفارتی کوششیں جاری رکھے ہوئے ہے۔دوسری جانب امریکہ افغانستان سے فوجی ساز و سامان کی وطن واپسی کے لیے پاکستان کا زمینی راستہ استعمال کرنے کا حامی نظر آتا ہے اور اسے امید ہے صوبہ خیبر پختونخواہ کی حالیہ صورتحال زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہے گی۔اس نازک معاملے میں حکومت پاکستان کو ایسا واضح موقف اپنانے کی ضرورت ہے جس میں پاکستان کی اکائیوں اور بین الاقوامی برادری دونوں کو مطمئن کیا جا سکے ۔امریکہ بہادر گزشتہ ساٹھ سال سے پاکستان کے اندرونی معاملات پر حاوی رہا ہے اب ضرورت اس امر کی ہے کہ مارشل لاء کی پیداوار ان

حکمرانوں میں چھانٹی کی جائے اور صاف ستھرے اور ملک کیلئے مخلص لوگوں کو سامنے آ کر کام کا موقع دیا جائے۔اس سب کیلئے نوجوان نسل کی تربیت سازی اور شعور کی بیداری کیلئے کام کرنا ہوگا۔

عدلیہ کے سنہری باب ختم کے اختتام پر نئے چیف جسٹس کا امتحان

پاکستان کی عدالت عظمٰی کے سابق سربراہ چیف جسٹس (ر) افتخار محمد چوہدری کی ریٹائرمنٹ کے بعد عدلیہ کی تاریخ کا ایک سنہری باب اختتام پذیر ہو گیا۔ فوجی صدر پرویز مشرف کے سامنے سینہ سپر ہو کر انہوں نے مقبولیت کے سابقہ ریکارڈ توڑ ڈالے۔ وکلا برادری کی مقبول اور طاقتور ترین شخصیت کی حیثیت سے انہوں نے اپنے فیصلوں سے عوام میں بے پناہ پذیرائی حاصل کی۔ ان کے پیشہ ورانہ اور بہادر فیصلوں سے جہاں عام آدمی کی داد رسی ہوتی محسوس ہوئی وہاں اس تمام عرصے میں حکمرانوں کی نیندیں حرام رہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ افتخار محمد چوہدری اپنے فیصلوں کی صورت میں حکمرانی کرتے رہے اور حکمران بھی بلا تخصیص حیلے بہانے بنانے میں مصروف دکھائی دیئے۔ افتخار چوہدری نے حکمرانوں اور بیوروکریسی کو قانون کے اندر رہنے پر کافی حد تک مجبور کیے رکھا۔ انہوں نے بدعنوان سیاست دانوں اور بیوروکریٹس سے بازپرس کی اور عدالتی فیصلوں کی نافرمانی کرنے کے جرم میں ایک وزیر اعظم کو نااہل قرار دے کر گھر بھجوا دیا نیز دوسرے وزیر اعظم کو رینٹل پاور کیس میں ابھی تک عدالتی کارروائی کا سامنا ہے۔ موجودہ وزیر میاں محمد نواز شریف کی موجودہ پوزیشن بھی کسی حد تک افتخار محمد چوہدری کی مرہون منت ہے کیونکہ جسٹس افتخار محمد چوہدری نے ہی میاں نواز شریف کو ڈوگر

کورٹ سے نااہل قرار دینے کے فیصلہ کو کالعدم قرار دے کر ان کے لئے اقتدار تک پہنچنے کی راہ ہموار کی تھی۔ چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری کو نظر بند کرنے والے جنرل پرویز مشرف کو آج آئین کی آرٹیکل 6۔کے تحت غداری کے مقدمے کا سامنا ہے۔ن لیگ حکومت مشرف کو کسی بھی صورت معافی دینے پر تیار نظر نہیں آرہی۔ جسٹس افتخار محمد چوہدری نے بلا تخصیص تمام حکمرانوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر تاریخی فیصلے دیئے ۔این آر او کو کالعدم قرار دے کر سابق صدر آصف علی زرداری کے خلاف نیب کیسز بھی انہوں نے ہی بحال کروائے ۔انھوں نے جعلی ڈگری اور دوہری شہریت کے حامل ارکان پارلیمنٹ کو نااہل قرار دیا وہ لاپتہ افراد کی بازیابی کے لئے امید کی کرن بن کر ابھرے اور عدالت عظمی کی سربراہ کی حیثیت سے اپنی ملازمت کے آخری دن تک لاپتہ افراد کی بازیابی کے لئے کوشاں دکھائی دیئے ۔امریکی نیشنل لا جرنل نے انہیں ان کی لازوال خدمت کے عوض لائیر آف دا ایئر 2007 کے ایوارڈ دیا تھا۔10 مئی 2008 کو دی نوا ساؤتھ ایسٹرن یونیورسٹی نے ڈاکٹر آف لاء کی اعزازی ڈگری انہیں دی اور 17 نومبر 2008 ء کو دی ایسوسی ایشن آف دی سٹی بار آف نیویارک نے شاندار خدمات پر ایسوسی ایشن کی اعزازی ممبر شپ سے نوازا۔10 نومبر 2008 ء کو ہارورڈ لا ء اسکول نے میڈل آف فریڈم 28 مئی 2012ء کو برطانوی سپریم کورٹ کے صدر لارڈ فلپس نے انٹرنیشنل جسٹس ایوارڈ 2012 ء پیش کیا اور بھارتی تنظیم پیٹا کی طرف سے انہیں ہیرو ٹو اینیمل ایوارڈ دیا گیا۔چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری

پہلے پاکستانی ہیں جنہوں نے میڈل آف فریڈم کا اعزاز پایا۔ افتخار محمد چوہدری سے قبل یہ ایوارڈ نیلسن مینڈیلا اور چارلس یملٹن ہاسٹن کو دیا گیا ہے۔ الوداع کے موقع چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری کے اعزاز میں فل کورٹ ریفرنس ہوا جس میں انہیں زبردست الفاظ میں خراج تحسین میں پیش کیا گیا، ملک میں اب جسٹس تصدق حسین جیلانی نئے چیف جسٹس کے منصب پر فرائض سرانجام دے رہے ہیں جسٹس جیلانی کا اپنا بڑامقام و مرتبہ ہے لیکن پاکستان میں جو مقام جسٹس افتخار چوہدری کے حصہ میں آیا وہ اب شاید ہی کسی اور اعلیٰ جج کو مل سکے۔

سب کچھ نیا نیا ہے، اب کچھ نئ شروعات بھی ہو جائیں تو کیا ہی اچھا ہو، نئے چیف جسٹس تصدق حسین جیلانی کی تقریب حلف برداری میں صدر مملکت، وزیراعظم اور دیگر تمام وزراپہلے کے منظر سے مختلف تھے۔ سب کچھ بدلا ہوا نظر آ رہا تھا۔ پہلی بار ایسا ہوا کہ مملکت کے تمام اہم اداروں کی کمان بدل گئ ہے، کوئی ایک چہرہ بھی پرانا نہیں، عدلیہ، پارلیمنٹ، فوج اور حکومت سب میں شخصیات کی حد تک تبدیلی وقوع پذیر ہو چکی ہے۔ اہم ترین بات یہ ہے کہ سب کچھ آئین کے دائرے میں رہتے ہوئے اور پرامن طور پر ہوا ہے، کسی نے کوئی ضد کی نہ سازش ہوئی۔ ایک بہت اچھا ماحول قومی منظر کو منور کر رہا ہے۔ کیا یہ ایک بہت بڑا موقع نہیں، جس سے فائدہ اٹھا کر ہم بہت سے وہ کام بھی کر گزریں، جو ہمیشہ مصلحت اور مجبوریوں کی نذر ہوتے رہے ہیں۔

چیف جسٹس افتخار چوہدری کی تبدیلی پاکستان میں ایک اہم واقعہ تسلیم کیا جاتا ہے کیونکہ گزشتہ آٹھ سال سے ایک چیف جسٹس اپنی پالیسیوں کے مطابق سپریم کورٹ کو چلا رہے تھے۔ اس دوران انہوں نے سپریم کورٹ کو اہمیت اور کردار کے حوالے سے اہم اقدامات کیے۔ افتخار محمد چودھری کی ریٹائرمنٹ کے بعد چیف جسٹس کی حیثیت سے تصدق حسین جیلانی کی آمد سے کچھ نئے اثرات تو مرتب ہونے ہیں لیکن یہاں ایک بات قابل غور ہے کہ تصدق حسین جیلانی چیف جسٹس نئے ہیں، تاہم وہ عدلیہ یا سپریم کورٹ کے لئے نئے نہیں ہیں۔ وہ یقینا ان مسائل اور تقاضوں کو بخوبی جانتے ہیں جو گاشتہ سے پیوستہ چلے آ رہے ہیں۔ آج اگر سابق چیف جسٹس افتخار محمد چودھری کی ناکامیوں یا کمیوں کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان میں ضلعی سطح پر قائم عدالتی نظام میں واضح مثبت تبدیلیاں نہ لائے جانے کا مسئلہ سرفہرست ہے۔ ضلع کچہریاں آج بھی کرپشن اور ناانصافی کی آماجگاہ بنی ہوئی ہیں۔ آج بھی عوام کو ان عدالتوں سے فوری انصاف نہیں ملتا اور عام سے کیسوں کا فیصلہ بھی برسوں بعد ہوتا ہے۔ چیف جسٹس تصدق حسین جیلانی اگر اپنی آئینی مدت کے دوران اِس ضمن میں کوئی بڑی تبدیلی کو عملی شکل دینے میں کامیاب رہتے ہیں تو یہ انکی بڑی کامیابی تصور کی جا سکتی ہے۔اس کے علاوہ چیف جسٹس افتخار چوہدری کی سربراہی میں جو بڑے کیسز میڈیا میں خبروں کی زینت بنتے رہے ہیں ان پر مزید کام کی ضرورت ہے کیونکہ جب تک

ان سابقہ کیسز کو پایہ تکمیل تک نہیں پہنچایا جائے گا تب تک عدلیہ کے کردار پر سوالات اٹھانے والے بھی کاموش نہیں رہیں گے۔آج جدیدیت کا دور ہے کوئی بھی کیس زیادہ وقت تک دب کر نہیں رہ پاتا۔میڈیا کی حدود غیر متعین ہیں اب اس سے بچ کر رہنا ہر ایک کیلئے ممکن نہیں رہا لیکن ایسا بھی نہیں کہ سب اچھا چل رہا ہے یہاں اس ملک میں اب بھی ایسے گروہ موجود ہیں جو اپنے تمام غیر قانونی دھندوں کو انتہائی سلیقے سے قانونی کرکے چل رہے ہیں۔افتخار چوہدری نے عدلیہ کو جس پٹڑی پر دال دیا ہے نئے چیف جسٹس اور ان کی پوری ٹیم کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اس کو منزل تک پہنچانے کیلئے اپنا اپنا رول ادا کریں۔

شہداء کی قربانیوں پر ہندوستان سے معاشی دوستی کیلئے دوڑ

'ہیومن رائٹس واچ موومنٹ' جموں و کشمیر کی انسانی حقوق کے حوالے سے کام کرنے والی ایک مستند تنظیم ہے ،اس تنظیم نے اپنے ماہرین کی مدد سے حال ہی میں ایک انتہائی جامع رپورٹ مقبوضہ کشمیر میں ہندوستانی فورسز کے ظلم و ستم کے حوالے سے مرتب کی گئ ہے۔یہ تحقیقاتی رپورٹ اقوام متحدہ ، یورپی یونین ، او آئی سی ، جی ایٹ، سارک ممالک، چین ، ہندوستان ، پاکستان سمیت انسانی حقوق کے دیگر علمبرداروں کے اس انسانی مسئلہ پر غیر سنجیدہ کردار پر سوالیہ نشان چھوڑتی ہے۔ ہندوستانی مقبوضہ کشمیر میں کشمیریوں پر ظلم و ستم کے حوالے سے انسانی حقوق کی اس تنظیم کی رپورٹ کے مطابق 1947ء سے موجودہ سال 2013ء کے اختتام تک پانچ لاکھ افراد شہید اور 9988 خواتین کی بے حرمتی کی گئ۔ مقبوضہ جموں کشمیر میں گمنام قبروں کی تعداد 5900 اور غائب شدہ افراد کی تعداد دس ہزار سے زائد رپورٹ کی ہے جبکہ ایک لاکھ دس ہزار یتیم بچوں کے ساتھ ایک لاکھ سے زائد افراد کو بھارتی جیلوں میں قید کیا جانا بھی رپورٹ میں شامل کیا گیا ہے۔اس رپورٹ میں واضح کیا گیا ہے کہ ہندوستان کے کالے قوانین پوٹا ، ٹاٹا اور آفسپا کے تحت 24 افراد مختلف جیلوں میں عمر قید بھی کاٹ رہے ہیں۔ رپورٹ

میں یہ بھی باور کرایا گیا ہے کہ مقبوضہ کشمیر میں انسانی حقوق کی پامالیاں اقوام عالم میں بلند ترین سطح پر پہنچ چکی ہے۔ رپورٹ میں شہید کئے گئے افراد میں زیادہ تر تعداد گیارہ سال سے 60 سال تک کے بچوں اور بوڑھوں کی بتائی گئی ہے جبکہ 710 خواتین کو زیادتی کے بعد قتل کیا جانا بھی شامل ہے۔ رپورٹ کے مطابق ایک لاکھ دس ہزار افراد ابھی تک بھارت کی مختلف جیلوں میں کالے قانون کے تحت سزائیں کاٹنے پر مجبور بتائے گئے ہیں۔ رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ ہندوستان نے 1990ء سے 2013ء تک ایک لاکھ 6 ہزار افراد کو شہید کیا ہے۔ بھارتی مقبوضہ کشمیر میں ان بھاری مظالم پر اقوام متحدہ، انسانی حقوق کے دعویدار اداروں سمیت اسلامی ممالک کی 1.6 ارب مسلمانوں کے نمائندہ سمجھے جانے والے سیاستدانوں اور حکمرانوں کے علاوہ ''آزاد کشمیر'' کے حکمران اور سیاسی جماعتوں کے قائدین کی اس مسئلہ پر غیر سنجیدگی نے کروڑوں کشمیریوں کو آزادی اور بنیادی انسانی حقوق سے محروم کر رکھا ہے۔

ہندوستان صرف مقبوضہ کشمیر میں ہی فوجی مظالم نہیں کر رہا بلکہ سیز فائر لائن کی خلاف ورزیوں کرتے ہوئے دونوں اطرف بسنے والے کشمیریوں کو ہجرت پر مجبور بھی کر رہا ہے۔ حالیہ جاری ہونے والی تحقیقاتی رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ ہندوستان نے گزشتہ دو سال کے دوران عالمی قوانین کی دھجیاں اڑاتے ہوئے 140 سے زائد مرتبہ سیز فائر لائن کی خلاف ورزیاں کیں اور اس دوران تین

ہزار سے زائد مارٹر گولے آبادی پر فائر کئے۔ ان واقعات میں تقریبا 60 سے زائد افراد شہید سینکڑوں زخمی جبکہ کشمیر کے مزید سینکڑوں خاندان نقل مکانی کرنے پر مجبور بھی ہوئے ہیں۔

ہندوستان نے اپنی سات لاکھ سے زائد فوج اور دیگر سکیورٹی فورسز کے ذریعے کشمیریوں کی آواز اور آزادی کی جدوجہد کو دبانے کیلئے ان پر مظالم توڑنے کا جو سلسلہ 47ء میں شروع کیا تھا وہ اب تک جاری ہے، ہندوستان طاقت کے زور پر ہتھکنڈے اختیار کرنے کے باوجود کشمیری عوام کو انکی جدوجہد آزادی کے راستے سے نہیں ہٹا سکا ہے بلکہ کشمیری عوام نے ہندوستانی مظالم کی مزاحمت کا راستہ اختیار کیا۔ اسی ریاستی ظلم و ستم کے تناظر میں ہیومن رائٹس موومنٹ کی یہ رپورٹ دنیا کے سامنے چشم کشا ہے جو کشمیریوں کی جدوجہد آزادی میں اب تک پانچ لاکھ افراد کے شہید ہونے کی تصدیق کرتے ہیں۔

چند روز قبل یو این جنرل اسمبلی نے پاکستان کی پیش کردہ ایک قرارداد کی منظوری دی جس میں کشمیری عوام سمیت دنیا کے مختلف خطوں میں آزادی کی جدوجہد کرنیوالے باشندوں کی جدوجہد کی تائید کی گئی ہے۔ آزادی کی تحریکوں میں کشمیر ایشو اس لئے زیادہ اہم ہے کہ اس پر اقوام متحدہ خود اپنی قراردادوں کے ذریعے کشمیریوں کے حق خودارادیت کو تسلیم کرچکا اور اس نے دو ممالک کو

فریق بنا کر کشمیریوں کو حق خود ارادیت کیلئے مناسب ماحول پیدا کرنے کی ذمہ داری تفویض کی تھی ، یہ ممالک اب تک اپنی ذمہ داری کو پورا کرنے میں ناکام رہے ہیں جبکہ اقوام متحدہ جسے اقوام عالم میں مضبوط ترینادارے کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے وہ بھی اس مسئلہ کو حل کرانے میں تاحال بری طرح ناکام ہے۔

دو سال قبل انسانی حقوق کے حوالے سے کام کرنے والی ایک اور عالمی تنظیم ایمنسٹی انٹر نیشنل کی جانب سے بھی مقبوضہ کشمیر میں بھارتی مظالم کو بے نقاب کرنے کے حوالے رپورٹ جارری کی گئی تھی ۔ اس تنظیم کی رپورٹ میں گمنام اور اجتماعی قبروں کی نشاندہی کی گئی تھی جبکہ ایمنسٹی کی اس رپورٹ کو بنیاد بنا کر یورپی یونین نے ہندوستان کے ساتھ تجارتی روابط معطل کر دیئے تھے اور اسے مقبوضہ کشمیر میں مظالم کا سلسلہ ختم کرکے انسانی حقوق کے تحفظ کو یقینی بنانے کی ہدایت بھی کی تھی۔ اسی تناظر میں مقبوضہ کشمیر سے متعلق تمام حقائق و شواہد دنیاکے سامنے آئے ہیں جس کی بنیاد پر کشمیری عوام اپنے حق خودارادیت کی جدوجہد میں حق بجانب ہیں اور انہیں دنیا کی تائید حاصل ہے مگر کشمیر پر بھارت کی ''اٹوٹ انگ'' اور پاکستان کی'' شہ رگ'' والی ہٹ دھرمیوں والی پالیسیاں نہ صرف اب تک برقرار ہیں بلکہ ان میں روز بروز شدت آتی جارہی ہے ۔پاکستان میں کشمیری النسل نواز شریف کی حکومت آنے کے بعد

دونوں اطراف کے کشمیریوں کو کسی حد تک امید ہو چلی تھی کہ شاید اب کی بار مسئلہ کو حل کرنے میں سنجیدگی دکھائی جائے گی لیکن ان کے 'دوستی' کیلئے بے قراری جیسے اقدامات دیکھ کراب ایسا محسوس ہوتا ہے کہ 5 لاکھ سے زائد کشمیری شہداء اور ان کے خاندانوں کی لازوال قربانیوں کو فراموش کرتے ہوئے اپنی معاشی بدحالی کو دور کرنے کیلئے نواز شریف نے ہندو بنئے سے دوستی کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔نواز شریف کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ ہنود و یہود کبھی مسلمانوں کے دوست و خیر خواہ نہیں ہو سکتے ۔ دوسری طرف ہندوستان میں انتخابات کی گہما گہمی عروج پر ہے جہاں ہزاروں مسلمانوں کے قاتل سمجھے جانے والے نریندر مودی کو مستقبل قریب میں ہندوستان کا وزیر اعظم بنانے کیلئے گٹھ جوڑ جاری ہے ۔ انتخابات کے بعد واضح ہو جائے گا کہ ہندوستان کی نئ حکومت کس کے ہاتھ لگتی ہے اور یہ حکومت مسئلہ کشمیر اور کشمیریوں کے ساتھ کیسا سلوک کرتی ہے ۔

جمہوری نظام پر عوام کا اٹھتا ہوا اعتماد

ماہ ربیع الاول جاری ہے ملک بھر میں جشن عید میلاد نبی ﷺ جوش و جذبے سے منایا جا رہا ہے، جہاں جہاں میلاد منانے والوں کی اکثریت ہے وہاں دھڑلے سے عوامی گزرگاہیں خاردار تاریں لگا کر بند کی جا رہی ہیں، ریلیوں کا انعقاد کیا جا رہا ہے اور مساجد میں لوڈ سپیکر پر دیر، دیر تک تقاریر اور نعتیں پڑھی جا رہیں ہیں، گنجان شہروں میں اہم چوکوں کو جلسہ گاہ بنا دیا گیا ہے، ایسے ہی ملتے جلتے مناظر چند ماہ قبل ملک کے ایسے تمام علاقوں میں آئے تھے جہاں شیعہ حضرات اکثریت میں ہیں، جس طرح انھوں نے مجالس، جلوس و تقاریر کا سلسلہ عوامی راستوں کو روک کر رکھا تھا اب وہی کام اہل سنت والجماعت کی طرف سے دوہرایا جا رہا ہے، مذہبی اجتماعات کے حوالے سے مرکزی و صوبائی حکومتوں کی کوئی واضح پالیسی اور جاندار حکومتی رٹ دیکھنے میں نہیں آئی، صرف سکیورٹی اہلکاروں کو مذہبی عبادت گاہوں اور جلوسوں کی نگرانی کیلئے معمور کرکے فرض ادا کر دیا جاتا ہے۔ جبکہ ہمارے جیسے ملک میں جہاں امن و امان ہمیشہ سے مسئلہ رہا ہے یہاں ہونا تو یہ چاہیے کہ مذہب کے نام پر اجتماعات میں مقابلہ بازی کی بجائے تمام مذہبی اجتماعات کو بلا تفرقہ چار دیواری تک محدود کر دیا جائے تا کہ شاہرات، چوک چوراہے بند نہ ہو سکیں جس سے شہری معمول کے مطابق زندگی گزار

سکیں۔

گزشتہ ہفتے پرویز مشرف پر غداری کا مقدمہ سیاسی و صحافتی حلقوں میں زور و شور سے بحث بنا رہا ہے جواب تک جاری ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جنرل مشرف کے خلاف کارروائی کرکے حکومت خود اپنے لیے مشکلات پیدا کررہی ہے۔ پرویز مشرف کی حمایت میں الطاف حسین اور چودھری برادران کھل کر سامنے بھی آ گئے۔ اب ایسا لگتا ہے کہ وہ لوگ جو پرویز مشرف کے ساتھ ماضی میں ان کے اچھے وقت میں اقتدار کے مزے مل کر لیتے رہے ہیں اب وہ آہستہ آہستہ ان کی حمایت میں سرگرم ہو رہے ہیں۔ پیپلز پارٹی قائدین مشرف سے انتقام بذریعہ ن لیگ لینے کے خوائش مند نظر آ رہے ہیں۔ ادھر ن لیگ حکومت ایک طرف مشرف پر مقدمہ چلارہی ہے تو دوسری طرف اس کے سامنے مسائل کا ایک انبار بھی کھڑا ہے۔ پرویز مشرف کو تو عدالت نے 16 جنوری کو طلب کر رکھا ہے، اگر وہ حاضر ہو جاتے ہیں تو ان پر فرد جرم بھی عائد کر دیا جائے گا لیکن ادھر دوسری جانب لیگی حکومت کو دیگر قومی ایشوز اور بدلے کی سوچ کے بجائے عوامی مسائل کے حل کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے کیونکہ عوام مسائل سے تنگ آ چکے ہیں۔ اب تک کی حکومت کارکردگی ظاہر کرتی ہے کہ عوام کو حکومت سے وہ ریلیف نہیں ملا جس کی ان کو انتخابی مہم کے دوارن اور ن لیگ کو ووٹ ڈالتے وقت توقع تھی۔ ایک طرف عوامی مسائل ہیں تو دوسری طرف تین صوبوں میں بلدیاتی انتخابات کا انعقاد سوالیہ نشان بن

کر رہ گیا ہے۔بلدیاتی امیدوار حکومت سے نالاں ہیں ان کے جس انداز سے وسائل خرچ ہورہے ہیں اس میں غیر یقینی کی کیفیت نے انہیں حکومت سے فاصلے پر کھڑا کردیا ہے۔ پنجاب اور سندھ میں ہائی کورٹ کی جانب سے نئی حلقہ بندیاں کالعدم قرار دینے کے بعد مقررہ تاریخ میں انتخابات کا انعقاد اب مشکل ترین ہو چکا ہے۔ بظاہر ایسا لگتا ہے کہ صوبائی حکومتیں بلدیاتی انتخابات سے راہ فرار حاصل کرنے کی کوشش کررہی ہیں ۔ان کے ایجنڈے میں فی الحال بلدیاتی انتخابات نہیں اوران کی کوشش ہے کہ اس مسئلے میں جتنی بھی تاخیر ہو سکتی ہے کی جائے۔ عوام میں اصل مایوسی یہ ہے کہ ایک طرف حکومتیں اور حکمران جماعتیں جمہوریت کی بڑی بڑی باتیں کرتی ہیں لیکن مقامی سطح پر جمہوری نظام کی تشکیل میں رکاوٹیں کھڑی کررہی ہیں۔ سیاسی کارکنوں میں یہ احساس ہے کہ ان کی جماعتیں عوام کو مضبوط کرنے کی بجائے ارکان اسمبلی اور بالخصوص بیوروکریسی کو مضبوط کرکے نظام چلانا چاہتی ہیں۔ بلدیاتی انتخابات فوری طور پر نہیں ہوتے تو عوام میں حکومت کی ناکامی کا تصوراور بھی زور سے ابھرے گا اور وہ سمجھیں گے کہ جزوی جمہوری نظام پھر سے ناکام ہوچکا ہے۔اس لیے صوبائی حکومتوں نے بلدیاتی انتخابات میں جو رویہ اختیار کر رکھا ہے اس پر نظرثانی کرکے حکومت اس سوچ کو جھٹلا سکتی ہے۔ الیکشن کمیشن نے ایک بار پھر پنجاب اور سندھ میں بلدیاتی انتخابات کی نئی تاریخوں کا اعلان کردیا ہے، جن کے مطابق سندھ میں 23فروری اور پنجاب میں 13 مارچ کو الیکشن کرائے جانے ہیں۔

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دونوں صوبوں میں جو حلقہ بندیاں غیر قانونی قرار دی گئی ہیں ان کا کیا حل نکلے گا؟۔ کیا پرانی حلقہ بندیوں پر انتخابات ہونگے ؟ اگر ایسا ہوگا تو امیدواروں کو نئے سرے سے کاغذات نامزدگی جمع کروانے ہونگے جو نیا مسئلہ پیدا کرینگے۔ نئی حلقہ بندیاں اس مختصر وقت میں انتہائی مشکل مرحلہ ہوگا۔ بظاہر ایسا لگتا ہے کہ جو نئی تاریخیں دی گئی ہیں اس پر بھی انتخابات کا انعقاد نہیں ہوسکے گا۔

دوسری جانب ملک میں ہر طرف جو نان ایشوز کی سیاست ہو رہی ہے اس پر کوئی بھی حکمران، سیاستدان اور تجزیہ نگار تک بھی توجہ نہیں دے رہے۔ پنجاب میں ن لیگ نیا صوبہ بنا کر مسائل میں کمی اور ترقی میں اضافہ کر سکتی ہے جبکہ سندھ میں پیپلز پارٹی اور ایم کیو ایم کے اتفاق سے نیا صوبہ بنایا جا سکتا ہے۔ قومی و صوبائی سیاسی قیادتیں اپنے مسائل پارلیمنٹ اور جمہوری فورمز پر حل کرنے کی بجائے سیاسی جلسوں میں جذباتی انداز میں تقاریر سے کرنا چاہتی ہیں۔ یہ عمل ملک میں محاذ آرائی کی سیاست کو دن بدن آگے بڑھا رہا ہے۔ جہاں تک نئے صوبوں کے بنائے جانے کا تعلق ہے تو اس کا آئین میں قانونی دائرہ کار بھی موجود ہے۔ لیکن یہاں یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ نیا صوبہ کسی ایک جماعت کی مخصوص مفاداتی خواہش پر تو نہیں بن رہا۔ اس کے لیے پنجاب اور سندھ کی تمام پارلیمانی و غیر پارلیمانی سیاسی جماعتوں میں اتفاق رائے کی ضرورت ہے۔

کیونکہ نئے صوبے اس وقت تک نہیں بن سکتے جب تک پنجاب اور سندھ اسمبلی ان کی حمایت میں متفقہ قراردادیں پاس نہیں کرائی جاتیں۔ن لیگی قیادت آل پارٹیز کانفرنس کرانے میں کافی ماہر سمجھی جاتی ہے اس لیے ضروری ہے نئے صوبے بنانے کیلئے سنجیدگی دکھائی جائے اور اس کیلئے سیاسی جماعتوں سے تعاون لے کر قدم بڑھائے جائیں کیونکہ اب آبادی بہت زیادہ بڑھ چکی ، عوام کو بنیادی سہولیات کی فراہمی کو یقینی بنانے کیلئے مقامی سطح پر انتظامیہ کو مضبوط اور رابطہ کاری کو آسان بنانا ضروری ہے۔

پاکستانی وکشمیری منشیات کی زد میں

سرینگر مظفرآباد دوطرفہ تجارت کے ذریعے آزاد کشمیر سے مقبوضہ کشمیر جانے والے مال بردار ٹرک سے 1 ارب سے زائد مالیت کی براؤن شوگر (اعلیٰ معیار کی ہیروئن) پکڑنے کے بعد آرپار کشمیر کی سیز فائر لائن پر تجارت کا معاملہ سنگین صورتحال اختیار کرگیا ہے بھارتی انتظامیہ کی جانب سے ٹرک اور اس کا ڈرائیور آزاد کشمیر کی انتظامیہ کے حوالے نہ کرنے کی وجہ سے گزشتہ جمعہ کے روز آزاد کشمیر سے مقبوضہ کشمیر جانے والے 49 ٹرکوں کو مقبوضہ کشمیر اور مقبوضہ کشمیر سے آنے والے ٹرکوں کو آزاد کشمیر میں روک دیا گیا تھا، ٹریول اینڈ ٹریڈ اتھارٹی آزاد کشمیر نے مذکورہ تاجر کو پولیس حراست میں رکھوایا جس پر بھارت کی جانب سے ایک ارب سے زائد مالیت کی براؤن شوگر بھیجنے کا الزام ہے۔ جمعہ کے روز دوطرفہ تجارت کے ذریعے 49 مال بردار ٹرک مقبوضہ کشمیر گئے بھارتی انتظامیہ کے مطابق الفجر کمپنی کے نام سے مقبوضہ کشمیر جانے والا ٹرک نمبر آر آئی ایس 2137 جس پر کاٹھا بادام لوڈ تھا اس میں سے 114 پیکٹ براؤن شوگر کے برآمد ہوئے جن کی مالیت ایک ارب سے زائد بنتی ہے۔ مقبوضہ کشمیر کی انتظامیہ نے مذکورہ ٹرک کے ڈرائیور محمد شفیق ولد عبدالعزیز ساکنہ سراڑ مظفرآباد کو حراست میں لینے کے علاوہ ٹرک کو ضبط

کرلیا۔ جمعہ اور ہفتہ کی رات تقریباً ساڑھے بارہ بجے دونوں اطراف کے حکام کے درمیان امن برج پر میٹنگ ہوئی جس میں بھارتی انتظامیہ نے بتایا تھا کہ جس ٹرک سے براؤن شوگر برآمد ہوئی اسے ضبط کرلیا گیا ہے اور ٹرک ڈرائیور کو حراست میں لے رکھا ہے جس سے سکیورٹی کے ادارے تفتیش کر رہے ہیں۔ باقی 48 ٹرک واپس بھیجے جا رہے ہیں لیکن متنازعہ ٹرک اور ڈرائیور کو آزاد کشمیر انتظامیہ کے حوالے نہیں کیا جائے گا ۔ڈائریکٹر جنرل ٹریول اینڈ ٹریڈ اتھارٹی آزاد کشمیر بریگیڈئر (ر) محمد اسماعیل کے مطابق براؤن شوگر پکڑنے کا الزام بھارت کی جانب سے دوطرفہ تجارت کو بند کرنے کی سازش ہے اس سے قبل بھی بھارت نے دوطرفہ تجارت کے ذریعے مقبوضہ کشمیر جانے والے ٹرکوں سے منشیات پکڑنے کا الزام لگایا لیکن ابھی تک ہمیں کوئی ثبوت فراہم نہیں کئے گئے۔ اس طرح کے ہتھکنڈے استعمال کرکے دوطرفہ تجارت کو بند کرنا چاہتا ہے۔ حالیہ واقعہ کے بعد دونوں اطراف سے ایک دوسرے پر الزامات کی بوچھاڑ کی جا رہی ہے ۔اس سب کے باوجود اس بات سے کسی کو انکار نہیں کہ پاکستان ، بھارت افغانستان میں منشیات کا استعمال بہت زیادہ بڑھ چکا ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ امریکی سرپرستی میں سال 2013ء میں افغانستان میں ریکارڈ 5500 ٹن منشیات کی پیداوار کی گئی ۔ یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ '' سی آئی اے'' اور'' راہ'' کراچی اور پشاور کے ذریعے افغان ہیروئن، افیم ، و نشہ آور ممنوعہ اشیاء ایشیائی و دیگر یورپی ممالک کو برآمد کرتی ہے جبکہ پاکستان میں جنوبی

امریکہ سے کوکین، ممبئی، سرینگر سے شراب کی درآمد کی جاتی ہے۔ گزشتہ ایک عشرہ سے نیٹو سپلائی کی آڑ میں امریکہ اور سی آئی اے پاکستان کے چاروں صوبوں کے بڑے شہروں، آزاد کشمیر و گلگت بلتستان کے شہروں کراچی، لاہور، راولپنڈی، کوئٹہ پشاور، ملتان، فیصل آباد، مظفر آباد، گلگت، سکردو دیگر شہروں میں منشیات کی سمگلنگ، میں ملوث ہیں۔ گزشتہ دنوں کشمیریوں کی آر پار تجارت کے دوران منشیات سمگلنگ کا واقعہ سامنے آیا ہے اس واقع میں مظفر آباد سے خشک میوہ جات سے بھرے ایک تجارتی ٹرک کے ذریعے اربوں روپے کی منشیات کے 114 پیکٹس مظفر آباد سے سرینگر بھیجے گئے تھے جہاں سکیورٹی کے اداروں نے انہیں ضبط کر دیا۔ کشمیریوں کی آر پار کے تجارتی عمل کے دوران یہ منشیات سمگلنگ کا دوسرا واقعہ تھا۔ کشمیریوں کے نام پر لاہور کے کچھ معروف تاجروں نے اس قسم کے دھندوں سے مال کمانا اپنی عادت بنا رکھا ہے، دوسری جانب کراچی کی بندرگاہ اور پشاور اس سلسلے میں اہم ترین ٹرانزٹ مقام سمجھے جاتے ہیں۔

دوسری جانب برطانوی کمپنی کی جانب سے شراب نوشی کے حوالے سے دنیا کے 37 ممالک میں ایک سروے کیا گیا جس میں پاکستان کا نمبر 35 واں ہے تاہم بعض ایسے ممالک کو اس میں شامل نہیں کیا گیا جہاں مے نوشی کثرت سے کی جاتی ہے۔ برطانوی نشریاتی ادارے کا بین الاقوامی طور پر مختلف موضوعات پر اعداد و شمار اکٹھے کرنے والے ادارے یورو مانیٹر کے حوالے سے کہنا ہے کہ برصغیر

کے لوگ دنیا بھر میں تیار ہونے والی شراب میں سے تقریبا 50 فیصد پی جاتے ہیں اس لحاظ سے دنیا میں سب سے زیادہ شراب بھارت میں پی جاتی ہے لیکن اگر آبادی اور مقدار کے تناظر میں دیکھا جائے تو دنیا کا سب سے شرابی ملک فرانس ہے جہاں ہر شخص سالانہ 2.15 لیٹر شراب پیتا ہے۔اسی طرح یوراگوئے میں 1.77 لیٹر اور امریکا میں لیٹر فی کس سالانہ شراب پی جاتی ہے، متحدہ عرب امارات عالمی درجہ بندی کے 1.41 لحاظ سے چھٹے نمبر پر ہے جہاں آبادی کے تناسب کے لحاظ سے ہر شخص اوسطا 1.27 لیٹر فی کس شراب پیتا ہے، بھارت کا نواں نمبر ہے جہاں اوسطا ہر شخص سالانہ بنیادوں پر لیٹر پی جاتا ہے، اس فہرست میں پاکستان کا 35 واں نمبر ہے اور پاکستانی 0.04 1.24 لیٹر فی کس شراب پیتے ہیں جبکہ چین میں 0.02 لیٹر فی کس شراب پی جاتی ہے۔

پاکستان اور اس کے زیر کنٹرول علاقوں میں منشیات کی خرید وفروخت اور اس کا معاشرے میں پوری طرح سرایت کر جانا حکومت کیلئے لمحہ فکریہ ہے۔آر پار تجارت کی آڑ میں منشیات کی سمگلنگ جیسا دھندہ پروسی ملکی کے درمیان تعلقات مذید خراب کرنے کا باعث بن رہا ہے اس عمل سے کشمیری بری طرح متاثر ہو رہے ہیں دوسری طرف مے نوشی میں اسلامی جمہوریہ پاکستان کا 35 واں نمبر آنا بھی کوئی اچھی علامت نظر نہیں آتی اس سلسلہ میں پالیسی سازوں کو کام کرنا ہوگا اور حکمرانوں کو اپنی ذمہ داری ادا کرتے ہوئے ایسے دھندوں پر روک تھام کرنی

ہوگی ورنہ مستقبل میں حالات مزید خراب تر ہونے کا اندیشہ ہے۔

شریعت کے نفاذ کو طالبان سے منسوب کرکے جان نہ چھڑائی جائے

ایک صحافی ہونے کے ناطے انتہائی سنجیدگی سے جائزہ لے رہا ہوں کہ گزشتہ کچھ عرصہ سے حکومت پاکستان اور طالبان کے درمیان ملک کے نظام حکومت کے طریقہ کار کے حوالے سے مذاکرات کی کوششیں کی جا رہی ہیں دونوں جانب سے کسی قدر سنجیدہ کوششیں بھی ہوتی نظر آئی ہیں۔ایک طرف طالبان حکومت سے مطالبہ کر رہے ہیں کہ ملک میں 'اسلامی شرعی نظام' کا مکمل نفاذ کیا جائے دوسری طرف حکومت ہیں امادہ کرنے کی کوشش کر رہی ہے کہ انگریزوں کو یہودیوں کے ممالک میں رائج نظام حکومت 'جمہوریت' جو وہ ہم پر ٹھونس کر گئے تھے پر' جمہوری آئین' کے اندر رہتے ہوئے عمل کیا جائے۔اس وقت اس اہم ترین ایشو پر دنیا کی نظریں لگی ہیں۔یہودی و عیسائی دیکھ رہے ہیں کہ پاکستان جو مسلمان ممالک میں ایٹمی قوت حامل واحد ملک ہے میں ان کی دی ہوئی جمہوریت قائم رہے گی یا طالبان کے پریشر پر آکر شریعت کے نفاذ کیلئے کوشش کی جائے گی۔اس سلسلہ میں برطانوی و امریکی میڈیا نے گزشتہ دنوں رپورٹ کیا کہ حکومت پاکستان کا طالبان سے مذاکرات کرنا بلیک ہول سے بات چیت کرنے کے مترادف ہے، دہشتگردوں سے مذاکرات بعض اوقات کئے جا سکتے ہیں لیکن ایسوں سے نہیں جو الگ ریاست یا الگ حکمرانی کا مطالبہ کر رہے ہیں۔' ٹیلی گراف' نے اپنی رپورٹ میں

کہاکہ تحریک طالبان پاکستان سے مذاکرات کے لئے کمیٹی کی تشکیل بے معنی ہے۔اخبار نے یہ الزام بھی عائد کیاکہ پاکستان کی سیکیورٹی فورسز طالبان کے حملے روکنے میں ناکام ہوتی نظر آ رہی ہیں اور عدالتیں بھی دہشت گردوں کو سزا نہیں دے پا رہیں۔ رپورٹ کے مطابق پاکستانی ریاست کو اس وقت سب سے بڑا خطرہ عسکریت پسندوں سے ہے جنھوں نے افغانستان کے ساتھ سرحدی علاقے کو اپنے کنٹرول میں لے رکھا ہے اور وہاں پر حکومت کی کوئی رٹ نہیں ہے۔ طالبان ہمیشہ سے مذاکرات کو دوبارہ منظم ہونے کے لئے پلیٹ فارم کے طور پر استعمال کرتے ہیں اور پھر حملے شروع کردیتے ہیں۔ پاکستانی طالبان ملک کو سخت گیر اسلامی ریاست میں بدلنا چاہتے ہیں جہاں ملاؤں کی حکومت ہو اور خواتین کو برقعہ پہننے کی پابندی ہو۔طابان کی طرف سے نامزد کمیٹی سیاسی چال ہے، پاکستانی قیادت کو کچھ سمجھ نہیں آ رہاکہ وہ کیا کرے۔ ایک بھرپور فوجی آپریشن کرنا بھی ان کے لئے مسئلہ ہے کیونکہ طالبان کے حقانی نیٹ ورک سے قریبی تعلقات ہیں اور حقانی نیٹ ورک افغانستان میں کارروائیوں میں ملوث ہے۔ اچھے طالبان اور برے طالبان میں تفرق کرنا مشکل ہوگیا ہے اور پاکستانی قیادت کمزور نظر آ رہی ہے۔ حکومت پاکستان کے عہدیداروں سے مذاکرات اور ملاقات میں طالبان کی حقیقت اور اہمیت کو واضح کردیا ہے۔ دوسری جانب بعض اسلامی ممالک جن میں ایران سرفہرست ہے میں بھی طالبان سے مذاکرات کو اچھا نہیں سمجھا جارہا، ایرانی میڈیا رپورٹس میں پاکستانی حکومت کے طالبان سے مذاکرات پر شدید تنقید

کی جا رہی ہے۔طالبان کی مذاکراتی کمیٹی کے نامزد رکن مولانا عبدالعزیز جو کمیٹی سے علیحدگی کا اعلان اس لیے کر چکے کیونکہ ان کی شرط تھی کہ جب تک مذاکرات میں شریعت کے نفاذ پر بات نہیں کی جاتی وہ مذاکراتی کمیٹی کا حصہ نہیں بنیں گے۔ان کا کہنا ہے کہ مذاکرات میں آئین کی شرط نہ لگائی جائیں، سب سے بڑا آئین قرآن و سنت ہے، آئین اسلامی ہوتا تو تنازع ہی نہیں ہوتا، آئین کی بالادستی کی بات کی جاتی ہے جبکہ ہمارا آئین تو قرآن و سنت سے مزین نہیں بلکہ اس آئین میں کہیں کہیں اسلامی قوانین کے پیوند لگائے گئے ہیں، ہماری مقننہ کو قرآن و سنت کی مکمل آگاہی بھی نہیں، قوانین کی بنیاد پر انگریزوں کے قانون کو بنایا گیا۔بارود کے ڈھیر پر اس لئے کھڑے ہیں کہ ہم نے قرآن و سنت سے منہ موڑا، سب سے بڑا آئین قرآن و حدیث ہے، قرآن کو آئین بنائیں اور آگے چلنے کی کوشش کی جا سکی ہے۔

ادھر حکومتی نمائندوں کی چار رکنی کمیٹی میں وزیر اعظم کے معاون خصوصی عرفان صدیقی، آئی ایس آئی کے سابق افسر میجر (ر) محمد عامر، افغانستان میں پاکستان کے سابق سفیر رستم شاہ مہمند اور افغانستان و قبائلی امور کے تجزیہ کار رحیم اللہ یوسفزئی شامل ہیں۔طالبان کو کمیٹی کی تشکیل میں قدرے دشواری کا اس وقت سامنا کرنا پڑا جب تحریک انصاف نے عمران خان اور جمعیت علما اسلام (ف) نے مفتی کفائت اللہ کو ان کی کمیٹی کا رکن بننے سے روک دیا جبکہ مسجد کے خطیب

مولانا عبدالعزیز نے تحفظات کا اظہار کرتے ہوئے کمیٹی سے علیحدگی اختیار کر لی۔

طالبان کی کمیٹی اب باقی ماندہ نمائندوں مولانا سمیع الحق اور جماعت اسلامی صوبہ سرحد کے امیر پروفیسر ابراہیم پر مشتمل ہے، طالبان جلد نئے کمیٹی ممبران کے نام پیش کر سکتے ہیں۔ ان مذاکرات کا آغاز ایسے ماحول میں ہونے جا رہا ہے کہ بدامنی کے باعث ملک میں براہ راست غیر ملکی سرمایہ کاری مسلسل کم ہو رہی ہے۔ مقامی ادارے کرپشن کی وجہ سے ختم ہونے کے قریب ہیں، کرکٹ سمیت کھیلوں کے عالمی مقابلے برسوں سے منعقد نہیں ہوسکے۔ حکمرانوں، سیاستدانوں، فوج، ملکی سلامتی کے اداروں کے افسران او اہلکارو ں اور عوام سمیت کوئی بھی دہشت گردی کی وارداتوں سے محفوظ نہیں ہے۔ ٹارگٹ کلنگ، بھتہ خوری اور اغوابرائے تاوان جیسے بھیانک جرائم اب روز مرہ کا معمول بن گئے ہیں۔ ان عوامل کے باعث قومی زندگی مفلوج ہو چکی ہے۔ ان حالات میں حکومت کو پہلے سے زیادہ سنجیدگی اختیار کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ عوام کی ایک بڑی تعداد ملک میں اسلامی شرعی نظام کے حامی ہے، گزشتہ عام انتخابات سے پہلے مختلف اداروں کی طرف سے اس حوالے سے عوامی سروے بھی سامنے آچکے ہیں کہ ملک کے نوجوانوں کی ایک بڑی اکثریت جمہوری نظام سے تنگ جبکہ اسلامی شرعی نظام کے نفاذ کی حمایتی ہے اگر موجودہ وقت میں اسلامی شرعی نظام کے نفاذ کے پریشر کو مکمل طور پر طالبان کے ساتھ منسلک کیا جا رہا ہے لیکن ملکی حالات پر نظر رکھنے والے پالیسی سازوں کو اس بات پر زور بھی غور کرنا چاہیے کہ ملک

کی معروف دینی و دنیاوی تعلیمی درسگاہوں سے فارغ التعلیم اور زیر تعلیم نوجوانوں کی ایک بڑی کھیپ بھی ملک میں جمہوری حکومت کی بجائے اسلامی شرعی حکومت کی خواہش مند ہے لیکن میرا ماننا ہے کہ اس نظام کو طالبان کے ساتھ منسلک کیے جانے سے وقتی طور پر یہ نوجوان تذبذب کا شکار ہیں لیکن کبھی تو ان لوگوں نے بھی آواز اٹھانی ہے،آپ اتفاق کریں ی نہ کریں لیکن مجھے لگتا ہے کہ جب یہ پڑھے لکھے لوگ موثر طریقے سے شرعی نظام کیلئے آواز اٹھائیں گے تب حکومت اور مفاد پرست سیاستدان ان کی آوازوں کو نظر انداز نہیں سکیں گے۔ اس لیے حکمرانوں کو آج جو فیصلہ کرنا ہے کرلیں کیونکہ جس آئین کو آج انتہائی مقدس کہا جارہا ہے یہ صحیفہ نہیں بلکہ سیاستدانوں نے بنایا ہے اس میں اب بھی ایسی ضروری تبدیلیاں کی جاسکتی ہیں جو اسلامی نظام کے مطابق ہوں کیونکہ اسلام صرف عبادت کا نام نہیں یہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ مولانا عبدالعزیز درست کہتے ہیں کہ پاکستان کا آئین قرآن و سنت سے مزین نہیں بلکہ اس آئین میں کہیں کہیں اسلامی قوانین کے پیوند لگائے گئے ہیں اور ان پیوندوں پر بھی عمل نہیں کیا
جاتا۔ حکمرانوں کو چاہیے کہ اگر آئین کی بالادستی کے دعوے کرتے ہیں تو یہودیوں، عیسائیوں کی غلامی سے باہر نکلتے ہوئے آئین کو اپنے سیاسی و ذاتی مقاصد کیلئے استعمال نہ کریں بلکہ اسلام کی سربلندی، امت مسلمہ وریاستی عوام کی بہتری کیلئے استعمال کریں ورنہ باشعور عوام کا انقلاب ان کے سہانے خواب چکنا چور کرنے میں دیر نہیں لگائے گا۔

غیر ملکی دوست کے شکوے اور قومی سلامتی پالیسی پر ایک نظر

میرا ایک غیر ملکی مسلمان صحافی دوست ہے جس سے اکثر مختلف موضوعات پر بات چیت ہوتی رہتی ہے۔ وہ جس ادارے کیلئے خدمات دے رہا ہے اس ادارے نے اکی ذمہ داری پاکستان کے حوالے سے رپورٹنگ کرنے پر لگا رکھی ہے۔ وہ مجھے اکثر کہتا ہے کہ پاکستان کے نظام کی سمجھ نہیں آتی کہ یہاں اصل اختیار کس کے پاس ہوتا ہے ؟ نظام کیسے چل رہا ہے؟ میں اسے یقین دلانے کی کوشش ضرور کرتا ہوں کہ یہاں نظام بہتر ہو رہا ہے لیکن وہ نہیں مانتا۔اس نے مجھے بارہا کہا کہ پاکستان کی کوئی قومی سلامتی پالیسی ہی نہیں ہے تو اس کا نظام کیسا ؟ سیاسی پختگی ہی نہیں تو بہتری کیسی ؟ میں اس پر چپ کر جاتا کیونکہ مجھے پاکستان کی آفیشل ویب سائٹ اور گوگل پر تلاش کے باوجود قومی سلامتی پالیسی نام کی کوئی چیز نہ ملتی تھی۔ آج قومی سلامتی پالیسی کی منظوری کو ایک ہفتے سے زائد دن ہو چکے، اس پر اہم مندرجات جو سامنے آئے ان کو کافی تفصیل سے پڑھنے کے بعد اس پر لکھنے کا موڈ بنا۔ لیکن اس سے پہلے آپ کے ساتھ کچھ روز قبل کا ایک واقعہ شیئر کرنا ہے۔ چند روز قبل اپنی دادی جان کی میڈیکل رپورٹس کو چیک کرانے کی غرض سے راولپنڈی میں واقع سی ایم ایچ میں اپنے ایک کزن کے ساتھ جانا ہوا۔ مین گیٹ پر ایک سپاہی نے روک دیا

قومی شناختی کارڈ طلب کی گیا تو وہ پیش کر دیا۔ پوچھا گیا کہ ہسپتال کیوں جا رہے ہو ؟ بتایا، کہ یہ کام ہے ؟ کہا گیا رپورٹس دکھاؤ، وہ نکال کے دکھا دیں۔ اتنی دیر میں وہاں ایک درجن سے زائد دیگر گاڑیوں پر سوار لوگ بنا قومی شناخت کارڈ دکھائے اور ان سوالات کے جوابات دیئے جا چکے تھے۔ میں نے جاتے جاتے سپاہی سے یہ پوچھنے کی گستاخی کر لی کہ آپ ہم سب لوگوں کی ایک جیسی چیکنگ اور پوچھ کچھ کیوں نہیں کر رہے ؟ سپاہی نے بازو سے پکڑ کر جواب دیا' ہم کسی کے پابند نہیں، سوال جواب نہ کرو'۔ میں نے عرض کیا کہ ایک شہری کو سوال کرنے کا حق بھی تو ہونا چاہیے۔ جواب ملا۔ کون سا شہری ؟ اس عوام اور ان شہریوں نے ہی تو ملک کا برا حال کیا ہے۔ ہم جو چاہے کریں اتھارٹی کے بناء کسی کو ہم سے کچھ بھی پوچھنے کی اجازت نہیں، شناختی کارڈ ہاتھ میں تھما، کر تلخ انداز میں کہا گیا، جاؤ اپنا کام کرو یہاں سوال جواب کی اجازت کسی کو نہیں۔ ہم نے اپنی راہ لی، رپورٹس چیک کرائیں اور واپس آ گئے لیکن ملک و سرحدوں کے محافظ کے اُن الفاظ کی ایک چبھن ہے جو اب بھی باقی ہے۔

اب اپنے موضوع پر آتے ہیں قومی سلامتی پالیسی کی منظوری کے کچھ دن بعد تحریک طالبان پاکستان نے ایک ماہ کیلئے جنگ بندی کرنے کا اعلان کر دیا جبکہ حکومت نے بھی عسکریت پسندوں کے خلاف آپریشن کو روک لیا۔ طالبان کے اہم اعلان سے پہلے پاکستان کی وفاقی کابینہ نے اجلاس میں نئی قومی سلامتی پالیسی کی

منظوری دی تھی۔ یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ قومی سلامتی پالیسی تشکیل دینے کی ذمہ داری وزارت دفاع کی ہوتی ہے اور کابینہ کی دفاعی کمیٹی وہ آئینی ادارہ ہے جو اس کے امور اور حتمی خدوخال وضع کرتا ہے۔ کیبنٹ کمیٹی آف ڈیفنس، وزیراعظم، وزیر دفاع، وزیر داخلہ، وزیر خارجہ، چیئرمین جائنٹ چیفس آف سٹاف کمیٹی اور تینوں مسلح افواج کے سربراہوں پر مشتمل ہوتی ہے۔اس کمیٹی کے اجلاس میں بوقت ضرورت صوبائی وزرائے اعلیٰ بھی شرکت کرتے ہیں۔ وزارت دفاع اور کیبنٹ کمیٹی کے اشتراک سے تشکیل دی جانے والی دفاعی پالیسی پر عمل درآمد کی ذمہ داری چیئرمین جائنٹ چیفس آف سٹاف کمیٹی کو سونپی جاتی ہے۔پاکستانی آئین کے تحت قومی سلامتی پالیسی کے نفاذ کی ذمہ داریاں تینوں مسلح افواج ادا کرتی ہیں۔

منظور شدہ قومی سلامتی پالیسی کے پہلے پیراگراف کا مفہوم یہ ہے۔ یہ پہلی قومی پالیسی ہے جو پاکستان کے قومی مفادات کے تحفظ کے لیے تشکیل دی گئی ہے، اس کی بنیاد شراکت، مشاورت اور اتحاد پر رکھی گئی ہے، اس پالیسی کے بنیادی اصول یہ ہیں۔ تمام سٹیک ہولڈرز سے مذاکرات کئے جائیں، دہشت گردوں کا سپورٹ سسٹم ختم کردیا جائے، ریاستی سکیورٹی اداروں کی اہلیت اور استعداد میں اضافہ کیا جائے تاکہ وہ داخلی سکیورٹی کو یقینی بنا سکیں۔ جمہوری قیادت کی رہنمائی میں سکیورٹی کے اداروں کو مربوط اور منظم کیا جائے گا۔ پالیسی

ڈرافٹ میں شامل وژن کے مطابق پاکستان میں ایسا محفوظ ماحول فراہم کرنا ہے جس میں جان و مال، شہری آزادیوں اور شہریوں کے سماجی و معاشی حقوق محفوظ بنائے جاسکیں اور وہ مفاہمت، آزادی، عزت اور وقار کے ساتھ زندگی گزار سکیں جیسا کہ پاکستان کے آئین کا تقاضہ ہے۔ قومی سلامتی پالیسی کے مقاصد میں یہ نقات شامل ہیں ۔ریاست کی رٹ نافذ کرنا اور عوام کی اندرونی خطرے سے حفاظت کرنا۔ عوام کی جان و مال اور ان کے بنیادی حقوق کا دفاع کرنا۔ شراکت، جمہوریت، آزادی اور برداشت کے کلچر کو فروغ دینا۔ اندرونی سکیورٹی کو شفاف انداز اور احتساب کے ذریعے محفوظ بنانا۔ پالیسی میں انفراسٹرکچر کی تعمیر اور متاثرہ افراد کی بحالی پر زور دیا گیا ہے۔ قومی سلامتی پالیسی کے مطابق پاکستان کے مدرسوں کو ہر لحاظ سے معیاری بنایا جائے گا۔ نئی قومی سلامتی پالیسی پر سیاسی اور دفاعی تجزیہ نگاروں، انسانی حقوق کی تنظیموں اور بعض سیاسی جماعتوں کی طرف سے تنقید کی گئی ۔اگر قومی سلامتی پالیسی کے خفیہ حصوں کو بھی ذہن میں رکھا جائے تو موجودہ حکومت کی کوشش قابل ستائش معلوم ہوتی ہے لیکن سینئر صحافی و تجزیہ نگار رؤف کلاسرا کے مطابق یہ پالیسی یورپی ممالک کی پالیسیوں کا صرف کاپی اور پیسٹ معلوم ہوتی ہے جس میں صرف چند تبدیلیاں کی جانے سوا زمینی حقائق کو مد نظر نہیں رکھا گیا۔

میرے نزدیک قومی سلامتی پالیسی تیار کرنے والوں کو یہ زمینی حقائق بھی پیش

نظر رکھنا چاہیے تھے کہ اگر امریکہ اور نیٹو نے افغانستان پر حملہ اور قبضہ نہ کیا ہوتا تو مغربی سرحدوں اور قبائلی علاقوں میں جاری گوریلا کارروائیاں جاری رکھنے والی شدت پسند تنظیموں کا بھی کہیں وجود نہ ہوتا۔ یہ تنظیمیں تو واضح طور پر بیرونی مداخلت اور ماضی کی حکومتوں کے بین الاقوامی دہشت گردی کے خلاف جنگ میں زائد از ضرورت شرکت کا شاخسانہ ہیں۔ آج جس صورت حال کو داخلی اور اندرونی خطرہ قرار دیا جارہا ہے وہ بھی فی الواقع امریکہ اور اس کی اتحادی افواج کی جارحیت ہی کا ایک نتیجہ ہے۔ اندریں حالات فوجی ڈاکٹرائن جو جنوری 2013 کے اوائل میں پیش کی گئی تھی، اس پر بھی واضح نظرثانی کی ضرورت تھی لیکن اسے اس اہم تناظر میں نہ دیکھا گیا۔ یہ امر بھی پیش نظر رہنا چاہئے تھا کہ کسی ملک کو اپنی قومی سلامتی کے تحفظ کے قابل بنانے کے لیے لازم ہے کہ اس کا ہر ادارہ آئینی حدود میں رہ کر کام کرے۔ یہ حقیقت کسی سے ڈھکی چھپی نہیں کہ ڈرون حملوں کے ذریعے امریکہ نے کم از کم سینکڑوں بار پاکستان کی قومی سلامتی اور داخلی خودمختاری کو روندا ہے اس حوالے سے بھی پالیسی وضع کی جانا ضروری تھی۔ عوام کی اکثریت اس بات پر متفق ہے کہ بیرونی قوتیں پاکستان میں عدم استحکام پیدا کر رہی ہیں۔ پانچ سالہ قومی سلامتی پالیسی کی دستاویز تیار کرنے والوں کو واشگاف الفاظ میں بتانا چاہیے تھا کہ امریکہ سمیت کسی بھی دیگر ملک کو پاکستان اپنی زمینی، بحری، فضائی حدود اور حاکمیت اعلیٰ کو روندنے اور پامال کرنے کی اجازت نہیں دے گا۔ اس

اقدام سے یہ ضرور ہوتا کہ سلالہ جیسے واقعات پر قومی پالیسی کے ذریعے روکا جا سکتا ہے۔ حقائق کی روشنی میں اگر جائزہ لیا جائے تو یہ قومی سلامتی پالیسی یک رخی یعنی صرف سیاسی معلوم ہوتی ہے اس میں دفاعی نقطہ نظر کو وہ اہمیت نہ دی گئ جس کی اس وقت ضرورت تھی۔اس وقت پاکستان کے اندرونی خطرات میں قبائلی علاقوں کے عسکریت پسندوں کے ساتھ ساتھ بلوچستان میں شورش اور کراچی میں ٹارگٹ کلنگ کے ذمہ دار عناصر کا بھی احاطہ کیا جانا اہم تھا جبکہ مسئلہ کشمیر جو اس وقت دنیا کا سب سے بڑا انسانی مسئلہ ہے کے حل کیلئے ایک جامع طریقہ کار وضع کیا جاتا۔ حیرانی ہوتی ہے کہ قومی سلامتی پالیسی پر کام کرنے والوں نے اس مسئلے کو کیسے نظر انداز کر دیا کیونکہ یہ مسئلہ ایسا ہے کہ اس سے ڈھائی کروڑ لوگ براہ راست متاثر ہو رہے ہیں جبکہ اس کے حل نہ ہونے کی وجہ سے پاکستان کی مشکلات میں بھی دن بدن مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ اس قومی پالیسی کی منظوری کے بعد اب میرے اس غیر ملکی صحافی دوست کو بھی کسی حد تک یقین ہو جائے گا کہ پاکستان اب تو بہتری کی طرف جا رہا ہے۔ دوسرا جو راولپنڈی سی ایم ایچ والا واقعہ تھا اس پر میں نے اپنے معروضی حالات کو مد نظر رکھتے اور کافی غور و غوھکرتے ہوئے' اپنے آپکو سمجھا ہی دیا ہے 'کہ آئندہ ایسی جگہوں پر جانا ہی نہیں جہاں ایسی عزت افزائی ہو کیونکہ آج سے چار، پانچ سال پہلے راولا کوٹ سی ایم ایچ میں بھی فورسز کے ایک جوان سے

جائز مطالبے پر مجھے دھر لیا گیا تھا کوئی ڈیڑھ گھنٹہ تک بٹھائے رکھا گیا تھا۔اس لیے اب میں نے سدھر جانے اور خاموشی اختیار کرنیکا فیصلہ کیا ہے اگر مجبوری میں ایسی سخت سکیورٹی والی جگہوں پر مجبوری میں جانا ہی پڑ جائے تو فورسز اہلکاروں سے کوئی سوال جواب نہیں۔وہ جو کہہ جائیں اسی پر عمل ، سوال و جواب اور بغاوت کی بجائے واپسی یا مکمل خاموشیکاراستہ اختیار کرنا ہی فلوقت بہتر رہے گا۔عوام تو ویسے بھی سننے کیلئے ہیں اور ملک کے ایسے مجرم بھی شاید عوام ہی۔

میڈیا ورکرز کے مسائل، احتجاج اور پی ایف یو جے کی جدوجہد

پاکستان میں گذشتہ ایک دہائی میں صحافتی اداروں نے خوب ترقی کی ہے لیکن اس سب کے باوجود کارکن صحافیوں کے حالات میں کوئی خاص تبدیلی نہیں آئی ۔ یہاں صحافی آج بھی عدم تحفظ و معاشی مسائل کا شکار ہیں اور دن بدن مشکلات مسلسل بڑھتی ہی جا رہی ہیں۔ الیکٹرونک وپرنٹ میڈیا کا رائے عامہ ہموار کرانے میں اہم کردار ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے سیاسی جماعتیں نے گزشتہ سال عام انتخابات پر اربوں روپے کے اشتہارات ریڈیو، ٹی وی اور اخبارات کو دیئے ۔اربوں روپے کی اس آمدن کے باوجود پاکستان میں میڈیا کارکنوں کے مسائل اور مشکلات میں کوئی کمی نہیں آئی بلکہ ان میں مسلسل اضافہ ہی ہوا ہے۔طاقت ور سیاسی اور غیر سیاسی گروہوں کے علاوہ مذہبی جماعتیں اور ریاستی ادارے بھی میڈیا کو موم کی ناک کی طرح اپنی مرضی کے مطابق موڑنا چاہتے ہیں، اگر کہیں ایسا نہ ہو پائے تو صحافیوں کو ڈرایا دھمکایا جاتا ہے ۔ گذشتہ کئی سالوں سے صحافیوں کو جان سے مارنے کا سلسلہ بھی جاری ہے، یہی وجہ ہے کہ صحافیوں کی عالمی تنظیم '' کمیٹی ٹو پروٹیکٹ جرنلسٹ ''کے مطابق 1992 سے اب تک 1000 سے زائد صحافی مارے گئے ۔پاکستان صحافیوں کے لئے دنیا بھر کے خطرناک ممالک میں اوپر کی پوزیشن پر ہے۔دوسری طرف اس وقت پاکستان وکشمیر میں

ہزاروں چھوٹے.بڑے میڈیا گروپس کام کر رہے ہیں لیکن خاموش ظلم سہتے کارکنوں کی بدبختی کہ انہیں وقت پر تنخواہوں کی ادائیگی نہیں کی جارہی جبکہ اکثریتی میڈیا گروپس دور کے اضلاع میں کام کرنے والے کارکنان سے بیگار لینے میں مصروف دکھائی دیتے ہیں۔

انہی بے شمار مسائل کو مد نظر رکھتے ہوئے گزشتہ جمعرات 20 مارچ کو پی ایف یو جے اور ایپنک کی کال پر وفاقی دارالحکومت میں پارلیمنٹ ہاؤس اسلام آباد اور ملک کی چاروں صوبائی اسمبلیوں کے سامنے یوم مطالبات کے حوالے سے احتجاجی ریلیاں اور دھرنے دیئے گئے۔ پی ایف یو جے کے صدر افضل بٹ اور سیکرٹری خورشید عباسی کی کال پر وفاقی دارالحکومت میں پی ایف یو جے ،آر آئی یو جے ،اپنک ، نیشنل پریس کلب اسلام آباد اور مختلف صحافتی تنظیموں کی طرف سے احتجاجی ریلی کا آغاز نیشنل پریس کلب سے افضل بٹ کی قیادت میں کیا گیا جو کہ پارلیمنٹ ہاؤس کے سامنے پہنچ کر احتجاجی دھرنے میں تبدیل ہوا۔ دھرنے میں جہاں راولپنڈی اسلام آباد میں کام کرنے والے سینکڑوں میڈیا ورکرز نے شمولیت کی وہاں دوسرے شہروں سے بھی صحافیوں نے ٹولیوں کی شکل میں پارلیمنٹ ہاؤس کے سامنے دھرنے میں شرکت کی ،آزاد کشمیر کے شہروں مظفرآباد، میرپور، کوٹلی سے صحافیوں کی کثیر تعداد نے اپنی ضلعی قیادت کے ساتھ بھرپور انداز میں شرکت کی۔ سول سوسائٹی و سیاسی جماعتوں کے کارکنان بشمول خواتین اور متحرک

کشمیری نوجوانوں نے دھرنے میں بھرپور شمولیت کرتے ہوئے میڈیا ورکرز کے ساتھ اظہار یکجہتی کیا۔ دھرنا کے شرکاء نے اپنے ہاتھوں میں بینرز اور کتبے اٹھا رکھے تھے جن پر کنٹریکٹ سسٹم کا خاتمہ آٹھویں ویج بورڈ کی تشکیل، آئی ٹی این ای کے چیئرمین کا فوری تقرر ساتویں ویج ایوارڈ کے بقایا جات کی ادائیگی، صحافیوں اور میڈیا سے وابستہ کارکنوں کے لئے انشورنس پالیسی اور دیگر مطالبات کے حق میں نعرے درج تھے۔احتجاجی دھرنا چھ گھنٹے جاری رہا جس کے بعد وفاقی وزیر اطلاعات پرویز رشید کی طرف سے خوش خبری سنائی گئی کہ وزیر اعظم میاں نواز شریف نے صحافیوں کے تمام مطالبات کو منظور کر لیا ہے صحافیوں کی انشورنس پالیسی کیلئے پی آئی ڈی میں سیل کا قیام عمل میں لایا جا چکا جو اس حوالے سے کام کو بہت پایہ تکمیل تک پہنچا رہا ہے۔ شہید اور زخمی ہونے والے صحافیوں کی مالی امداد کے حوالے سے پالیسی پر بھی کام مکمل کر لیا گیا ہے اور صوبائی حکومتوں کو بھی خط لکھ دیئے گیے ہیں، شہید ہونے والے صحافی کے ورثاء کو دس لاکھ روپے جبکہ زخمی ہونے والے کو تین لاکھ روپے معاوضہ دیا جائے گا تاہم صوبائی حکومتیں اس امداد میں اضافہ کر سکتی ہیں اسی حوالے سے صحافیوں کے لئے سپیشل فنڈ کا اعلان بھی کر دیا گیا ہے۔ میڈیا ہاؤسز کے مالکان سے وزیر اطلاعات اور وزیر داخلہ کی ملاقات ہو چکی ہے جس میں میڈیا ورکرز کے تحفظات اور جائز مطالبات کے حوالے سے مفصل گفتگو بھی کی گئی ہے۔ میڈیا ہاؤسز اور پریس کلبز کی سیکورٹی کے لئے پلان مرتب کیا جا رہا ہے جس

کو آئندہ چند روز میں حتمی شکل دے دی جائے گی جس کے بعد پریس کلبوں کو مکمل سکیورٹی دی جائے گی۔ادھر وزیراعظم پاکستان نے یہ تحریری طور پر یہ ہدایت بھی جاری کی ہے کہ قتل ہونے والے صحافیوں اوراُن پر تشدد کے مقدمات خصوصی عدالتوں میں چلائے جائیں جبکہ صحافیوں کے مقدمات کا جلد از جلد فیصلہ کرانے کیلئے خصوصی پراسیکوٹرز کو بھی تعینات کیا جائے گا، ولی خان بابر کی طرح شہید ہونے والے صحافیوں کے مقدمات خصوصی کورٹس میں چلائے جائیں گے جس کے لئے وزارت قانون و انصاف کے ساتھ مشاورت جاری ہے۔آٹھویں ویج بورڈ ایوارڈ کے لئے آئی ٹی این ای کے چیئرمین کے ناموں کی سمری وزیراعظم کو بھجوا دی گئی ہے جبکہ آئی ٹی این ای کے چیئرمین کی تقرری جلد کر دی جائے گی۔میڈیا جسے معاشرے کی آنکھ ،کان اور زبان تو قرار دیا جاتا ہے لیکن میڈیا ورکرز کو ہی بنیادی حقوق سے محروم رکھا جاتا ہے اس سے بڑا ظلم کیا ہوگا کہ دوسروں کیلئے آواز اٹھانے والوں کو اپنے اداروں میں ہی مفلوج رکھا جاتا ہے۔پی ایف یو جے جہاں میڈیا ورکرز کو دیگر حقوق دلانے کے حوالے سے جدوجہد کر رہی ہے وہاں اس اہم یونین کو یہ بھی چاہیے کہ اس شعبہ میں میرٹ کی بنیاد پر کارکنان کو لانے میں کردار ادا کرے اور جو ورکرز پہلے سے کام کر رہے ہیں ان کے مسائل حل کرنے میں اپنی توانایاں صرف کرے۔پی ایف یو جے کے موجودہ صدر افضل بٹ اور انکی پوری ٹیم جس طرح صحافیوں کو حقوق دلانے ،میڈیا کی آزادی ورکرز کے تحفظ سمیت دیگر اہم مسائل حل کرنے میں جتی ہوئی ہے اس سے،

پاکستانی و کشمیری صحافیوں کو بہتری کی ایک امید ہو چلی ہے۔پاکستان میں کام کرنے والے حقیقی میڈیا ورکرز کی اب سوچ یہ بن رہی ہے کہ جب تک ان کے اپنے بنیادی مسائل حل نہیں ہوتے اس وقت تک سامراج کے خلاف جدوجہد جاری رکھیں گے ۔سرمایہ داروں کو خیال کرنا ہوگا کہ وہ انہی کارکنوں کے سروں پر اپنا بہروپیا پن چھپائے بیٹھے ہیں جب یہی کارکن ان کے خلاف ہو گئے تو ان کے پاس کچھ باقی نہیں رہے گا۔ ویسے بھی اب عوام میں دن بدن شعور بڑھتا جارہا ہے اور شعور کا بڑھنا ہی اصل میں ان مفاد پرست سرمایہ داروں کیلئے خطرناک ثابت ہونے والا ہے۔

پولیس، ایجنٹ اور کٹھ پتلیاں

ان دنوں اسلام آباد پولیس کچھ زیادہ ہی متحرک نظر آ رہی ہے۔دار لحکومت میں ایک طرف دہشت گردی، قتل عام، ڈاکہ زنی جیسے واقعات بڑھ چکے ہیں دوسری طرف اپوزیشن جماعتوں کی طرف سے 11 مئی کو دی جانے والے بھرپور عوامی احتجاج کی کال ہے جس نے پولیس کی نیندیں حرام کر دی ہیں اسی لیے حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے پنجاب پولیس سے کمانڈوز کو اسلام آباد لایا گیا ہے۔ 11 مئی کے متوقع عوامی احتجاج کو مد نظر رکھتے ہوئے پنجاب کے علاوہ آزاد کشمیر سے بھی پولیس کی نفری کو لایا گیا ہے۔ان دنوں پولیس کے جوان رات گئے تمام سیکٹرز میں گشت کرتے ہیں۔ تین، تین جوانوں پر مشتمل ٹیمیں سادہ لباس میں گشت کرتے ہیں اور ضرورت پڑنے پر گاڑیوں کو روک کر تفصیلی چیکنگ کرتے ہیں۔ اسلام آباد کے سینئر مجسٹریٹس کی ہدایت پر تمام افراد کی نقل و حرکت پر نظر رکھتے ہوئے مشکوک افراد کو حوالات میں لایا جا رہا ہے۔پوش سیکٹرز میں تو پولیس کی زیادہ نہیں چلتی لیکن عام ریڑھی بانوں، سائیکل پر کھانے پینے کی اشیاء بیچنے والوں سمیت موٹر سائیکل سواروں کی شامت آئی ہوئی ہے۔ تھانے کے ایک ذمہ دار پولیس اہلکار کے مطابق وہ اب ان حالات سے تنگ آ چکے ہیں، نیند پوری نہیں ہو رہی، دن رات کام کرنے کے باوجود حکام بالا کو

صبح شام جی سر، جی سر کہہ کر ہمارے دماغوں پر برا اثر پڑ رہا ہے، حکام غلط، صحیح جو بھی کہہ رہے ہوں وہ انہیں بہر حال ماننا پڑتا ہے کیونکہ یہی انکی ڈیوٹی ہے۔ہم غریب وکمزور کو انصاف دلانے میں مکمل ناکام جبکہ اوپر سے ایک کال آنے پر نامی گرامی مجرموں کو چھوڑنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ذمہ دار پولیس اہلکار کے مطابق اسے اب ایسا لگتا ہے کہ وہ محکمہ پولیس کا نہیں، محکمے کے ان درجنوں اعلیٰ حکام کا ایک ہی وقت میں ذاتی ملازم ہو، اس لیے اب ایسا لگتا ہے کہ وہ کسی وقت حالات سے تنگ آ کر خود کو ہی گولی مار دے گا۔

تین سال قبل 27 جنوری 2011 کو دو پاکستانی شہریوں کو دن دیہاڑے قتل کرنے کے باوجود سزا سے بچ جانے والے امریکی شہری ریمنڈ ڈیوس کی یاد کراچی ایئرپورٹ سے اسلحے سمیت گرفتار ہونیوالے ایف بی آئی ایجنٹ کی ضمانت پر رہا ہونے سے تازہ ہوئی، پولیس حکام نے جوئیل کاکس/یوگیون کے ریلیز آرڈر تھانے میں پہنچنے سے قبل ہی اسے رہا کر دیا اور امریکی شہری کو تھانہ آرٹلری کے عقبی دروازے سے گاڑی میں بٹھا کر روانہ کر دیا اس پر قومی میڈیا نے ایک ہنگامہ سا کھڑا کر دیا ہے کیونکہ امریکی سفارت خانے کے کہنے پر ایف بی آئی ایجنٹ کو تھانہ ایئرپورٹ کے بجائے آرٹلری میدان پولیس اسٹیشن میں رکھا گیا تھا جبکہ امریکی ایجنٹ جوئیل کاکس/یوگیون کی رہائی کے لیے چیف سیکرٹری اور ہوم سیکر

ٹری خود تھانے گئے اور پولیس حکام کو کیس ختم کرنے کے لیے فوری اقدامات کرنے کی ہدایت کی جس پر پولیس نے سیشن کورٹ ملیر میں ریکارڈ پیش کیا کہ جوئیل کاکس کسی بھی مقدمے میں پولیس کو مطلوب نہیں ہے۔ جوئیل کاکس کا معاملہ وقتی طور پر رفع دفع ہو چکا۔ میڈیا نے ایسے ایشوز پر جو شور کرنا ہے وہ تو چلتا رہے گا لیکن حکومت اور انتظامیہ نے صرف غیر ملکی آقاؤں کی سننی ہے کہ ان کی جمہوریت کا کنٹرول تو در حقیقت وہیں سے ہوتا ہے۔ پاکستان میں کھرا سچ کہنے اور اپنی ذمہ داریوں کا احساس دلانے والوں کو فوری طور پر غدار قرار دیا جاتا ہے۔ پاکستان میں امریکی سرگرمیوں میں اضافہ آج سے نہیں پچھلے کئی سالوں سے ہو رہا ہے۔ امریکہ اپنی مرضی سے مختلف سرگرمیاں کرنے میں مصروف ہے چند سالوں میں ایسے واقعات سامنے آئے ہیں جس میں امریکی اور دیگر مغربی ممالک کے سفارتی اور دیگر افراد پاکستان میں جاسوسی اور دہشت گردی سے متعلق کاروائیوں میں مصروف نظر آئے ہیں۔ بلیک واٹر نامی ادارے کی سرگرمیاں پاکستان میں پہلے دن سے مشکوک رہی ہیں اگرچہ امریکی سفارت خانے اور پاکستان نے سرکاری سطح پر بلیک واٹر کی پاکستان میں موجودگی کو تسلیم نہیں کیا لیکن امریکی سفارت خانے نے دو سال پہلے تسلیم کیا کہ انہوں نے 200 گھر اسلام آباد میں کرایے پر لے رکھے ہیں اور موجودہ سفارت خانہ میں بھی توسیع اس حد تک کر دی ہے امریکہ کے پاس کسی بھی دوسرے ملک میں سب سے بڑا سفارت خانہ اسلام آباد میں ہے۔ اسلام آباد ٹریفک پولیس نے 6 ستمبر 2009 کو تیز

رفتاری کی بنیاد پر ان افراد کا چالان بھی کیا تھا۔ ایک اور واقعہ میں چار امریکی افراد کو کالے شیشوں کی جیپ میں آٹومیٹک ہتھیاروں سمیت ایک ناکے پر روکا گیا تھا تو انہوں نے اپنا تعارف بلیک واٹر کے تعلق سے کروایا۔ ایسے درجنوں واقعات رپورٹ ہوتے رہے ہیں۔ اطلاعات یہ بھی ہیں کہ بلیک واٹر (زی) پاکستان کے چھ بڑے شہروں میں ڈیرہ ڈالے ہوئے ہے۔ نیویارک ٹائمز کے مطابق بلیک واٹر (زی) کے اہلکار امریکی سی آئی اے کے اہلکاروں کی جگہ پاکستان اور افغانستان میں موجودہ خفیہ اڈوں پر ڈرون طیاروں پر ہیل فائر میزائل اور پانچ سو پونڈ وزنی لیز گائیڈڈ میزائل لگانے کا کام کرتے رہے ہیں۔ غیر ملکی ایجنٹوں خاص کر امریکہ کے پاکستان میں کردار کے حوالے سے پاک فوج کے سابق جنرل نے انکشاف کیا تھا کہ امریکہ اسلام آباد میں جاسوسی کا ایک بڑا مرکز قائم کر رہا ہے۔ سابق جنرل نے دو سال پہلے خدشہ ظاہر کیا تھا کہ اسلام آباد تخریبی سرگرمیوں کا بڑا مرکز بن جائے گا۔ اس خدشے سے پہلے بھی مئی 2009ء کو پشاور کے ایک ہوٹل سے ایک مشکوک امریکی کو پکڑا گیا۔ یہ افغانستان کے چکر لگاتا تھا اور اس کے پاس صوبہ سرحد کے نقشے موجود تھے۔ امریکی قونصل خانے نے اس سے رابطہ کیا ہے اور اسے تعاون فراہم کیا جارہا ہے۔ اگلے دن اسے یہ کہہ کر رہا کر دیا گیا کہ اس پر کوئی الزام نہیں۔ 14 اکتوبر 2009 کو پاکستان کے ضلع چارسدہ میں ایک امریکی پکڑا گیا جس نے پاکستانی حلیہ بنایا ہوا تھا اور شلوار قمیص پہنی ہوئی تھی اس کے پاس کاغذات اور علاقے میں ہونے

کی کوئی وجہ موجود نہیں تھی۔27 اکتوبر 2009 کو اسلام آباد کے سیکٹر ایف ٹین میں چار امریکی افراد کو افغانی بہروپ میں پکڑا گیا انہوں نے افغانی حلیہ بنایا ہوا تھا۔ یہ اسلام آباد کی اہم عمارتوں کی تصاویر بنا رہے تھے۔ان سے ناجائز اسلحہ برآمد ہوا اور ان کی گاڑیوں کی نمبر پلیٹیں بھی جعلی تھیں۔ پولیس انہیں گرفتار کرنے کیا تھوڑی دیر بعد ہی امریکی سفارت خانے کے عہدیدار اور پولیس کے اعلی حکام انہیں لینے کے لیے تھانے پہنچ گئے اور وزارت داخلہ کے اعلی حکام کی مداخلت پر انہیں رہا کر دیا گیا۔اس سے پہلے انٹر نیشنل لینیلیسٹ نیٹ ورک کی رپورٹ، جو ایشین ایج نے چھاپی تھی، کے مطابق اس بات کے ٹھوس اور واضح ثبوت ہیں کہ امریکہ پاکستان کے ایٹمی پروگرام کی نگرانی کر رہا ہے اور امریکی سفارت کار اور حکام کہوٹہ میں جاسوسی کر رہے ہیں۔ ان غیر ملکی ایجنٹوں کی سرگرمیوں پر حکومت اور ہماری اسپیشل فورسز کیا کاروائی کر رہی ہیں یہ تو وہی بہتر جانتی ہیں ہمیں تو یہ محسوس ہو رہا ہے کہ پاکستان کے نظام کا مکمل کنٹرول ملک کے اندر سے نہیں باہر سے ہو رہا ہے کیونکہ جمہوریت کا راگ الاپنے والوں کو 12 فیصد عوام نے منتخب کیا ہے اب وہ اپنے کاربار کو وسیع کرنے اور اپنوں کو ایڈجسٹ کرنے میں مصروف ہیں ۔اسلام آباد پولیس کر ہی کیا سکتی ہے ،ایک فون ریکارڈ کی تفصیلات حاصل کرنے یا انٹرنیٹ اکاونٹ کی معلومات کیلیے یہ دیگر اداروں کی محتاج ہے اس لیے اس کے کم وسائل و مشکلات سے ہم آگاہ ہیں۔ یہ حال وفاقی دارالحکومت

کی اس ماڈل پولیس کا ہے تو صوبائی پولیس کے احوال کا اندازہ لگانا زیادہ مشکل نہیں۔
جعلی طریقے سے ملک پر حکومت کرنے والے ہمارے ان حکمرانوں نے غیر ملکی آقاؤں کی خوشامد کرنا ہے کیونکہ ملک کی معیشت کا کنٹرول بھی اُن ہی کے پاس ہے ہم صرف کٹھ پتلی ہیں اور کٹھ پتلیوں غیر جاندار ہونے کی وجہ سے اشاروں پر ہی کام کیا کرتی ہیں۔

پاکستان کے حالات

پاکستان کے حالات پر بار بار کیوں رویا جائے ؟جو اس وقت ہیں اس سے پہلے بھی ایسے ہی ملتے جلتے رہے ہیں ، معلوم نہیں کہ حقیقت میں کبھی اس ملک کے حالات سدھرے بھی تھے ؟موجودہ حالات کو دیکھتے ہوئے ایسا لگتا ہے کہ مستقبل میں بھی ایسے ہی وقت گزرے گا۔یہ نسلیں کوچ کر جائیں گی لیکن حالات پھر بھی نہیں سدھریں گے ۔ان دنوں جڑواں شہروں کے صحافی پی ایف یو جے ،آر آئی یو جو اور نیشنل پریس کلب کی چھتری تلے ' آزادی اظہار رائے 'کیلئے احتجاجی کیمپ لگائے ہوئے ہیں ،صدر پی ایف یو جے افضل بٹ کی کال پر چاروں صوبوں اور آزاد کشمیر میں صحافی احتجاج پر ہیں۔ماہ رمضان میں پریس کلب اسلام آباد کے باہر افطاری کا اہتمام سڑک پر کیا گیا ہے ۔حکومت میڈیا کی آزادی کے دعوے تو کرتی ہے لیکن حقیقتا ایسا نہیں ہے۔ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے ظفر اللہ جمالی، شوکت عزیز،گیلانی،پرویز اشرف وزیر اعظم بنے رخصت ہوئے ،نواز شریف دور کا ایک سال بھی کب کا مکمل ہوچکا،اس نے بھی ایک دن اختتام پذیر ہونا ہے۔پھر کوئی اور سرمایہ دار آئے گا یا سرمایہ دار کی ڈورسے باندھا کوئی نیا مہرہ۔اس ملک میں وزیر اعظم کے پاس کیا اختیارات ہیں ؟ بجٹ کا خرچ ،ملکی غیر ملکی دورے ، بھرتیاں ، منصوبے ،سیاسی بیان بازی اور کاروبا۔سچ پوچھیں تو پاکستان میں کچھ نہیں بدلا ،ہاں ایک

چیز کبھی تبدیل نہیں ہوئی اور نہ تبدیل ہوگی وہ یہ کہ کل بھی یہاں سرمایہ دار خاندانوں کا راج تھا، آج بھی ہے اور کل بھی قائم رہے گا۔ سرمایہ داروں نے یہودیوں ، ہندووں اور عیسائیوں کے کہنے پر کل بھی کفریہ نظام اپنائے رکھا، آج بھی قائم ہے، لگتا ایسا ہے کہ کل بھی ایسا ہی قائم رہے گا۔ سو پاکستان میں تبدیلی کے نام پر یہ ڈرامے بازی کیسی ؟؟ان دنوں وزیر ستان میں جنگ جاری ہے ،لاکھوں افراد نقل مکانی کر چکے۔ نہیں معلوم کہ یہ جنگ پاکستان کی اپنی جنگ ہے ، امریکہ کی ہے ، یو این کی ہے یا کسی اور کی ؟کیونکہ یہاں جنگیں بھی ہمیشہ متنازعہ رہی ہیں ۔ روزانہ خبریں آتی ہیں کہ اتنے دہشت گرد ہلاک کر دیئے گئے ۔اب معلوم نہیں کہ آپریشن والوں اور ان کو دہشت گرد کہنے والوں کے نزدیک دہشت گرد کی کیا تعریف ہے؟ کون حق پر ہے اور کون نہیں ۔ خود سے جواب دے کر فتوے لگ جائیں گے سو درست وقت آنے کا انتظار ہے۔ جاری آپریشن کے اختتام پر یہ کہا جائے گا کہ فوج بہادری سے لڑی، عوام کا مکمل تعاون حاصل رہا دشمن تہس نہس ہوا اور آپریشن کامیاب رہا۔ اس آپریشن سے پہلے بھی آپریشن کیے گئے لیکن دہشت گرد ختم نہیں ہوئے ،کیا اب ممکن ہے کہ تمام دہشت گرد مار دیئے جائیں گے ؟ اسکے بعد دہشت گردی کا کوئی واقعہ نہیں ہوگا؟ ایسا ہر گز نہیں ہوگا۔ متعصب ہنود ، یہود اور عیسائی خاموش نہیں بیٹھے ہیں نہ بیٹھیں گے وہ ہم میں سے ہی کچھ اور لوگوں کو خرید رہے ہیں اور خرید لیں گے ۔ان کی خریداری سے کون بچ سکا ہے یا اب بچ سکے گا ؟ پھر سے کاروائیاں کرا

دیں گے۔ سلیم صافی درست لکھتے ہیں کہ وزیرستان آپریشن میں سات لاکھ افراد جو بے گھر ہو رہے ہیں یہ سب ہمارے رویوں سے مستقبل کے خود کش بمبار بن رہے ہیں۔ ہم سے یہ لوگ نہیں سنبھالے جاتے تو دہشت گرد کیسے کنٹرول ہوں گے؟ پاکستان میں حالات خرابی کی طرف تھے اور مزید تیزی سے آگے بڑھ رہے ہیں۔ سب کے سامنے ہے کہ پاکستان میں بالا قوتوں جن میں ہر طبقہ کے چند لوگوں کا گٹھ جوڑ شامل ہیں ان کا روز روز کا عوام پر ظلم و ستم، بھاری ٹیکسز انصاف کی عدم فراہمی، قانون اور اخلاقیات سے ماورا تشدد، ہلاکتیں اور انسانیت کی تذلیل بھی ہوتی ہے، انہی کی وجہ سے مہنگائی اور بے روزگاری نے عوام کو پریشان کر رکھا ہے۔ شہروں میں جدھر دیکھو بھاگم بھاگ کا عالم ہے۔ جو خود کو سمجھدار گردانتے ہیں وہ ملک چھوڑ کر جا چکے یا جا رہے ہیں۔ ملک کی اس گرتی ہوئی دیوار کو سہارا کون دے گا؟؟ سیاستدان اثاثے بنانے، سرکاری ملازمین مراعات اور پنشن لینے،، عدلیہ اسٹیٹس انجوائے کرنے، میڈیا مال بنانے، اسٹیبلشمنٹ اپنی حکمرانی قائم رکھنے اور عوام ان سب کی عیاشی کیلئے ایندھن بننے آتے ہیں۔ موجودہ جعلی کفریہ جمہوری نظام سے بہتری کی کوئی امید نہیں، نہ ہی اس سے امید رکھی جانی چاہیے۔ کیوں؟ اس لیے کے یہاں کل تک پرویز مشرف اور امریکہ دوست تھے، پھر زرداری امریکہ دوست ہوئے اب نواز امریکہ دوست ہیں۔ کل عمران امریکہ دوست ہو جائیں گے۔ ملک میں عوام کی خدمت نہیں اپنا اپنا کاروبار ہو رہا ہے جبکہ میں اور آپ سیاسی نعروں، شخصیت پرستی اور فریب میں

مبتلاء ہیں۔ملک بھر کے صحافی جو پی ایف یو جے کی کال پر احتجاج کیے ہوئے ہیں ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ سیاستدان ، سرکار ، عدلیہ ، کنٹرول میڈیا ، اسٹیبلشمنٹ ، سرمایہ دار یہ سب آپس میں ایکا کیے ہوئے ہیں اور ایسے ہی کیے رکھیں گے۔رہے آپ اور ہم ، تو آیئے، ہم کسی ایسے نئے مہرے کا انتظار کرتے ہیں جو ہم سے وعدے اور دعوے کرے اور پھر چھپ جائے۔ہم نعرے لگاتے رہیں گے اور وہ اپنے ایئر کنڈیشنڈ روم میں آرام کی زندگی گزارتے رہیں گے۔

مسلمانوں پر جمہوری نظام کی قید کیوں؟

سوچتا ہوں، ہم سب مسلمان زوال کی طرف چلے ہی جا رہے ہیں، ناکامیوں کا ایک نہ رُکنے والا سفر ہے جو ختم ہوتا ہی نظر نہیں آ رہا۔امید کا جو دیا ہے اب کوئی کرشاتی تیل ہی اس کو دوبارہ انرجی مہیا کر سکتا ہے۔وقت ہے کہ گزرتا ہی جا رہا، ہم فرقوں، نظاموں، قبیلوں، علاقوں، سوچوں، زبانوں اور دیگر تعصبات میں.بری طرح الجھ کر رہ گئے ہیں۔عدم.برداشت کا یہ حال ہے کہ کوئی ایک گروہ کسی بھی دوسرے کو کھلے دل سے تسلیم تک کرنے کیلئے تیار نہیں،ایک دوسرے پر الزامات کا نہ تھمنے والا سلسلہ چلتا ہی جا رہا ہے۔

دنیا میں اس وقت طاقت ور طبقے کی جو بحث.بڑے پیمانے پر چل رہی ہے وہ دنیا میں رائج نظام حکمرانی کی ہے۔یورپ، امریکہ، افریقہ،ایشیا،آسٹریلیا تمام خطوں میں بسنے والی آبادیوں نے اپنے طرز زندگی، مذہب اور اقدار کو دیکھتے ہوئے اپنے لیے نظام بنا رکھے ہیں اور ان پر عمل پیرا ہیں۔امریکہ و یورپ نے جمہوری نظام کی بنیاد رکھی اسے دنیا میں پھیلا کر مضبوط کیا اور روس سے دنیا کی حکمرانی چھین لی گئی۔جاپان ،چین، کوریا، نیپال، مالدیپ

میں اپنی اپنی طرز کے الگ نظام قائم ہیں۔اس دنیا کے اکثریتی علاقوں پر طویل وقت تک مسلمان حکومت کرتے آئے تھے اس لیے اسلام مخالف قوتوں نے جمہوریت کے پودے کو پروان چڑھا کر تناور درخت بنا کر مسلمانوں پر حکمرانی قائم کرنی چاہی، اس کیلئے انہوں نے اپنا بنایا گیا نظام ٹھونسنے کیلئے مسلمان حکمرانوں کو مجبور کیا۔مسلمانوں کی جو قیادت جمہوریت اپنانے کیلئے دلائل سے نہ مانی اسے یا تو خرید لیا گیا یہ ان کو کمزور کرنے کیلئے حکومتوں اور عوام میں پھوٹ ڈال کر بغاوت کرادی گئی۔جمہوری علمبرداروں کی طرف سے دلائل دیئے جاتے کہ عوام مل کر اپنا نظام اور قوانین خود بنائیں۔یہ مسلمانوں کیلئے سوچنے کا مقام ہے کہ جس اللہ پاک نے دنیا میں انسانوں کو امتحان کیلئے بھیجا ہے وہ انسانوں کے فیصلے زیادہ بہتر طریقے سے کر سکتا ہے یا عوام یعنی جمہور آپس میں مل کر اپنے فیصلے خود کر سکتے ہیں۔

غیر مسلموں نے پہلے تو مسلمانوں میں یکجہتی پیدا کرنے والے نظام حکومت 'خلافت' کو کمزور کیا پھر اسے تقریبا ختم ہی کرا دیا گیا، جن اسلامی ممالک میں طویل عرصہ تک بادشاہت کا نظام قائم رہا ان میں ہنگامے کرائے گئے اور اپنے نظام حکومت یعنی جمہوریت کی بنیاد رکھنے کیلئے سازشیں شروع کی گئیں، یہاں ایک چیز جو غور طلب ہے وہ یہ کہ یورپ اور امریکہ نے جن اسلامی ممالک کو جمہوری نظام اپنانے پر مجبور کیا ان میں سے کوئی بھی اس وقت ایسا نہیں

جو دوسرے مسلمان ممالک کیلئے بہترین حکمرانی کی مثال بن سکا ہو۔تاریخ بتاتی ہے کہ مسلمانوں کی ریاستوں میں جمہوریت کے ان دعویدار یہودیوں، عیسائیوں اور ہندوؤں نے جب بھی دیکھا کہ یہ ممالک اسلامی نظام کو اپنانے کیلئے صف بندی کر رہے ہیں تو انہوں نے فوجی آمروں کے ذریعے ان ممالک کے نظام پر قبضہ کر دیا۔ غور طلب بات یہ بھی ہے کہ جمہوریت کے ان دعویداروں کی آنکھیں وہاں بند ہو جاتی ہیں جہاں ان کے اس نظام سے مسلمانوں کو سپورٹ ملنا ممکن ہو۔ فلسطین، چیچنیا، کشمیر، ہندوستان سنکیانگ یہاں مسلمان اکثریت میں ہیں اور اپنی آزادی اور اپنا نظام حکومت قائم رکھنے، کیلئے قابض ممالک سے آزادی کیلئے جدوجہد کر رہے ہیں، جمہوریت جو اکثریتی رائے کو ہمیشہ مقدم جانتی ہے اس کے ان دعویداروں کو یہاں مسلمانوں کی آواز سنائی نہیں دیتی۔آج کشمیر اور فلسطین میں مسلمانوں کی نسل کشی کی جارہی ہے، قابض فورسز ظلم کی انتہا کر رہی ہیں جبکہ ان ریاستوں کے مسلمان اپنی آزادی کے خواہش مند اور اسی مقصد کیلئے جدوجہد کر رہے ہیں لیکن ان کو یہ نام نہاد جمہوری نظام مدد فراہم کرنے سے قاصر ہے دوسری طرف اسلامی ممالک کے حکمرانوں کو معاشی غلام رکھنے کیلئے دنیا پر ان قابض قوتوں نے خود سونے چاندی کو محفوظ کرکے کاغذی کرنسی کا ایک ایسا نظام قائم کر رکھا ہے کہ ان کی مرضی کے بنا کوئی دوسرا ملک معاشی مضبوطی کیلئے سر تک نہیں اٹھا سکتا۔

آسان الفاظ میں کہا جا سکتا ہے کہ اسلامی ممالک اس وقت دوسری قوتوں کے نظاموں کی قید میں ہیں اس کی وجہ مسلمانوں کی نا اہلی، یکجہتی کا نہ ہونا، اپنوں کی غداری اور مستقبل کیلئے بہتر منصوبہ بندی نہ ہونا ہے۔آپ کے سامنے ہے کہ اس وقت پوری دنیا میں مسلمان مصائب و مشکلات کا سامنا کر رہے ہیں۔ کشمیر، عراق، شام، مصر، پاکستان، افغانستان، صومالیہ، چیچنیا، سنکیانگ، بنگال، افریقہ، الجیریا، ہندوستان غیر مسلمان جہاں جہاں بھی ہیں نت نئی آزمائشوں سے گزر رہے ہیں۔ہمارے ایمان کا حصہ ہے کہ مشکلات اور آزمائشیں تو مومنین کو بہر حال اٹھانا اس لیے پڑتی ہیں کہ ہمارے نزدیک دنیا ایک آزمائش و امتحان کی جگہ ہے یہاں اللہ پاک نے ہمیں صرف آرام و سکون کیلئے نہیں اپنی عبادت کرنے، اسلام کے غلبے اور انسانیت کی خدمت کیلئے بھیجا ہے۔

ہمارے آخری نبی حضرت محمد ﷺ کی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے دنیا میں آکر آرام و سکون کے بجائے دین اسلام، انسانیت کی خدمت اور اللہ پاک کی عبادت میں اپنی زندگی صرف کی۔ایک طرف ہم مسلمان حضرت محمد ﷺ کی زندگی کو اپنے لیے مشعل راہ اور انکی شخصیت کو پسندیدہ ترین قرار دیتے ہیں تو دوسری طرف ان کی پیروی کرنے سے کتراتے ہیں۔ہمارے آخری بنی نے اللہ کی خوشنودی اور اسلام کے غلبے کیلئے اپنی پوری زندگی وقف کر رکھی تھی۔دین کی تبلیغ کی، دشمنوں کی مخالفت سہی، ہجرت کی، کفار سے جنگیں لڑیں

مذاکرات کیے اور انسانوں پر مثالی حکومت کرکے انہیں مشعل راہ دکھائی، انہوں نے، مختصر زندگی کی جدوجہد میں مخلص ساتھیوں کے ساتھ دنیا میں بسنے والے انسانوں کا طرز زندگی ہی بدل دیا۔ حضرت محمد ﷺ کی وفات کے بعد آپ کے ساتھیوں نے نظام حکومت سنبھالا اور اسلام کو مزید مضبوط کرنے میں مصروف رہے۔ خلفاء راشدین انکے دیئے ہوئے نظام کو قران کی روشنی میں ساتھ لیکر چلے، مسلمانوں پر تب بھی آزمائشیں آئیں، صحابہ کرام شہید ہوتے رہے لیکن حق و سچ کی آواز کو دبنے نہ دیا گیا ۔نبی پاک کی رحلت کے بعد وقت گزرتا گیا، مہینوں، سالوں اور صدیوں کے بعد مسلمانوں نے اپنا بنیادی مقصد بھلانا شروع کر دیا۔اسلامی تعلیمات خصوصا قرآن و سنت سے دوری کی وجہ سے مسلمانوں کا ایمان کمزور ہوتا گیا اس کے ساتھ مسلمان بھی کمزور ہوتے گئے اور آج کی صورتحال آپ کے اور میرے سامنے ہے۔ گزشتہ 14 سو سالوں کے دوران مسلمانوں نے جب تک یکجہتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسلامی تعلیمات کی پیروی کی مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی اور جونہی اسلام کے بجائے دوسرے نظاموں کو اپنایا تو مسلمان ذلیل و رسوا ہوئے ۔آج سب کے سامنے ہے مسلمانوں نے اسلامی تعلیمات اور حقیقی اسلامی نظام کو اپنانے سے معذرت کی تو دنیا ہمیں قبول کرنے سے بھی معذرت خواہ نظر آتی ہے۔ہمارا ایمان ہونا چاہیے کہ سچ تو سچ ہے بیشک اس کا ساتھ کوئی ایک فرد ہی دے اور جھوٹ تو بالآخر جھوٹ ہے چاہے اس کیلئے پوری دنیا جمع ہو کر آواز اٹھائے کہ یہ سچ ہے۔اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ کفریہ

نظام جمہوریت کی قید سے نکل کر اس کی آکسیجن بند کی جائے اور قرآن و سنت پر مکمل عمل کرتے ہوئے مسلمانوں کے لیے اللہ کی طرف سے دیئے گئے نظام حکمرانی یعنی خلافت کی طرف لوٹ آیا جائے کہ یہی دنیا اور آخرت میں مسلمانوں کے لیے کامیابی کی ضمانت ہے۔

جنت نظیر میں خونی چمگادڑوں کی نوجوانوں پر یلغار

خطہ کشمیر دنیا کا ایک ایسا مظلوم خطہ ہے جو گزرتے ہر برس کے ساتھ اپنی دھرتی پر بے گناہ معصوم لاشوں کا بوجھ اٹھاتا ہی جا رہا ہے۔ 1989 ء سے لے کر اب تک ایک لاکھ کے قریب کشمیریوں کا خون بہایا جاچکا ہے جب کہ اس دوران دس ہزار سے زائد افراد فورسز کے ہاتھوں غائب ہو چکے۔ ہندوستان نے کشمیر میں مظالم کی جو تاریخ رقم کر رکھی ہے ان مظالم کی بڑی شکار وہاں کی خواتین ہیں، بھارتی فورسز خواتین کی جبری آبرو ریزی بھی کرتی رہی ہیں اور یہی فورسز خواتین سے انکے باپ، خاوند، بھائی، بیٹے یا کبھی پوتے، بھانجے، بھتیجے یا کسی اور قریبی رشتے کی قربانی کا دکھ دے جاتی ہیں۔ بھارتی مقبوضہ کشمیر میں خواتین سے زیادہ مظلوم کوئی نہیں ہے کیونکہ اکثریتی خواتین اپنے کسی نہ کسی عزیز قربانی کا دکھ سہہ چکی ہیں،ایسی خواتین جن کے جگر گوشوں کو غائب کر دیا گیا ہو ان کے دکھ درد دوسروں سے قدرے مختلف اور مشکل ہوتے ہیں۔ اعداد و شمار کے مطابق بھارتی مقبوضہ کشمیر میں اس وقت 10 سے 15 ہزار نوجوان سالوں سے لاپتہ ہیں، ان نوجوانوں کو ان کے والدین اور خاندان والے تلاش کرتے ہیں لیکن کسی کو ان تک رسائی نہیں ہوتی۔ جگر گوشے کی تلاش کرنے والی ایک ایسی ہی دکھیاری ماں پروینہ آہنگر ہیں جن کے بیٹے جاوید کو فورسز 24 سال پہلے اٹھا کر لے گئیں اس

ماں نے بیٹے کی گمشدگی کا درد سہا اور ہمت باندھ کر بیٹے کی تلاش کے سفر کا آغاز کر دیا، کشمیر بھر میں تلاش کے ساتھ وہاں عدالتوں کے دروازے بھی کھٹکھٹائے لیکن انصاف نہ ملا، اس ماں کی تلاش اب ایک ایسی تحریک بن چکی ہے جس میں کشمیر کی دیگر ہزاروں مائیں اپنے جگر گوشوں کی تلاش میں شامل ہو چکی ہیں۔پروینہ آہنگر جو اب کشمیر میں لاپتہ افرادے حوالے سے ایک منظم تحریک کا آغاز کرکے پہچان بن چکی ہیں ان کے ساتھ جو واقعہ بیتا اس کے بارے میں وہ بتاتی ہیں کہ ماہ اگست انیس سو نوے میں ان کے بیٹے جاوید کو این ایس جی کمانڈوز (بھاری فورسز) نے گھر سے رات تین بجے اٹھا کر لے گئے۔پروینہ نے کشمیر کا کوئی ایک علاقہ ایسا نہیں چھوڑا جہاں انہوں نے بیٹے کو تلاش نہیں کیا، اپنی جدوجہد کے دوران پروینہ کو ایسی کئی خواتین ملیں جن کا اور اسکا دکھ سانجھا تھا اور وہ سب اپنے بیٹوں کی تلاش میں سرگرداں تھیں۔انیس سو چورانوے میں پروینہ نے ایسو سی ایشن آف پیرنٹس آف ڈس اپیئرڈ پرسنز (اے پی ڈی پی) کی بنیاد رکھی جس کے اب تک تین ہزار سے زائد ممبر ہوچکی ہیں۔پروینہ کہتی ہیں کہ اے پی ڈی پی کے تمام ارکان کا دکھ یکساں اور مشن بھی ایک ہے۔لاپتہ افراد کے سلسلہ میں منعقدہ کانفرنس میں شرکت کیلئے وہ غیر ممالک میں بھی گئی ہیں، دورہ برطانیہ کے موقع پر نوبل انعام کیلئے نامزد ہونے والی عظیم اس سوشل ورکر پروینہ آہنگر نے نامور کشمیری صحافی اور پریس فار پیس کے بانی ظفر اقبال سے ملاقات میں کہا تھا کہ وہ کشمیر کے دس ہزار لاپتہ افراد

کی بازیابی کیلئے جہد وجہد اور ان کے لیے انصاف کے حصول کے لیے کام کرتی رہیں گی ۔
پروینہ آہنگر کہتی ہیں کہ ان کے لاپتہ بیٹے سمیت ہزاروں گمشدہ کشمیریوں نے اگر کوئی جرم کیا ہے تو ان کو سزا دی جائے لیکن اگر وہ بے گناہ ہیں تو ان نہتے شہریوں کو بھارتی ریاست دنیا کے سامنے لائے۔پریس فار پیس کے بانی صحافی ظفر اقبال نے پروینہ آہنگر کی خدمات کو زبردست خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا تھا کہ کشمیر میں انسانی حقوق کے تحفظ کے لیے کشمیر کی آئرن لیڈی پروینہ آہنگر نے اپنے ادارے اے پی ڈی پی کے پلیٹ فارم سے بے مثال جہد وجد کی ہے جو تاریخ میں جلی حروف سے لکھی جائے گی۔
کشمیر میں لاپتہ افراد کا سرکاری سطح پر اصل ڈیٹا اب تک سامنے نہیں آیا اس حوالے سے وہاں کی حکومت چند سو افراد کو لاپتہ قرار دیتی رہی ہے لیکن آزاد ذرائع اس تعداد کو 10 سے 15 ہزار بتا رہے ہیں ، کشمیر میں لاپتہ افراد کے حوالے سے نامور شخصیت ''بھیم سنگھ '' جو انسانی حقوق کے حوالے سے اقوام عالم میں ایک مقام رکھتے ہیں چند ماہ قبل اسلام آباد تشریف لائے تو ان سے تفصیلی نشست ہوئی جس میں سردار نسیم اقبال ایڈووکیٹ حال مقیم بلجیم اور نوجوان قانون دان ایس ایم ابراہیم ایڈووکیٹ بھی موجود تھے اس ملاقات میں دیگر سیاسی وحکومتی امور کے ساتھ کشمیر میں لاپتہ افراد کے حوالے سے گفتگو ہوئی تو بھیم سنگھ نے بتایا کہ وہ عشروں سے لاپتہ افراد اور قیدیوں کو

بازیاب کرانے کے حوالے سے کام کر رہے ہیں ، اس حوالے سے انہیں کامیابیاں بھی ہوئی ہیں۔ بھیم سنگھ نے درجنوں ایسے افراد بشمول جے کے ایل ایف (ر) چیئرمین کشمیری کے بارے میں بتایا جو بھارتی مقبوضہ کشمیر میں قید تھے انہوں نے قانونی جدوجہد کرکے ان قیدیوں کو آزاد کرایا۔ جموں کشمیر پینتھرز پارٹی کے بانی صدر بھیم سنگھ کے مطابق چند سال قبل انہوں نے وہاں کی اسمبلی میں جب انہوں نے کشمیر میں لاپتہ افراد کی تعداد 6000 بتائی تو پورے بھارت میں ہنگامہ کھڑا ہوگیا تھا کیونکہ بھارتی حکومت یہ تعداد 500 سے زیادہ ہرگز نہیں ظاہر کرنا چاہتی تھی۔

بھارتی صحافی ہرش مندر کشمیریوں پر ہونے والے مظالم کو اپنی تحریروں میں عیاں کرتے ہوئے ایک طالبہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اس کا والد ایک انجینئر تھا، لیکن انھیں بھارتی فوجیوں نے قتل کر دیا، دوسرے دن اخبارات میں خبر چھپی کہ فوج نے یہ دعوی کیا کہ اس نے کشمیری فوج سے برسرپیکار ایک بڑے کمانڈر کو ہلاک کر دیا، وہ مزید لکھتے ہیں سری نگر میں ڈل جھیل کے وسط میں پانی سے محصور جو گندہ بستیاں ہیں وہاں سے سیکیورٹی نوجوانوں کو دھر لیتی ہے چونکہ وہ کشمیر زبان کے علاوہ کوئی اور زبان نہیں جانتے اس لیے سیکیورٹی فورسز کے سوالات کا کوئی جواب نہیں دے سکتے، وہ لکھتے ہیں کہ تشدد نے ان نوجوانوں کے اندر زندگی کی امنگ کا تقریبا خاتمہ کر دیا، کوئی طالب علم

مطالعہ نہیں کرتا، گندہ بستیوں میں آج ایک بھی گریجویٹ تلاش سے بھی نہیں ملتا۔ ان سب حقائق کو سامنے لانے کا مقصد یہ ہے کہ کشمیری نسل بھارتی آپریشن میں مسلسل گھرتی ہی جارہی ہے ماحول سے فرار، دکھ، اذیت اور ظلم و جبر نے دیگر برائیوں کو بھی فروغ دیا ہے، زمین کے جس خطے کو کبھی جنت کہا جاتا تھا اسی جنت میں اب خونی چمگادڑوں بھارتی فورسز) نے انسانوں کے وجود کو جھنجھوڑ رکھا ہے، یہ عمل برسوں سے جاری) ہے، اس سب کے پیچھے اپنوں کی مکاری کہیے کم فہمی یا بد دیانتی، جو ہونا تھا ہو چکا اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ کشمیری ماؤں کے دکھ درد کیسے کم کیے جائیں اور کس طرح اپنی آنے والی نسلوں کو خونی چمگادڑوں کے قرب سے دور رکھا جائے۔

شعوری آگاہی و بیداری کی مہم کا آغاز

آبائی شہر راولاکوٹ میں عید کی چھٹیاں بہترین گزریں، پہلی مرتبہ ایسا محسوس ہوا کہ لوگ بیدار ہو رہے ہیں، اپنی ذمہ داریوں کا اب واقعی احساس کر رہے ہیں۔ملوٹ باغ کے ایک پر رونق اور دلکش مناظر والی سرزمین کے زندہ دلان نے' پدر 'گاؤں میں ایک سکول کی تعمیر کی افتتاحی تقریب میں شرکت کی دعوت دی۔16 ہزار نفوس پر مشتمل پدر گاؤں کی کمیونٹی نے 'ون مین ون بلاک' کے سلوگن سے اس تاریخی گورنمنٹ ہائی سکول کو خود تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا، تقریب میں سنجیدہ نوعیت کے تقریباً ڈھائی سو لوگ موجود تھے۔ کمیٹی کے ذمہ داران اور مقامی احباب نے تقاریر کیں اور علاقے کے مسائل پر روشنی ڈالی۔یہ سکول سابق وزیراعظم سردار عتیق خان کے حلقہ میں ہے لیکن اس کی تعمیر پر عتیق خان سمیت کسی دوسری جماعت کے حکومتی ذمہ داران نے توجہ نہ دی۔ سکول کے حوالے سے بتایا گیا کہ اس میں سینکڑوں طلباء زیر تعلیم ہیں، ان کے میٹرک کا رزلٹ تقریباً چھیاسی فیصد ہے۔دھیر کوٹ پریس کلب کے صدر مہتاب اشرف نے نہ صرف ایک بہترین لیکچر دیا بلکہ فنڈ ریزنگ کا ایسا آغاز کیا جس میں عوام علاقہ، سکول اساتذہ اور کمیٹی نے بھرپور حصہ لیا، ہزاروں روپے نقدی جمع ہونے کے ساتھ معززین نے لاکھوں روپے کی فنڈنگ کے مزید اعلانات بھی کیے ۔مقررین نے اپنی تقاریر میں مجھ پر مستقبل میں اس حوالے سے کچھ ذمہ

داریاں ادا کرنے کی درخواست کی تو میں نے اپنے تقریر میں انہیں یقین دلایا کہ وزیر امور کشمیر سے ملاقات سمیت دیگر حل طلب معاملات میں ان کا ساتھ دوں گا۔ابرار احمد یار جو بہترین سیاسی ورکر ہونے کے ساتھ سماجی کارکن بھی ہیں کو کمیٹی کا چیئرمین بنایا گیا ہے انھوں نے اپنی ٹیم کے ساتھ اس سکول کی تعمیر کے حوالے سے گزشتہ تین، چار مہینوں میں بھرپور مہم چلائی۔اب پدر ہائی سکول کی تعمیر کے کام کا آغاز ہو چکا ہے عوام علاقہ ،سیاسی و سماجی کارکنان اور خاص کر کاروباری حضرات کواس کنسٹریکشن میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا ہوگا ورنہ خدشہ ہے کہ کروڑوں روپے کا یہ منصوبہ کامیاب نہ ہوسکے گا

۔

عید کے پانچویں روز معروف سیاحتی مقام بنجوسہ میں صفائی کیلئے ایل ایس ڈی ایف کے زیر اہتمام آگاہی و شعوری بیداری مہم کامیابی سے اختتام پذیر ہوئی۔اس صفائی مہم میں ضلعی آفیسران ،سیاستی ،سماجی اور صحافتی کارکنوں ،وکلاء اور عوام الناس کو مدعو کیا گیا تھالیکن ضلعی آفیسران ، صحافی برادری ،وکلاء نے لفٹ نہ کرائی لیکن رضاکار دوستوں نے مختصر کال پر ساتھ دیااس مہم کا آغاز اس لیے کرنا پڑاکہ ہمارے ان سیاحتی مقامات کی سیر کرنے والے کچھ دوستوں نے شکایات کیں تھیں کہ یہ مقامات گندگی سے اٹے ہوئے ہیں اور کوئی بھی اس طرف توجہ نہیں دے رہا۔میں نے صورتحال کا جائزہ لینے اور متعلقہ محکموں کے سربراہان کو انکی ذمہ داری یاد دلانے کیلئے رابطے کیے تو سیاسی نوازشات کے

ذریعے۔ راجمان چیئرمین پی ڈی اے خالق خان ،ایڈمنسٹریٹر بلدیہ راولاکوٹ خان ظفر ایڈمنسٹریٹر میونسپل کمیٹی کھائیگلہ غلام فاروق کو الگ الگ کالز کیں اس سفارشی ٹولے نے، مختلف طرح کے حیلے بہانے شروع کیے کہ ہمارے بس میں کچھ نہیں ہے، یہ کام ہمارا نہیں دوسرے محکمے کا ہے۔ پی ڈبلیو ڈی کے ایکسین خواجہ سجاد اور ایکسین پرویز کیانی نے بھی دوسروں کو ذمہ دار قرار دیتے ہوئے راہ فرار اختیار کیا،جنگلات کے ڈی ایف او نے مسلسل کوششوں کے باوجود کال اٹینڈ کرنا مناسب نہ سمجھی ،ڈپٹی کمشنر پونچھ چوہدری فرید نے بھی اپنی بے بسی کو رونا رویا۔ حلقہ ایم ایل اور پی اے سی آزاد کشمیر کے چیئرمین عابد حسین کو فون کیا انہوں نے کہا کہ میرے کنٹرول میں کچھ نہیں میں نے بھی ان آفیسران سے ہی بات کرنی تھی جن سے آپ نے پہلے کر لی ، سو عابد خان بھی بے بس۔

میری سربراہی میں '' لائف سپورٹ اینڈ ڈیویلپمنٹ فاونڈیشن '' جو آزاد کشمیر میں تعلیم ، صحت اور سیاحت کے حوالے سے پسماندہ علاقوں میں اپنی بساط کے مطابق کام کر رہی ہے اسی پلیٹ فارم سے ہم نے شعوری بیداری کے پیغامات پر مشتمل چارٹ بنائے جن میں صفائی اور سیاحت کے حوالے سے خصوصی آگاہی پیغامات لکھے گئے تھے ۔ رضا کار دوستوں کے ساتھ مل کر مہم کا آغاز کیا۔ تمام رضاکاروں نے مل کر جھیل کے اطراف سے شاپرز ، ریپرز کو جمع کیا اور کوڑا دان تک پہنچایا ،جہاں کوڑادانوں کی تعداد پہلے ہی بہت کم تھی وہاں جو موجود تھے وہ

بھرے ہوئے۔ شعوری و آگاہی مہم کے دوران جھیل کنارے موجود سیاحوں میں سے ایک بڑی تعداد نے ہمارا ساتھ دیا۔ جھیل کنارے بیٹھے لوگوں کے پاس گئے اور ان سے گزارش کی کہ اپنے شاپرز اور ریپرز کوڑا دان میں پھینک کر یہاں سے جائیں،آخر میں ہم مقامی دکانداروں کے پاس گئے ان سے درخواست کی کہ آپ لوگ یہاں سے بھاری زر مبادلہ کماتے ہیں سو مہربانی کرکے یہاں درجن بھر ڈیسٹ بن لگوا دیں ،اس پر انھوں نے حامی بھری۔کام نپٹا کر ہم لوٹ آئے ۔اللہ کرے وہاں موجود لوگوں کو واقعی احساس ہو جائے کہ وہ مستقبل میں صفائی کا خیال کریں اور جو دوست اپنی شرماہٹ کو وجہ بنا کر صفائی مہم میں حصہ لینے سے کترا رہے تھے ان سے امید ہے کہ وہ مستقبل میں سنت نبوی پر عمل کرنے سے گھبرائیں گے نہیں بلکہ نیک و بھلے کاموں میں پہلے سے زیادہ بڑھ کر حصہ لیں گے ۔اس مہم کے آغاز کے بعد اب کچھ خوشی کی خبریں سننے کو آ رہی ہیں۔ صفائی مہم کے تیسرے دن ہی ضلعی انتظامیہ نے غیرت کا مظاہرہ کیا انھوں نے اپنی ذمہ داری محسوس کی اور اپنی مشینری سمیت بنجوسہ پہنچ گئے،اسکے بعد نیلم سے اور باغ سدھن گلی سے کچھ دوستوں نے رابطہ کیا اور یقین دہانی کرائی کہ وہ وہاں کے سیاحتی مقامات پر بنجوسہ کی طرز پر خود صفائی کریں گے ۔اللہ کرے ایسا ہو جائے کہ پورے آزاد کشمیر کے سماجی کارکن عوام کے ساتھ مل کر اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرتے ہوئے خود بھی کام کیلئے باہر نکلیں اور دوسروں کو بھی نکالیں۔شاید اسی طرح کوئی تبدیلی آ سکے ۔

بائیومیٹرک رجسٹریشن لازمی قرار

سعودی حکومت نے حج و عمرہ زائرین کیلئے بائیومیٹرک رجسٹریشن لازمی قرار دینے کے بعد پاکستان میں یہ ذمہ داری '' نادرا'' کو دینے کی بجائے ایک بھارتی پرائیویٹ کمپنی '' اعتماد '' کو سونپ دی۔پاکستان سے سالانہ 7 لاکھ افراد سعودی عرب کا سفر کرتے ہیں ، پرائیویٹ کمپنی اعتماد کے صرف چھ دفاتر بڑے شہروں میں ہیں ،آزاد کشمیر ، گلگت بلتستان میں کمپنی کا دفتر سرے سے موجود ہی نہیں، اس اقدام کے بعد عمرہ و حج کی قیمتوں میں اضافے کے ساتھ ہی عمرہ و حج زائرین کی تعداد انتہائی کم ہو جائے گی ۔ پاکستان کی تقریباً 20 کروڑ آبادی میں سے 80 فیصد دور دراز دیہی علاقوں میں رہتے ہیں اور اکثریت ناخواندہ افراد پر مشتمل ہے چاروں صوبوں کے چھوٹے ضلعوں، تحصیلوں اور دیہات سے عمرہ ادائیگی کے لئے سفر کرنے والے عمرہ زائرین کیلئے فنگر پرنٹس کی شرط دشواری اور مالی مشکلات کا سبب بنے گی۔ٹریول ایجنٹس ایسوسی ایشن آف پاکستان (ٹی ٹی اے پی) نے بھی حکومت پاکستان اور سعودی حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ اس حساس نوعیت کے معاملے کی طرف ہنگامی بنیادوں پر نوٹس لیا جائے اور لاکھوں کی تعداد میں سالانہ عمرہ ادائیگی کیلئے سعودی عرب جانے والے پاکستانی زائرین کی شدید بے چینی، تشویش و تحفظات دور کئے جائیں۔چند روز قبل جو فیصلہ سعودی حکومت نے

کیا تھا اس کے مطابق پاکستان میں سعودی عرب کے لئے تمام ویزا درخواست گزاروں کے لئے بائیومیٹرک رجسٹریشن لازمی قرار دے دی گئی ہے، پاکستان میں یہ اہم ذمہ داری اصولی طور پر '' نادرا '' کو دی جانی چاہیے تھی لیکن سعودی و پاکستانی حکومت نے ایک بھارتی ہندو شہری کی کمپنی اعتماد (پرائیویٹ) لمیٹیڈ کو سعودی وزارت خارجہ کی طرف سے بایومیٹرک کرنے کی ذمہ داری سونپ دی ہے۔ سعودی عرب میں لاکھوں پاکستانی و کشمیری ملازمت اختیار کیے ہوئے ہیں جبکہ ہر سال عمرہ و حج کیلئے جانے والوں ی تعداد بھی سات لاکھ کے قریب ہے۔'' اعتماد'' کمپنی کے ملک بھر میں صرف چھ دفاتر ہیں جو لاہور، اسلام آباد، پشاور اور کوئٹہ میں اور دو مراکز کراچی میں ہیں، جبکہ چھوٹے ضلعوں ، تحصیلوں ، یونین کونسلز میں کوئی بھی دفتر موجود نہیں جبکہ آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان میں کوئی دفت سرے سے موجود ہی نہیں ہے ۔ادھر ٹریول ایجنٹس ایسو ی ایشن آف پاکستان (ٹی ٹی اے پی) کے سابق چیئرمین رانا عبدالغفور خان، محمد اقبال، سابق ریجنل چیئرمین محمد زاہد سلیم خان، ممبر زاہد زمان خان اور حسین نے مطالبہ کیا ہے کہ حکومت فوری توجہ عمرہ ویزہ کیلئے بائیو میٹرک انرولمنٹ کی نئی شرط کی اطلاعات اور اطلاق پر شدید تحفظات دور کرے، ٹی ٹی اے پی کے مطابق حکومت سعودی عرب نے بائیو میٹرک انرولمنٹ کی ذمہ داری دبئی میں قائم کمپنی vfs tasheel اور etimad کو دی ہے۔ جس کا مالک ایک ہندو ہے۔ جس کی etimad اس کے مقامی پاکستانی پارٹنر وجہ سے پاکستان بھر سے سالانہ لاکھوں کی

تعداد میں عمرہ ویزہ کے درخواست گزاروں کو شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا نیز لاکھوں کی تعداد میں خواہشمند عمرہ زائرین کا اس فریضہ سے محروم ہونے کا خطرہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ حالیہ اطلاعات کے مطابق سال 1436ھ میں ویزہ پالیسی کیلئے لازمی بائیو میٹرک اور تصویر کی شرط سے عوام الناس میں شدید تشویش اور بے چینی پائی جاتی ہے پاکستان سے لاکھوں کی تعداد میں ہر سال زائرین کی عمرہ کے لئے ادائیگی اور ویزا کے اجرا کے پیش نظر زمینی حقائق کا جائزہ لینا نہایت ضروری ہے درحقیقت یہ اقدام اسلامی جمہوریہ پاکستان کی عام عوام پر بوجھ ڈالنے کے مترادف ہے۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان کی تقریباً 20 کروڑ آبادی میں سے 80 فیصد دور دراز دیہی علاقوں میں رہتے ہیں اور اکثریت ناخواندہ افراد پر مشتمل ہے چاروں صوبوں کے چھوٹے ضلعوں، تحصیلوں اور دیہات سے عمرہ ادائیگی کے لئے سفر کرنے والے عمرہ زائرین کیلئے فنگر پرنٹس کی شرط دشواری اور مالی مشکلات کا سبب بنے گی۔ انہوں نے کہا کہ اس شرط سے تقریباً 8 ہزار عمرہ ویزہ کا اجرا ہوتا ہے جو کہ نئے سسٹم کے لاگو ہونے کے بعد 50 فیصد سے بھی کم رہ جائے گا جس کی زائرین اللہ کے گھر کی حاضری کی امید لئے خواہشمند کی امیدوں پر پانی پھر جائے گا۔ ٹی ٹی اے پی نے صدر پاکستان اور وزیر اعظم پاکستان، چیف جسٹس آف پاکستان سے اپیل کی ہے کہ اس معاملے کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے نئے بائیو میٹرک سسٹم کی شرط کو فوری ختم کیا جائے۔ حکومتوں کو چاہیے کہ وہ ایسے اقدامات سے پہلے زمینی حقائق جانے

تاکہ آنے والے دنوں میں عوام کو زیادہ مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑے اس حوالے سے ماہرین سے آراء بھی لی جانی بہتر ہے۔

زندگی، موت کا تصور اور عزیز رضوی

ہم دیکھتے ہیں کہ ہر پیدا ہونے والا محدود مدت کے بعد مر جاتا ہے اس کے باوجود یہ نہایت عجیب بات ہے کہ ہم میں سے کوئی شخص بھی خود اپنی موت کے بارے میں سنجیدگی سے نہیں سوچتا۔ ہم دوسروں کو مرتے ہوئے دیکھتے ہیں، مگر خود اپنی موت کے بارے میں غفلت میں پڑے رہتے ہیں۔ جدید سائنسی تحقیق سے یہ معلوم ہوا ہے کہ ہر انسان کے جسم میں تقریبا ایک سو ٹریلین سیل ہوتے ہیں، ہر سیل کے نیوکلیس میں ایک نا قابل مشاہدہ ڈی این اے موجود رہتا ہے۔ ڈی این اے کے اندر انسانی شخصیت کے بارے میں تمام چھوٹی بڑی معلومات کوڈ کی صورت میں موجود رہتی ہیں۔ یہ معلومات اتنی زیادہ ہوتی ہیں کہ اگر ان کو ڈی کوڈ کیا جائے، تو وہ برٹانیکا جیسی ضخیم انسائکلوپیڈیا کے ایک ملین سے زیادہ صفحات پر مشتمل ہوں گی۔ ڈی این اے کے اندر انسانی شخصیت کے بارے میں تمام معلومات درج ہوتی ہیں، مگر اس فہرست میں صرف ایک استثنا ہے اور وہ موت ہے۔ ڈی این اے کی طویل فہرست موت کے تصور سے خالی ہے۔ موت کا تصور انسانی شخصیت میں موجود نہیں، یہی وجہ ہے کہ آدمی دوسروں کو مرتے ہوئے دیکھتا ہے، لیکن وہ خود اپنی موت کے بارے میں زیادہ سوچ نہیں پاتا۔ یہی انسان کا امتحان ہے۔ موت کسی شخص کے اوپر ڈی این اے کی پروگرامنگ کے تحت نہیں آتی، بلکہ وہ براہ راست خدائی فیصلے کے تحت آتی

ہے۔کامیاب انسان وہ ہے جو اپنی اندر ایٹی پروگریمنگ سوچ پیدا کرے۔ وہ خدائی فیصلے کی نسبت سے موت کے معاملے کو دریافت کرلے اور اس کے مطابق، اپنی زندگی کی منصوبہ بندی کرے۔ وقت کتنی تیزی سے گزر جاتا ہے اور ہمیں احساس تک نہیں ہوپاتا۔حالات کیسے ہی ہوں ہمیں اپنے اندر جینے کا حوصلہ پیدا کرنا چاہیے، یہی ہمت و حوصلہ سب سے اچھا انسان ہونے کی دلیل ہوتی بھی ہے۔ موت تو بن مانگے مل جاتی ہے اس لیے جو چیز بن مانگے ملتی ہو اس کی تمنا کیسی۔شاید انہی احساسات کے بغیر کسی لالچ کے کچھ لوگ معاشرے کیلئے تگ و دو کرتے ہیں، مرحوم دوست عزیز احمد رضوی بھی انسانیت کے بھلے کیلئے کوشاں رہے،انہیں شاید دنیاوی عزت و شہرت سے غرض کم تھی اسی لیے خود کو بہت سے کاموں میں منظر عام پر لائے بغیر بھی پایہ تکمیل تک پہنچا دیتے تھے ۔رضوی صاحب کی خدمات پر امجد شریف، بقا اشرف، وسیم اعظم، سردار اظہر، افراز اعوان، خرم شبیر، صنم نذیر اور دیگر قلم کار مفصل روشنی ڈال چکے لیکن کتنے ہی پہلو ہیں جو ابھی منظر پر آنے کا انتظار کر رہے ہیں۔رضوی صاحب کے مجلے خوشبو کے ساتھی سردار اظہر، صحافی آصف اشرف، صحافتی تھکاوٹ کے بعد دیار غیر میں روزگار کیلئے مگن عمر جباری جیسے صاحبان اگر تھوڑی ہمت کریں تو رضوی صاحب کی خدمات کے بارے میں اور بہت کچھ سامنے آسکتا ہے۔

یکم نومبر کو جب رضوی صاحب حادثے کی وجہ سے راولاکوٹ ہسپتال سے پمز کیلئے

منتقل ہوئے توچیک سے انجمن تاجران کے صدر محمد یاسر خان نے اطلاع دی۔تب سے انکی وفات تک یاسر صاحب مسلسل رابطے میں رہے، شاہد شارف صاحب اور امجد عارف صاحب سے بھی ہسپتال میں بارہاملاقاتیں اور فون پر رضوی صاحب کی صحت کے حوالے سے گفتگو ہوتی رہی۔جس روز رضوی صاحب کا انتقال ہوااس دن مجھ میں ہمت نہیں تھی کہ زیادہ کچھ لکھ سکتا بس اتنا ہی لکھ کر دوستو کو آگاہ کیا کہ ''دوستو، اب تک مختلف موضوعات پر بے شمار لکھا ر، اکثر اوقات کمپیوٹر کے کی بورڈ پر انگلیاں خود بخود چلنا شروع ہو جایا کرتی تھیں لیکن آج ہمت نہیں پڑ رہی اور الفاظ نہیں مل رہے کہ اپنے دوست عزیز احمد رضوی کی موت پر کچھ لکھ سکوں، رضوی صاحب سے آخری ملاقات اے ٹی آئی اسلام آباد کے دفتر میں ہوئی جب انہیں آپریشن کے بعد پمز سے وہاں منتقل کیا گیا تھا۔بہت زیادہ ریکور کر چکے تھے، جب انہیں علم ہوا کہ میں انہیں دیکھنے آیا ہوں تو اٹھ بیٹھے، ہاتھ پکڑ کر رونے لگے کہ کاشف۔۔!! میرے ساتھ ظلم ہوا ہے، میرے ساتھ زیادتی اور ناانصافی ہوئی ہے، ان کی آنکھوں میں آنسو شاید اس لیے ملال سے چھلک رہے تھے کہ انہیں کچھ اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ اب ٹھیک نہیں ہو سکیں گے۔اس حادثے کا ذکر کرنے لگے کہ جس کی وجہ سے آج انکی یہ حالت تھی، کہنے لگے میں جاتے ہوئے اسی استے سے گیا تھا، وہاں سڑک پر کچھ بھی نہیں پڑا تھا،اندھیرے میں جب میں موٹر ساکل سے واپس آ رہا تھا تو اس بجری پر سے موٹر سائیکل گر گیا، پھر رونے لگے کہ بغیر کسی مقصد کے آخر کسی نے وہاں بجری کیوں پھینکی

تھی ، میں نے حوصلہ دینے کی کوشش کی آپ اب بہت حد تک ٹھیک ہو چکے ہیں، گھبرائیں نہیں، کچھ عرصہ اور آرام کریں تو معمول کے مطابق زندگی گزرنا شروع ہو جائے گی۔ پھر مجھ سے افسوس کا اظہار کرنے لگے کہ کچھ دن پہلے میں بول نہیں سکتا تھا تو میرے مظفرآباداو دیگر شہروں سے دوست مجھے دیکھنے آئے لیکن میں ان سے بات چیت نہیں کر سکا ، انکی خدمت نہیں کر سکا۔ میں نے ان کے حوصلے کیلئے پھر عرض کی کہ دوست پھر آجائیں گے آپ کی صحت اب اچھی ہو رہی ہے۔ لیکن نہیں شاید میرے جیسوں کے حوصلے اور دعائیں کام نہ آسکیں۔

معلوم نہیں رضوی صاحب سے ابتدائی تعلق کب ، کیسے اور کہاں بنا لیکن جب بھی ان سے ملا انہیں کاموں میں مگن پایا۔ جب بھی ان سے ملاقات ہوتی صحافتی مصروفیات کا پوچھتے ، تجاویز کے ساتھ حوصلہ دیتے ، اپنے بھائی کا کہتے کہ '' گڈو '' کی تعلیم مکمل ہوجائے اور سیٹ ہو جائے تو میں اپنے بارے میں بھی کچھ سوچوں۔ رضوی صاحب ۔۔۔! گڈو تو سیٹ ہو ہی جائے گا لیکن آپ خود چلے گئے۔ جہاں رضوی صاحب کی موت کو برادرم وسیم اعظم نے کھل عام قتل قرار دیا تو وہاں خرم بھائی ، شکیب اور دیگر دوست ایس ایم ابراہیم ایڈووکیٹ کے ساتھ ملکر اس قتل اور اس جیسے واقعات کی روک تھام کیلئے قانونی کاروائی کرنے کے درپے ہیں۔ رضوی صاحب دنیا سے رخصت ہوئے تو دل بہت دکھا ، دریک گراؤنڈ میں انکے جنازے پر کھڑا تھا تو دیکھا مختلف لوگ ہی لوگ ہیں ، یہ زیادہ تر لوگ

صرف علاقائی یا رسمی تعلق کی وجہ سے آئے ہوئے نہیں دکھے۔ ہر ایک کی آنکھوں میں آنسو تھے،آصف اشرف صاحب کی آنکھوں میں آنسو دیکھے تو اپنی برداشت بھی ساتھ چھوڑ گئی، سینئر مدرس زبیر صاحب پاس آئے، کہنے لگے عزیز سے آپ کا بھی اچھا تعلق تھا ؟ میری زبان خاموش، کچھ نہ کہہ سکا، جنازہ پڑھ کر لوگ گھروں کو چل دیئے ، انکے گھر کے ساتھ واقع آبائی قبرستان جاتے ہوئے آصف صاحب کہنے لگے جنازہ گاہ سے قبرستان تک وہی لوگ آتے ہیں جو مرنے والے سے قریبی قربت رکھتے ہیں۔ماموں زاد بھائی جواں سالہ رضوان سعید کی دیار غیر میں حادثے میں موت ہوئی تب کسی اپنے کے بچھڑنے کا بہت دکھ ہوا تھا اور اب رضوی صاحب کے جانے کا۔ زندگی کی بس یہی حقیقت ہے کہ وقت متعینہ پر رخصت ہو جاتا ہے اور باقی اس کا بس کردار رہتا ہے۔

کشمیری میڈیا کے مسائل کیسے کم ہونگے

وقت کے ساتھ جہاں بہت سی تبدیلیاں آتی ہیں وہیں شعبہ صحافت میں تبدیلیوں کے اثرات دیگر شعبوں کی نسبت کچھ زیادہ ہی اثر دکھاتے ہیں۔شاید یہی وجہ ہے کہ پرنٹ میڈیا سے الیکٹرانک میڈیا میں آنے کے بعد اب ریاستی، قومی اور بین الاقوامی اہم موضوعات تحریریں لکھنے کا موقع کم ملتا ہے۔الیکٹرانک میڈیا کے افادیت اور اثرات اپنی جگہ اہم لیکن پرنٹ میڈیا ایک اپنا الگ مقام رکھتا ہے۔ چند سال اسلام آباد میں میڈیا کے مختلف اداروں کے ساتھ منسلک ہو کر رپورٹنگ کرنے کے بعد آزاد کشمیر کے دارلحکومت مظفر آباد میں کام کرنے کا اب موقع ملا ہے،اس دوران آزاد کشمیر کی گورننس،سیاست، صحافت، وکالت، معاشرت، معیشت و دیگر اہم امور کو قریب سے دیکھنے کا موقع مل رہا ہے۔معاشرے کے مجموعی حالات دیکھتے ہوئے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ میڈیا سے تعلق رکھنے والے ہم سب لوگ اگر میرٹ اور سلیکشن کے ذریعے سے اپنے اداروں کی کام کی بنیاد پر مراعات حاصل کرتے ہوئے اور اپنے پیشے کے لوازمات کو مد نظر رکھتے ہوئے پیشہ ورانہ ذمہ داریوں کو احسن طریقے سے نبھائیں تو یقینا معاشرے کی خوبیوں اور خامیوں کی عکاسی کے ساتھ ساتھ عظیم خدمت بھی کر سکتے ہیں۔

آج کا یہ مضمون شعبہ صحافت خصوصاً آزاد کشمیر کی صحافت کے بارے میں تحریر کر رہا ہوں۔ جیسے ہی نئے سال کا آغاز ہوا تو کشمیری میڈیا خود خبروں کا مرکز بنتا ہوا نظر آ رہا ہے۔ایک طرف آزاد کشمیر کے دار لحکومت میں پیشہ ور صحافیوں کی ایک مضبوط ٹیم نے کیپیٹل جرنلسٹس فورم کی بنیاد رکھی ہے جس کا مقصد آزاد کشمیر کے صحافیوں کی تعلیمی قابلیت واستعداد کار بڑھانے کے ساتھ انہیں ریاستی، قومی ایشوز پر گائیڈ لائن دینے کے ساتھ مطالعاتی دوروں کے ذریعے زمینی حقائق سے آگاہ کرنا ہے تو دوسری جانب جڑواں شہروں میں کام کرنے والے تقریباً ڈھائی سو صحافیوں کی تنظیم کشمیر جرنلسٹس فورم کی منتخب باڈی کی تین جنوری کو کشمیر ہاؤس اسلام آباد میں حلف برداری کی تقریب ہوئی۔ گو کہ یہ تقریب 20 اپریل دو ہزار چودہ کو ہونے والے انتخابات کے نتائج آنے کے بعد اب تقریباً آٹھ ماہ کی تاخیر سے ہو رہی ہے اس کو پہلے نپٹا کر اب تک بہت سے اور کام کیے جا سکتے تھے تاہم دیر آئے خیر آئے تو سہی۔ وزیر اعظم آزاد کشمیر چوہدری عبدالمجید تقریب کے مہمان خصوصی تھے انہوں نے فورم کیلئے 25 لاکھ روپے دینے کے ساتھ فورم کے اراکین کے رہائشی مسائل حل کرانے کیلئے کمیٹی بنانے کا اعلان تو کیا لیکن ساتھ ہی قومی و کشمیری میڈیا کے کردار پر تنقید کے پہاڑ گرا دیئے۔ قومی میڈیا خصوصاً الیکٹرانک میڈیا سے تو انتہائی جائز شکوہ تھا کہ کشمیر خصوصا مسئلہ کشمیر،آزاد کشمیر کے ایشوز کو وقت نہیں دیتے۔ دوسری طرف کشمیری صحافت کے ذمہ داران کو بھی آئینہ دکھایا کہ اس فیلڈ

سے تعلق رکھنے والے بیشتر لوگ بنیادی تعلیم و تربیت سے ہی واقف نہیں ہیں، تفصیل میں بتایا کہ بڑی تعداد میں میٹر ریڈرز، چپڑاسی، ٹیکسی ڈرائیور اور بڑھی بانوں کی ہے جن کو قومی، ریاستی و مقامی اداروں نے صحافی بنا کر ظلم عظیم کر رکھا ہے۔ وزیر اعظم چوہدری مجید کی حقائق مبنی یہ سخت باتیں پسند آئیں لیکن وہ اس بیماری کی وجہ اور علاج جاننے میں شاید ناکام رہے ہیں کہ مناسب علاج نہ بتا سکے۔

ریاستی و اضلاع کے مقامی اخبارات و ریڈیو چینلز کو جو معاشی و فنی مشکلات درپیش ہیں ان سے حکومت یا سیاستدان کسی حد تک واقف تو ہوتے ہیں لیکن ان مشکلات سے نکالنے کا حل کوئی بھی نہیں نکال سکا۔حکومت اگر توجہ دے تو یہ مسائل کم وقت میں حل ہو سکتے ہیں اور اس شعبہ کے لوگ بیگار کیمپ اکھاڑ پھینکنے کے ساتھ باعزت روزی بھی کما سکیں گے۔ میری اس حوالے سے حکومت کو کچھ تجاویز ہیں ۔1۔ وفاق سے اشتہارات کی مد میں جو دو فیصد کوٹہ طے ہے اس پر عمل درآمد کرانے کیلئے وفاقی محکمہ اطلاعات پر پریشر ڈالا جائے اس سے سالانہ تقریباً 6 سے 8 کروڑ روپے حاصل ہونگے جن سے یہ ادارے مضبوط ہو سکتے ہیں۔2 ۔آزاد کشمیر میں ٹیلی کام سیکٹر میں کام کرنے والی موبائل اور انٹرنیٹ کمپنیوں کو پابند کیا جائے کہ مقامی حکومت کو ٹیکس دینے کے ساتھ آزاد کشمیر کے اخبارات اور ریڈیو چینلز کو بھی اشتہارات دیں اس سلسلہ میں آئین سازی کر

کے ان کمپنیوں کو پابند کیا جائے۔3 ۔ سرکاری و غیر سرکاری بنکوں اور تمام ملٹی نیشنل کمپنیوں کو پابند کیا جائے کہ وہ مقامی حکومت کو ٹیکس دینے کے ساتھ کشمیری میڈیا کو اشتہارات دیں۔4 ۔حکومت آزاد کشمیر اپنے محکموں کو پابند بنائے کہ ریاستی و مقامی اخبارات کو ترجیحی بنیادوں پر اشتہارات دے ، قومی اداروں کو اشتہارات دینے کیلئے الگ سے میکنزم بنوایا جائے۔5 ۔ڈمی و غیر معیاری اخبارات ، رسائل کو اشتہارات دینے پر مکمل پابندی عائد کی جائے۔6 ۔میڈیا گروپس کو پابند کیا جائے کہ وہ تمام شہروں میں تعلیم یافتہ لوگوں کو ہی میرٹ کی بنیاد پر اپنا کارکن بنائیں،وورکرز سے بیگار لینے والے اداروں کو جرم ثابت ہونے پر بھاری جرمانے کیے جائیں۔7 ۔ صحافتی یونینز اور پریس کلبز کو بھی پابند کیا جائے وہ اپنے کارکنوں کی استعداد کار بڑھانے کے ساتھ انہیں کشمیری تاریخ، مسئلہ کشمیر سے آگاہی کیلئے ورکشاپس اور مطالعاتی دورے کرائیں،اسی بنیاد پر ان کو ہاؤسنگ کالونیاں اور فنڈنگ دی جائے۔ ان تجاویز پر عمل ہو گا تو آزاد کشمیر کے یہ ادارے معاشی لحاظ سے بھی مضبوط ہو سکیں گے اور تعلیم یافتہ لوگ اہل لوگ شعبہ صحافت میں سامنے آکر معاشرے کی درست عکاسی کر سکیں گے ۔اگر صرف اعلانات و تنقید ہی جاتی رہی تو یہ بیماری ناسور بنتے بھی زیادہ دیر نہیں لگے گی۔

مادری زبان کا تحفظ کیوں ضروری؟

مادری زبان ایک امانت ہے جو نسل در نسل منتقل ہوتی رہتی ہے۔ جب ایک نسل اپنے وارثوں میں اس امانت کو دیانت سے منتقل نہیں کرپاتی تو اسی وقت سے اس زبان کے صفحہ ہستی سے معدوم ہونے کا عمل شروع ہوجاتا ہے۔ ہم پہاڑی لوگ ہیں زبان بھی پہاڑی، دل بھی پہاڑی اور ماحول بھی پہاڑی اور کسی قدر احساسات بھی پہاڑی ہیں۔ چونکہ انسان پیدائشی طور پر ایک ترقی یافتہ مخلوق ہے۔ اس کو ترقی یافتہ مخلوق سے ترقی یافتہ انسان بننے کا درجہ حاصل کرنے میں مختلف مراحل اور وسائل درکار ہوتے ہیں۔ انسان جہاں پیدائش کے بعد جسمانی طور پر پرورش پاتا ہے وہیں اس کی ذہنی نشوونما بھی بتدریج بڑھتی ہی جاتی ہے۔ ذہنی نشوونما کے لیے قدرت کی طرف سے مختلف النوع ذرائع دستیاب ہوتے ہیں۔ انسان کی ذہنی نشوونما میں "مادری زبان" کا بھی اہم کردار ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ ماں کی گود بچے کی کل دنیا ہوتی ہے، اس لیے فطری طور پر بچہ وہی زبان سیکھتا ہے جو ماں بولتی ہے۔ ماں بچے کو ہنساتی ہے، لوریاں دیتی ہے، کبھی غصے میں ہوتی ہے تو کبھی رلاتی بھی ہے۔ بچہ گو کہ ابھی گفتگو کرنے اور سمجھنے کے لائق نہ ہوا ہو لیکن قدرت نے انسان کے اندر ایک ایسا جذبہ رکھا ہے جو جذبہ ماں کو یک طرفہ بچے سے ہم کلامی پر آمادہ کرتا ہے۔ یہ تمام چیزیں بچے پر اثرانداز

ہوتی رہتی ہیں حتی کہ جب وہ گفتگو کا اہل ہوتا ہے تو یہی ماں کی گفتگو لاشعور سے کام کرتی ہے۔ اس کی نفسیات اور بصری حافظے میں غیر محسوس طور پر ماں کی گفتگو اور اس کے اثرات محفوظ ہوتے رہتے ہیں۔ اسلامی نقطہ نظر میں اسی مناسبت سے ماں کو بہت محتاط رویہ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ فنی حوالے سے بھی یہ بات جاننے کی ہے کہ مادری زبان'' کا اطلاق صرف ''ماں'' تک نہیں ہے بلکہ ماں جس گھر میں رہتی ہے'' اس گھر میں جو زبان بولی جاتی ہے ''مادری زبان'' ہے۔ بدلتے سماجی حالات اور ہجرتوں والی اس نئی دنیا میں مادری زبان کے اطلاقات مزید وسعت اختیار کر گئے ہیں۔ ماں باپ کی آبائی زبان جو بھی ہو لیکن جو زبان شہر اور محلے میں، گھر میں برتی جاتی ہو وہ زبان بھی مادری زبان کہلائے گی۔ بلکہ تعلیمی اعتبار سے یہی زبان مادری ہو گی۔ انسانی زندگی میں مادری زبان کی اہمیت و افادیت کے پیش نظر ہر سال 21 فروری کا دن اقوام متحدہ کے ادارہ یونیسکو کے زیر اہتمام بین الاقوامی مادری زبان کے دن کے طور پر منایا جاتا ہے۔ اس دن مہذب دنیا میں مادری زبان کی حوصلہ افزائی کے لیے مختلف پروگراموں کا انعقاد کیا جاتا ہے۔ امسال 21 فروری 2015ء کو منعقد کیے جانے والے بین الاقوامی مادری زبان کے دن کو اپنی اپنی مادری زبان کے حق میں یادگار بنانے کی ضرورت ہے۔ کہتے ہیں کہ اچھی روایات کو اپنے گھر و محلے سے شروع کرنا چاہیے اس لیے ہم کچھ دوستوں نے اپنی

رضار تنظیموں لائف سپورٹ اینڈ ڈیولپمنٹ فاؤنڈیشن آزاد کشمیر اور چٹکا پلیٹ فارم سے راولاکوٹ میں میڈیکل کالج کے ہال میں 21 فروری کو صبح 10 بجے سے دن ساڑھے بجے تک پہاڑی بیٹھک رکھی ہے، پہاڑی زبان میں منفرد طرز کی مٹھاس ہے ،آج 3 ہماری نسلیں اس سے دور ہو رہی ہیں اس لیے اپنی زبان کے تحفظ اور اس کو پروان چڑھانے کیلئے ہم نے ایک پہاڑی نشست کا اہتمام کیا ہے جس میں صدر آزاد کشمیر یعقوب خان، صدر مسلم کانفرنس سردار عتیق خان، ممبران قانون ساز اسمبلی سردار غلام صادق، عابد حسین عابد، نجیب نقی کے علاوہ ادبی ، تعلیمی ، سماجی ، حکومتی اور سیاسی شخصیات کو شرکت دعوت دی گئی ہے۔ گو کہ سردار اظہر،خرم شبیر،یاسر رفیق، صنم نذیر، وسیم آزاد و دیگر منتظمین کی کوشش ہو گی کہ اس پروگرام کو نسل نو کیلئے ایک مثالی پلیٹ فارم کے طور پر سامنے لایا جائے لیکن یہ تو وقت ہی بتائے گا کہ خواندگی میں نمبر ون کا دعویدار شہر اور اس کے باسی کس سنجیدگی سے ہمارے اس اقدام کو اپناتے یا دھتکارتے ہیں۔

زبان کا انسانی زندگی کے ارتقاء سے بھی بہت گہرا تعلق ہے۔اس بات سے انکار ممکن نہیں کہ زبان علم کے پھیلاؤ کا سب سے اہم ذریعہ ہے۔انسانوں نے آپس رابطے اور خیالات و معلومات کی ترسیل و تبادلہ کے لیے زبان کے نظام کو فروغ دیا۔مادری زبان کسی بھی انسان کی شخصیت کی تعمیر، تعلیم اور ہمہ جہت ترقی

میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ زبانوں کی اہمیت صرف بول چال اور فہم کی حد تک نہیں ہوتی بلکہ مادری زبان کا علاقائی ادب و ثقافت کے ساتھ بھی گہرا تعلق ہوتا ہے کیونکہ کسی بھی زبان کا ادب انتہائی ہمہ گیر ہوتا ہے اور سماجی ذہن پر اس کے اثرات انتہائی لافانی قسم کے ہوتے ہیں۔ ادب کا رخ دراصل لوگوں کے ذہنوں کا رخ متعین کرتا ہے۔ اس میں مزاح، انشائیہ، خاکہ نگاری، مضمون نگاری، خطوط، ڈرامہ، داستان، ناول اور افسانوں کو شامل رکھنے کا عام رجحان ہے۔ اگر آدمی اپنی مادری زبان پر درمیانی درجے کی قدرت رکھتا ہو اور مادری زبان کے ادبی ذخیرے سے استفادہ کسی درجے میں آسان ہو تو اس کی ذہنی وسعت پذیری کا انکار نہیں کیا جاسکتا کیونکہ ایسے مزاح اور انشائیہ میں جہاں فکری پرواز کو قوت ملتی ہے وہیں خاکہ نگاری، تاریخ رفتگاں اور صالح اقدار سے روشناس کراتی ہے۔ یہ ساری باتیں اگر انسان کی اپنی مادری زبان میں ہوں تو فطری صلاحیتوں کے نکھر جانے کے مواقع زیادہ کھلتے ہیں۔ اس کے برخلاف اجنبی زبان ایک طرح کا احساس کمتری پیدا کرے گی اور اگر فخر کی نفسیات پیدا بھی ہوئی تو وہ کسی دوسری تہذیب پر فخر ہوگا اور یہ عین ذہنی غلامی ہے۔ ہم کثیر لسانی سماج میں رہتے ہیں اس لیے ضروری ہے کہ ہم اپنے علاقے کی زبانوں، مقامی زبان اور انگریزی پر بھی عبور حاصل کریں۔ المیہ یہ ہے کہ ہم نے اسکولوں کا معیار تعلیم بلند کرنے اور دیگر زبانوں کو سیکھنے میں مددگار ماحول تیار کرنے کی بجائے پرفریب پروپیگنڈہ پر بھروسہ کیا اور اپنے بچوں کو

انگریزی اور دیگر زبانوں کے پیچھے لگا کر اصل وراثت سے دور کر دیا۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ ہم اپنے بچوں کو مادری زبان کے توسط سے تمام زبانیں اور علوم سکھائیں۔ اپنی اولاد کے لیے ایک بہتر مستقبل کی تلاش میں ان کے حال کو قربان کرنا عقلمندی تو نہیں ہے۔

16 مارچ کا معاہدہ امرتسر - تنازعہ کشمیر

متنازعہ علاقوں کی تاریخ ہمیشہ تنازعات کا شکار رہی ہے ۔ کشمیر کا وجود جتنا پرانا اسکی تاریخ بھی اتنی ہی متنازعہ ہے۔ ماضی کے جھرکوں میں جائے بنا اس موضوع پر اصل چھیڑ نہیں کی جا سکتی ۔آج مختلف دانشوروں کو جب کشمیریوں کے ماضی پر رشک کرتے ،سیاسیوں کو نعرے لگاتا دیکھتا ہوں تو اندر ہی اندر شرمندگی سی محسوس ہوتی ہے۔ شاید ہم سچ کہنے ، سننے اور لکھنے سے کترا رہے ہیں یا ہمیں معلوم ہی نہیں کہ آیا سچ کیا ہے۔ معلوم تاریخ نہیں بتاتی کہ ہم کبھی بہت زیادہ قابل فخر قوم رہے ہیں ۔ تین سے پانچ سو سال پرانی تاریخ کا مطالعہ کافی ہے جو صاف بتا رہا ہے کہ کشمیری پہلے بھی مفتوحہ رہے اور بلا شبہ آج بھی ۔۔ ! اعتراض کرنے والے اپنے ہاں ثقافت ، تہذیب و تمدن، زبان، ادب، پیشے کچھ بھی اٹھا کے دیکھ لیں کچھ بھی ایسا نہیں ملتا جو ہم نے سنبھالے رکھا ہو یا جس پر ناز ہو سکتا ہو، سوائے ٹرھکوں کے۔ زمین کے ٹکڑوں پر سیاست ہمارا معمول رہا۔ انسان اور انسانیت کا درس اور جدید دنیا کے تقاضوں سے آگاہ ہی نہیں ہوئے۔ اس میں کسی ایک حکمران ،یا چند سیاستدانوں کا قصور نہیں ، ذمہ دار نہیں شاید ہمارا خمیر۔۔۔۔ !آج کا موضوع معاہدہ امرتسر ، سو،اسی کی تاریخ پر نظر دوڑا لیتے ہیں۔ دو طبقے ہیں ایک اس معاہدے کا کسی حد تک حمایتی اور دوسرا شدید جانی

!دشمن۔۔۔

ریاست جموں و کشمیر بنیادی طور پر 7 بڑے ریجنوں کشمیر، جموں، کارگل، لداخ، بلتستان گلگت اور پونچھ اور درجنوں چھوٹے ریجنوں پر مشتمل ہے۔ یہ ریاست 84 ہزار 471، مربع میل پر پھیلی ہوئی ہے۔ یہ ریاست دنیا کے تینوں پہاڑی سلسلوں (قراقرم، ہمالیہ، ہندوکش) میں پھیلی ہوئی ہے۔اس وقت یہ ریاست 4 حصوں میں تقسیم ہے۔ پاکستان کے پاس 28 ہزار مربع میں گلگت، بلتستان اور ساڑھے 4 ہزار مربع میل آزاد کشمیر کا علاقہ، بھارت کے زیر قبضہ علاقوں میں وادی کشمیر، جموں اور کارگل و لداخ، چین کے پاس 10 ہزار مربع میل اقصائے چن کا علاقہ ہے، چین نے کچھ علاقہ 1963ء کی جنگ میں بھارت سے چھینا جبکہ 1900 مربع میل علاقہ پاکستان سے 16 مارچ 1963ء میں پاک چین معاہدے کے تحت عارضی طور پر حاصل کیا ہے۔

معاہدہ امرتسر کے مخالف دانشوروں کا کہنا ہے کہ اہل کشمیر کی مظلومیت کی طویل شب تار کا آغاز 16 مارچ 1946ء میں ہوا۔ جب معاہدہ امرتسر طے پایا اس معاہدے کے مطابق گلاب سنگھ نے انگریز سے 75 لاکھ نانک شاہی میں جموں و کشمیر اور ہزارہ کا علاقہ خرید کر غلام بنایا، جبکہ گلگت بلتستان، کارگل اور لداخ ریجن کے علاقوں پر قبضہ کر کے ایک مضبوط اور مستحکم ریاست قائم

کی۔ کشمیر کی مزاحمتی جدو جہد کا مطالعہ کیا جائے تو ڈوگرہ حکمرانوں کے دور میں 1924ء تک سیاسی خاموشی نظر آتی ہے۔یہ خاموشی 1924ء میں اس وقت ٹوٹی جب سری نگر میں کام کرنے والے ریشم کے کارخانوں کے مزدوروں نے اپنے اوپر ہونے والے مظالم کے خلاف آواز اٹھائی اور پوری ریاست نے ان کی آواز کے ساتھ آواز ملائی۔ 1931ء میں تحریک مالیہ عدم ادائیگی کا آغاز کیا گیا۔ اس کے علاوہ 1946ء میں شیخ عبداللہ کی کشمیر چھوڑدو تحریک اور دیگر تحریکوں نے کشمیر کے مسلمانوں کو ڈوگرہ راج کے خلاف جدوجہد کرنے پر تیار کیا۔ 24اکتوبر 1947ء کو موجودہ آزاد کشمیر میں آزاد حکومت قائم کرنے کا اعلان کیا گیا۔اِس وقت بھارت نے آئین کے آرٹیکل 370کے تحت کشمیر کو خصوصی حیثیت دی ہوئی ہے جبکہ پاکستان نے آزاد کشمیر میں 1947ء میں ہی آزاد ریاست قائم کر دی۔ 1947ء سے 1966ء تک کشمیریوں نے سیاسی میدان میں آزادی کی جنگ لڑی مگر اس میں کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ 1966ء میں عسکری جدوجہد کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ اس جدوجہد کے نتیجے میں یکم جنوری 1989ء سے تاحال تک 98 ہزار افراد شہید ہوئے۔

دوسرے طبقے کا کہنا ہے کہ عہد نامہ امرتسر انگریز سرکار اور راجا آف جموں کے درمیان 16 مارچ 1846 ء کو طے پایا، اس معاہدے میں راجا نے خود جبکہ انگریز سرکار کی طرف سے فیڈرک کیوری اور بریوٹ ہنری لارنس نے شرکت کی اور عہد نامہ کو 10 نکات کی صورت میں حتمی طور پر طے کر لیا۔ اس کی اہم شقیں یہ

تھیں۔ انگریز سرکار وہ تمام پہاڑی علاقے جو دریائے سندھ کے مشرق اور دریائے راوی کے مغرب میں واقع ہیں ماسوائے لاہور کے جو اس علاقے کا حصہ ہے جو لاہور دربار نے معاہدہ 9 مارچ 1846ء کی دفعہ 4 کے تحت حکومتِ برطانیہ کے سپرد کیا ہے مہاراجہ گلاب سنگھ اور ان کی اولادِ نرینہ کے مستقل اور کلی اختیار میں دیتی ہے۔ شق نمبر 3 کے مطابق جو علاقہ مہاراجہ گلاب سنگھ اور ان کے وارثوں کو منتقل کیا جارہا ہے اس کے عوض مہاراجہ گلاب سنگھ برطانوی حکومت کو مبلغ 75 لاکھ نانک شاہی ادا کریں گے ۔مہاراجہ گلاب سنگھ کے پہلا خود مختار حکمران بنا۔انگریزوں نے کشمیر سکھوں سے حاصل کیا تھا اس لیے انڈیا اسے اپنا حصہ سمجھتا ہے جبکہ مسلمان آبادی کے اکثریت میں ہونے کی وجہ سے پاکستان اس کا دعویدار ہے۔ ہری سنگھ کا موقف مختلف تھا کے تقسیم کے قانون کے مطابق ریاست کے حکمران کا حق ہے کہ وہ الحاق کرے یا اپنی آزاد ریاست برقرار رکھے۔دوسرے طبقے کا نقطہء نظر یہ ہے کہ ساری دنیا کی طرح یہ علاقہ بھی عروج وزوال کا شکار رہا، کشمیر کے حکمران مغل ہوں، افغان ہوں یا سکھ مذہب سے بالاتر ۔کبھی دہلی، کبھی، کابل اور کبھی لاہور سے ہی آتے رہے، وہ سب ظالم اور نسل پرست تھے، ڈوگرہ بھی کوئی بہترین نہیں تھے مگر اس معالے کی نوعیت مختلف تھی، ڈوگرہ کا اقتدار میں آنا قومی آزادی کے برابر ہے، ڈوگرہ حکومت ایک طرح سے رنجین شاہ سے پہلے کی ہندو حکومت کا احیاء تھا کیوں کہ گلاب سنگھ جموں کا مقامی تھا اور یقیناً تاریخ سے آگاہ تھا۔آج کے دور

میں بیٹھ کر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ گلاب سنگھ نے سازش اور بددیانتی سے کشمیر ہتھیایا تھا،تاریخ گواہ ہے کہ وہ پہلے سے جموں کا حکمران تھا اور اس نے ان علاقوں کو ملا کر ایک نئی ریاست قائم کی تھی۔تاہم دوسرا طبقہ بھی کشمیریوں پر دھائے جانے والے مظالم کے خلاف ہے۔

آپ کے سامنے زمین کے ٹکڑے کی خرید وفروخت یا قومی آزدی کی بنیاد کے حوالے سے اطراف کی سوچ بتادی ہے۔اب موجودہ دور میں اسی الجھن میں رہنے کا وقت شاید نہیں۔ تعلیم ، ٹیکنالوجی ، معاش اور طاقت کی مضبوطی کا دور چل رہا ہے۔ جو ان معاملات میں اول ۔۔۔! وہ بادشاہ۔۔ سو کشمیریوں کو ایک ہی جواب۔۔ پہلے خود کی علمی ، عملی ، سماجی ، دنیاوی، معاشی مضبوطی ۔۔۔ پھر قومی آزادی یا شخصی غلامی سے نجات کے راستے ۔ وگرنہ گزشتہ روایات کی طرح تادم نادم و ہمہ تن مغلوب۔

جنریشن گیپ ۔۔۔۔ والدین اور اولاد میں اختلافات کا باعث

تحریر : راجہ شہزاد خورشید راٹھور

موجودہ دور ٹیکنالوجی کا دور کہلاتا ہے۔ ہمارا طرزِ زندگی ، سائنس اور ٹیکنالوجی میں تیزی سے تبدیلیوں نے ہماری زندگی کے بارے میں ہمارے نقطۂ نظر کو یکسر تبدیل کر دیا ہے۔ مگر ہمارے رویوں میں کوئی خاطر خواہ مثبت تبدیلی رونما نہیں ہوئی۔ تعلیم کی وجہ سے معاشرے میں کسی حد تک بدلاؤ دیکھنے میں تو آتا ہے مگر معاشرتی سوچ اور رویے اب تک محدود ہیں۔ انا ء پرستی اور دین سے دوری نے آج کی نوجوان نسل اور والدین میں کبھی نہ پر ہونے والے خلاء کو جنم دیا ہے اور اس خلاء نے کئی گھروں کو تباہ کر کے رکھ دیا۔ جنریشن گیپ جو کہ (بوڑھوں) والدین اور اولاد میں رویوں، ترجیحات اور خیالات پر اختلاف اور غلط فہمیوں کا باعث بنتا ہے ، وہیں اس سے کئی گھرانے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوتے ہیں اور یہ دوریاں (تقسیم) کئی اور معاشرتی برائیوں کو بھی جنم دیتی ہیں۔ جنریشن گیپ والدین اور اولاد کے درمیان تفریق کی ایک بڑی وجہ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ گیپ دونوں کو تقسیم کر دیتا ہے۔ عام طور پر یہ گیپ اٹھارہ سے چالیس سال کی عمر یا اس سے زائد کے افراد کے درمیان پایا جاتا ہے ،جہاں دونوں اپنی اپنی جگہ الگ الگ زاویے سے سوچتے ہیں۔ دونوں نسلیں ایک

ہی چیز کو مختلف زاویوں سے تولتی ہیں۔ یہ باہمی فرق کام کرنے کے انداز سے لیکر ٹیکنالوجی کے استعمال تک واضح طور پر نظر آتا ہے۔ نوجوان نسل اپنے تئیں کچھ کرنا چاہتی ہے لیکن پرانی عمر کے لوگ اسے اہمیت نہیں دیتے، اولاد کی خوداعتمادی کو ختم کرتے ہیں۔ یہ چھوٹی چھوٹی باتیں بڑے بڑے فاصلے پیدا کرتی ہیں جس کا نتیجہ سوائے دوری کے کچھ اور نہیں ہوتا۔

والدین کی اپنی اولاد سے بے لوث محبت غیر مشروط ہوتی ہے۔ والدین اپنا سکھ چین، آرام وسکون، پیسہ، وقت غرض ہر راحت کو اپنے بچوں پر قربان کر دیتے ہیں۔ اپنے بچوں کی ضروریات پوری کرتے ہیں ان کی ہر طرح سے مدد کرتے ہوئے پالتے پوستے ہیں، تعلیم دلواتے اور پھر اپنے قدموں پر کھڑا کرنے کی کوشش میں اپنی تمام تر زندگی صرف کر دیتے ہیں۔ اس تمام تر جدوجہد کے باوجود بچوں کا رویہ مثبت نہیں ہوتااور والدین کو مایوسی کی کوفت اٹھانا پڑتی ہے۔ اور اس کی سب سے بڑی وجہ جنریشن گیپ ہے۔ والدین اپنے بچوں کو سمجھ نہیں پاتے اور بچے ان سے دور ہوتے چلے جاتے ہیں یہاں تک کہ یہ دوری اولاد کو برباد کر دیتی ہے۔ ہمارا معاشرہ آج بھی دور دورِ جاہلیت کی عکاسی کرتا دکھائی دیتا ہے جہاں اولاد پر بے جا روک ٹوک، والدین کی من مانیاں، کم عمری میں رشتے اور شادیاں، اولاد پر ان کی مرضی کے خلاف فیصلے ٹھونسنا۔ اس طرح والدین اپنی اولاد کے مجرم بن کر ان کی زندگی سے کھیلتے ہیں۔ والدین اور اولاد میں محبت

اور اختلاف کے کئی اسباب ہو سکتے ہیں مگر میری نظر میں چند اہم اسباب میں قارئین کے گوش گزار کرنا چاہوں گا۔

خلیل جبران لکھتے ہیں کہ "ہم اپنی اولاد کو بے پناہ محبت تو دے سکتے ہیں لیکن خیالات نہیں۔ اس لئے کہ خیالات ہر ایک کے اپنے اپنے ہوتے ہیں۔" اولاد اور والدین میں پہلی دوری کی وجہ بھی یہی ہے کہ اولاد پر محبت کے ساتھ ساتھ خیالات تھوپنے کی کوشش کی جاتی ہے جسے والدین اپنا حق سمجھتے ہیں اور یہی بات اس بگاڑ کا سبب بنتی ہے۔ یہ درست ہے کہ والدین کا تجربہ اور زمانہ سازی بچوں سے کہیں زیادہ اور مضبوط ہوتا ہے لیکن اس حقیقت کے باوجود بچے ان کے تجربے اور زمانہ سازی کی رمز سے مستفید ہونا نہیں چاہتے۔ اس کے علاوہ دوسری وجہ یہ ہے کہ والدین اپنی زندگی میں رہ جانے والی کمی کو اپنے بچوں میں پورا کرنا چاہتے ہیں مثلاً اگر کوئی ڈاکٹر نہیں بن سکا تو وہ اپنے بیٹے یا بیٹی کو ڈاکٹر بنانا چاہیں گے حالانکہ بچوں کی دلچسپی کسی اور شعبے میں ہوگی۔ اس لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ بچوں پر مرضی نہ تھوپی جائے۔اولاد اسے انا کا مسئلہ بنا کر یہ سوچتے ہیں، جیسے ان پر پابندیاں عائد کی جارہی ہیں اور ان کی مرضی سے سانس لینے نہیں دیا جارہا۔ یہ پہنو، یہ نہ پہنو، یہ کھاؤ، اس سے اجتناب کرو، ادھر جاؤ، ادھر نہیں جاؤ وغیرہ وغیرہ۔ یہ غیر معمولی باتیں فاصلوں کی وجہ بنتی ہے۔ لڑائیاں جھگڑے والدین اپنے بچوں کو

لڑائی جھگڑوں سے دور رہنے کا درس تو دیتے ہیں لیکن عملاً خود اس خوبصورت طرز عمل کو نہیں اپناتے اور خود آپس میں لڑائی جھگڑے ہی ختم نہیں ہوتے۔ یہ لڑائیاں بچوں کے ذہنوں پر برے اثرات مرتب کرتی ہیں اور بچے ان لڑائیوں کی وجہ سے ایک ایسے فاصلے پر چلے جاتے ہیں جہاں سے واپسی بہت مشکل ہوتی ہے۔ اور عمر بھر یہ فاصلہ نہیں مٹتا۔ مطالبات نہ ماننا بھی خرابی ہے اول تو والدین اپنے بچوں کے تمام مطالبات مان کر انہیں بدماغ، خودسر اور ضدی بنا دیتے ہیں اور دوسرا یہ کہ کسی بھی صورت میں تمام جائز مطالبات بھی مسترد کرنا بھی غلط ہے جو کہ منفی اثرات چھوڑتے ہیں اس پالیسی پر اکثر والدین غلط ہوتے ہیں۔ یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ والدین بچوں کی برداشت سے بڑھ کر سختیاں کرتے ہیں۔ وہ مختلف اصول بنا کر بچوں کو ان میں ڈھالنے کی کوشش کرتے ہیں اور ان اصولوں کو نہ ماننے کی پاداش میں باقاعدہ سزائیں دی جاتی ہیں۔ یہ مارپیٹ ایسے اثرات چھوڑتی ہے کہ اس کا خمیازہ والدین کو بھگتنا پڑتا ہے اور اولاد بھی زہنی مریض بن جاتی ہے۔اولاد کی تعلیم و تربیت کے بعد ان کی شادی کا مرحلہ آتا ہے، جو کہ بہت اہم معاملہ ہے۔ عموماً والدین اپنے بچوں کے رشتوں اور شادیوں میں جلد بازی سے کام لیتے ہیں جو بعد میں والدین اور ان کی اولاد کے لیئے تباہی کا باعث بنتا ہے۔ زبردستی کی شادیاں اسلامی اور سماجی دونوں حوالوں سے ناقابل قبول ہیں۔ جن قدامت پسند معاشروں میں زبردستی کی شادیاں ہوتی ہیں انکے ہاں شوہر یا بیوی کسی کی کوئی اہمیت نہیں

ہوتی ہے اور معاشرے میں بگاڑ کا بھی باعث بنتی ہیں، جیسا کہ گھر سے بھاگ کر شادی کرنا۔ موجودہ دور میں ہزاروں بچے اور بچیوں نے شرعی لحاظ سے گھروں سے بھاگ کر شادیاں کی ہیں، جو کہ والدین کے لیئے لمحہِ فکریہ ہے۔ اس کی زمہ داری والدین پر عائد ہوتی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ جب شادی کروانا مقصد ہو تو اولاد سے اور والدین کی باہمی مشاورت اور رضامندی سے ہو۔ دینِ اسلام اور ملک کا قانون بھی اولاد کے اس حق ہو تسلیم کرتا ہے اور انہیں تحفظ فراہم کرتا ہے۔ ہمارے ہاں اولاد کو والدین کی طرف سے زبردستی، غیرت کے نام پر، کسی دنیاوی مجبوری کی بناء پر یا خاندانی رسم و رواج جیسے ہتھکنڈوں سے بلیک میل کیا جاتا ہے۔ ایسی شادیاں پہلے تو ہو نہیں پاتیں، ہو بھی جائیں تو مکمل تباہی کا باعث بنتی ہیں۔ عموماً بچے حالات سے تنگ آ کر انتہائی قدم اٹھاتے ہیں اور خودکشی تک کو ترجیح دیتے ہیں۔

اس جنریشن گیپ کو ختم کرنے کے لیے والدین کو چاہیئے کہ وہ اپنی اولاد کی بہتر راہنمائی کریں، ان میں خوداعتمادی پیدا کریں اور زبردستی کے فیصلے مسلط کرنے سے اجتناب برتیں، اپنے بچوں کو ایسا ماحول فراہم کریں جہاں ان کی شخصیت میں نکھار پیدا ہو تا کہ وہ پر اعتماد فضاء میں سانس لیں اور اپنے آپ کو قید نہ سمجھیں۔ والدین کو اپنی زمہ داریوں کو سمجھتے ہوئے اولاد کی بہتر تربیت کرنی چاہئے اور ان کو اپنی زندگی کے اہم فیصلوں میں اپنی معاونت

کے ساتھ آزادی دینی چاہیے۔ کیوں کہ زندگی ایک بار ملتی ہے، اس کی قدر کریں، اپنی اولاد کی زندگی کو بچائیں اور ایک صحت مند معاشرے کی بنیاد رکھیں۔

بھارتی سفاکیت کی سات دہائیوں، کشمیریوں کا یوم حق خوداراادیت

آزاد و مقبوضہ کشمیر سمیت پوری دنیا میں مقیم کشمیری 5 جنوری کو یوم حق خود آراریت منا رہے ہیں،اس دن کو منانے کا مقصد عالمی برادری کو05 جنوری 1949 کو اقوام متحدہ کی منظور کی گئی اس قرارداد کی یاد دہانی کرانا ہے، جس میں کشمیری عوام سے ر ائے شمارے کے آزادانہ انعقاد کا وعدہ کیا گیا تھا۔بھارتی فوج مقبوضہ کشمیر میں تحریک آزادی کشمیر کو دبانے کے لئے ،ہر قسم کا بدترین ظلم کر رہی ہے۔ دنیا بھر میں جمہوریت کا چیمپین ہونے کا دعویدار بھارت 1989ء سے لیکر 31 دسمبر 2015ء تک 1 لاکھ سے زائد کشمیریوں کو شہید کرچکا۔ کشمیر میڈیا سروس کے مطابق مقبوضہ کشمیر میں صرف سال 2015ء میں ایک سو چھپن بے گناہ کشمیریوں کو شہید کیا گیا۔بھارتی فورسز نے سفاکیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اب تک 10 ہزار مرداور 23 سو خواتین کو غائب کیا، بھارتی بربریت سے اب تک 6 لاکھ کشمیری حریت پسند زخمی ہوئے۔ قابض انتظامیہ نے کالے قوانین کا نفاذ کرتے ہوئے 1 لاکھ 32 ہزار سے زائد آزادی کے متوالوں کو مختلف زندانوں اور عقوبت خانوں کی نذر کیا۔بزدل قابض فوجیوں نے کشمیر کی حسین وادی میں صدائے حریت کو دبانے کے لیے 10 ہزار سے خواتین کی عصمت دری کی۔بھارتی سامراج کے خلاف بغاوت کرنے والے شہداء کی 27 ہزار بیوائیں اور لاکھ 7 ہزار سے زائد یتیم بچے آج بھی آزادی 1

سے کم کسی چیز پر راضی ہونے کو تیار نہیں۔ بھارت نے جنت نظیر وادئ کشمیر میں جدوجہد آزادی میں ہراول دستے کا کردار ادا کرنے والے کشمیریوں کے ایک لاکھ 5 ہزار سے زائد آشیانوں کو جلا کر تحریک حریت کا زور توڑنے کی ناکام کوشش کی۔ شمع حریت پر قربان ہونے والے 27 ہزار سے زائد شہداء گمنام قبروں میں آرام فرما ہیں۔ مقبوضہ کشمیر کے لوگوں نے بھارت کی غلامی سے آزادی حاصل کرنے کے لیے کنول کے پھولوں، چناروں اور بل کھاتی ندی نالوں کی اس حسین سرزمین میں ساڑھے ہزار سے زائد قبرستانوں کو اپنے پیاروں کی قبروں سے آباد کر رکھے ہیں۔ دوسری 5 جانب 05 جنوری 1949ء کو اقوام متحدہ کے سلامتی کونسل کے اجلاس میں منظور کی گئی ایک قرارداد کے ذریعے ،عالمی برادری نے ریاست جموں کشمیر کے عوام کے آزادانہ طور پر اپنے سیاسی مستقبل کا خود فیصلہ کرنے کے حق کو تسلیم کیا گیا تھا، قرارداد میں کہا گیا تھا کہ کشمیری عوام کو غیر جانبدار کمیشن کے ذریعے منصفانہ رائے شماری کا موقع دیا جائے گا۔ تقسیم ہند کے بعد سے پیدا ہونے والا مسئلہ کشمیر پچھلی سات دہائیوں سے حل طلب ہے۔ یہ وہ پہلا متنازعہ مسئلہ ہے جسکے حوالہ سے اقوام متحدہ نے باضابطہ طور پر کئی قراردادیں پاس کر رکھی ہیں۔ 1947ء سے کشمیری مسلمان اس بات کا مطالبہ کر رہے ہیں کہ اقوام متحدہ بھارت سے اپنی پاس کردہ قراردادوں پر عمل درآمد اور اس مسئلہ کو حل کروائے جسے خود بھارت ہی یواین میں لیکر گیا اور کشمیریوں کو استصواب کا حق دینے کا وعدہ کیا تھا۔ حالیہ برسوں میں

سکاٹ لینڈ، مشرقی تیمور اور ساؤتھ سوڈان کے عوام کو بغیر کسی جبر کے اپنے مستقبل کے تعین کا حق دیا جاسکتا ہے تو کشمیری اس سے محروم کیوں ؟انکے مطالبات پر توجہ کیوں نہیں ؟کیا محض مسلمان ہونے کی وجہ سے انہیں آٹھ لاکھ بھارتی فوج کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ وہ جس طرح چاہے ان کا قتل عام کرے، انکی املاک تباہ اور عزتیں و عصمتیں پامال کرے؟ یہ وہ سوچ ہے جو صرف کشمیریوں ہی نہیں بلکہ دنیا بھر کے ہر انصاف پسند شخص کے ذہن میں ابھر رہی ہے۔مسئلہ کشمیر چونکہ برطانیہ کا پیدا کردہ ہے اس لئے خاص طور پر اسے تنقید کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے کہ وہ انڈیا سے تعلقات خراب ہونے کے ڈر سے اس سلسلہ میں کوئی کردار ادا نہیں کر رہا جس پر اسے مدافعانہ طرز عمل اختیار کرنا پڑ رہا ہے۔کشمیری اس مسئلے کے بنیادی فریق ہیں ان کی رائے کو فوقیت دی جانی چاہیے، دوسری طرف کشمیری قیادت خاص کر آزاد کشمیر کے سیاستدان اور حکمران اس بے اختیار اقتدار کی دوڑ میں اپنے وسائل اور عوامی سپورٹ سے محروم ہو رہے ہیں،آزاد کشمیر کے عوام کو روزگار، صحت، تعلیم اور قدرتی وسائل جن میں پانی، پہاڑ اور جنگلات شامل ہیں سے مستفید کرا کے خطے کے لیے مثالی بنایا جاسکتا ہے، وفاق کو چاہیے کہ جہاں آزاد کشمیر کو بااختیار بنانے کے لیے آئینی ترامیم میں مدد کرے وہیں، حکومت پاکستان جو اس مسئلہ کشمیر کی اہم فریق ہے اسے چاہیے کہ وہ بھارتی ناراضگی کی پرواہ کئے بغیر اس مسئلہ کو عالمی سطح پر بھرپور انداز میں اجاگر کرنے کا فریضہ سرانجام دے۔ مظلوم

کشمیری الحاق پاکستان کے نعرے لگاتیاور سبز ہلالی پرچم لہراتے ہوئے اپنے سینوں پر گولیاں کھاتے آئے ہیں توپاکستان کو تحریک آزادی میں انکے کندھے کے ساتھ کندھ ملا کر کھڑا ہونا چاہیے اوراس بات کا پیغام دینا چاہیے کہ پاکستانی قوم ان کی جدوجہد کو بھلانے والی نہیں ہے۔

انتہاء پسندی میں جکڑے مسلمان

درجن بھر بین الاقوامی جریدے، قومی اخبارات اور ویب سائیٹس پر بہت سا مواد پڑھنے کو روز ہی مل جاتا ہے۔ کوئی کتاب پسند آ جائے تو جنوری کی ان سرد دنوں میں چھت پر دھوپ میں بیٹھ کر چند ہی دنوں میں پوری کتاب نپٹا لیتا ہوں۔ معروف کشمیری ڈرامہ رائیٹر رابعہ رزاق کی کتاب ''خواب، خواہش اور زندگی'' ماہ دسمبر میں پڑھی تو تھی اس پر تحریر اب تک قرض ہے۔لکھنے کی کاہلی دور کرنے کا وقت شاید اب آن ہی پہنچا، ویسے جب سے الیکٹرانک میڈیا سے ناطہ جڑا، تب سے میرا لکھنا کم ہو گیا، حتیٰ کے پڑھنا پہلے سے خاصا زیادہ ہوا ہے۔ اب نیا عیسوی سال شروع ہوا تو فیصلہ کیا کہ اب پڑھنے کے معیار کو مزید بہتر بناتے ہوئے لکھنا پھر سے شروع کرتے ہیں۔ وودن میں ایک کتاب جو عالمی امور پر لکھی گئی ہے وہ پڑھی، تو سوچتا ہی رہ گیا کہ آیا ہمارے پالیسی ساز ادارے کیوں دماغ بند ہیں؟ ہمارے حکمرانوں کی آنکھیں کیوں بند اور تدریسی ادارے کب تک کاپی پیسٹ پالیسی میں لگے رہیں گے، سوچ لمبی ہے سو آج پہلے موضوع کی طرف بڑھتے ہیں۔

گزشتہ سال داعش کا نام دیکھتے ہی دیکھتے ملک عراق سے پھوٹتے ہوئے اب ایسا

مقبول ہوا، جیسے کبھی طالبان اور القاعدہ کے وجود کے وقت ان کا نام نامی ہوا تھا۔ نائن الیون کے واقعے نے پوری دنیا کی توجہ اسامہ بن لادن اور القاعدہ کی طرف مبذول کرائی،اس واقعے کو ایسے ڈرامائی انداز میں پیش کیا گیا تھا کہ وہی ایک ایسا مسئلہ اقوام عالم کے لیے خطرہ ہو۔پندرہ سال بعد اسامہ کی کہانی پس پشت جا چکی ،اب نیا دور ہے ، نئے تقاضوں کے ساتھ نئی ڈاکٹرائن ۔ داعش کے نام سے تنظیم لانچ کی گئی جو خلافت اور اسلام کو بدنام کرتے ہوئے تواتر سے عراق و شام میں تشدد کی کاروائیاں کی رہی ہے ۔ہمیں اس تنظیم کو صرف یورپ، امریکہ یا یہود، ہنود اور عیسائیوں کی مسلمانوں کے خلاف سازش کہہ کرچپ نہیں بیٹھنا چاہیے، کیونکہ مسلمانوں کے اندر گروہ بندیوں سے ہی دشمن فائدہ اٹھاتے ہیں، ساتھ کچھ اپنے بھی تو معاشی و سیاسی استفادہ حاصل کرتے۔ترکی سے تعلق رکھنے والے ممتاز لکھاری ' فتح اللہ گولن ' کی اسی موضوع پر تحریر پڑھ رہا تھا، وہ لکھتے ہیں کہ اسلام کا لبادہ اوڑھے ان گروہوں کی دہشت گردی پر ڈیڑھ ارب سے زائد مسلمانوں کے ساتھ اپنے غم وغصے کا اظہار کرتا ہوں۔ مسلمانوں پر یہ خصوصی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ہم نہ صرف دنیا کو دہشت گردی اور انتہا پسندی کے ہاتھوں درپیش تباہی وبربادی سے بچانے کے لئے اپنے جیسے انسانوں کے ساتھ ہاتھ ملائیں بلکہ ہمیں اپنے عقیدے کے تشخص کو پہنچنے والے نقصان کا ازالہ بھی کرنا ہوگا۔ الفاظ اور نشانیوں کے ساتھ کسی بھی مخصوص شناخت کا دعویٰ کرنا آسان ہے مگر ان دعوؤں کی صداقت صرف

اپنے افعال کو ان دعوؤں کے ساتھ پرکھنے سے ہی معلوم ہو سکتی ہے۔ گولن کے مطابق ایمان کی اصل آزمائش صرف نعرے لگانے یا مخصوص لباس پہننے سے نہیں ہوتی بلکہ یہ تو ان بنیادی اصولوں پر زندگی گزارنے میں ہے جن کا پرچار دنیا کے تمام اہم مذاہب کرتے ہیں۔ ان میں جان و مال کا تقدس اور تمام انسانوں کی عزت و احترام شامل ہیں۔ گزشتہ پانچ دہائیوں سے عالمی امور، سائنسی و سماجی تغیرات پر اپنے تحریروں کے ذریعے گہرے نقوش چھوڑنے والے فتح اللہ گولن کے مطابق مسلمانوں کو ہر قسم کی سازشی تھیوریوں سے بھی بچنا اور انہیں مسترد کرنا چاہیے جو آج تک ہمیں معاشرتی مسائل کا سامنا کرنے سے ہی روکتی رہی ہیں۔ اس کی بجائے ہمیں ان حقیقی سوالات کا سامنا کرنا چاہیے، کیا ہمارا معاشرہ اپنے اندر موجود مطلق العنانیت، گھریلو تشدد، نوجوانوں کو نظرانداز کرنے، روزگار کے مسائل اور متوازن تعلیم کی کمی کی وجہ سے ہمہ گیر ہونے کی نیت رکھنے والے ایسے تخریبی گروہوں کے لئے بھرتی کا میدان ثابت نہیں ہو رہا؟ کیا ہماری حقوق انسانی، آزادی اور قانون کی حکمرانی قائم کرنے میں ناکامی ان لوگوں کے لئے مددگار ثابت نہیں ہوئی جو متبادل منصوبوں کے ساتھ کوششوں میں لگے ہوئے ہیں؟ گولن کے سوالات یقینا ہمیں جھنجوڑ رہے ہیں۔ میرا سوال یہ بھی ہے کہ کیا ہمارے پالیسی ساز ادارے دنیاوی تقاضوں و سازشوں کا دائمی توڑ کرنے اور عوام کی فلاح کی اہلیت رکھتے ہیں ؟ کیا مسلم دنیا میں جو حکومتی و سیاسی نظام رائج ہے وہ ہمیں کامیابیاں دلا بھی سکتا ہے؟؟ ہمارے ہاں خاص کر

مسلم دنیا میں جو سیاسی جماعتیں مسلم امہ کو یکجا کرنے کے لیے کوشاں ہیں ان کو پذیرائی دینے میں برائی کیا ہے؟ کیا ہمیں مان لینا چاہیے کہ ڈالروں کی غلامی میں ہی سب کی عافیت۔

بحیثیت مسلمان شہری ہماری ذمہ داری ہے کہ اپنی زبوں حالی کے باوجود ہم مسلوں کا حل نکالنے کی کوشش کریں۔ ہمیں ہر سمت میں انتہا پسندی کا مقابلہ کرنا ہو گا، معاشی، سائنسی و معاشرتی طور پر ترقی کرنا ہو گی۔داعش جہاں دیگر ممالک میں تیزی سے پھیلائی جا رہی ہے، وہیں مزید مقاصد کی تکمیل کے لیے ،پاکستان میں بھی اس کی جڑیں توانا کرائی جانے کی اطلاعات ہیں۔ موجودہ حکومت نے عسکری اداروں کی مدد سے، ایسے گمراہ کرنے والے عناصر کے خاتمے کی کوشش کر رکھی ہے لیکن ہمیں دیکھنا یہ ہو گا کہ جہاں سے ہمارے خزانے میں ڈالر،یورو اور ٹینکوں میں آئل داخل ہو رہا ہے،ان مہربانیاں اور نوازشیں کرنے والے پالیسی سازوں کی سوچ کیا ہے۔ہمیں غور کرنا ہو گا کہ ادھار میں لیا گیا نظام کبھی نہ کبھی واپس کرنا ہی پڑے گا، میرے خیال میں جو نظام ہم نے بعد میں واپس کرنا ہو، وہ وحدت کی خاطر ابھی ہی کیوں نہ کرلیا جائے؟جہاں تک بات رہی داعش کی تو اس کو بنانے اور بڑھانے والے،اپنے مقاصد کی تکمیل تک اس کی جگہ کوئی نیا مہرہ کسی اور کے کندھے پر رکھ کر سامنے لے آئیں گے۔

بند دماغ کب کھلیں گے

ہمارے ہاں ہر شعبے کا آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے، تعلیم ، صحت ، ٹیکنالوجی ، ادب ، معاش ، معاشرت ، ثقافت، تاریخ غرض جس طرف بھی نظریں دوڑائیں مایوسی نہ بھی ہو توزیادہ خوشی نہیں ہوتی ۔اسکی وجوہات میں جہاں حکومتی نظام میں خرابیاں ہیں وہیں ہمارے بانجھ پن کا شکار پالیسی ساز اور تدریسی ادارے بھی ہیں۔ گزشتہ دنوں موبائل فونز کی.برآمدات کے حوالے سے ادارہ.برائے شماریات پاکستان کی پہلی ششماہی رپورٹ پڑھی، میں چونکہ اکنامکس کا ماہر ہوں نہ اس کا طالب علم رہا، اس کے باوجود ایسے اہم موضوعات کوپڑھنے اور سمجھنے کی کوشش کرتا رہتا ہوں۔ موبائل فونزکے حوالے سے اس رپورٹ پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ موبائل فون کے.بڑھتے ہوئے رجحان کے باعث موبائل فون بنانے والی کمپنیوں کیلئے پاکستان ایک پر کشش مارکیٹ کی حیثیت اختیار کر چکاہے اسی لیے ہمارے ہاں موبائل فونز کی درآمد اور فروخت پر بھاری ٹیکسوں کی بھرمار کے باوجود موبائل فونز کی درآمدات میں اضافے کا سلسلہ جاری ہے۔

ملک میں مقامی مینوفیکچرنگ نہ ہونے کی وجہ سے ہر سال اربوں ڈالر کازرمبادلہ موبائل فونز کی درآمد پر خرچ ہورہاہے۔ فیچر فونزکے ساتھ اسمارٹ

فونز کی فروخت بھی اب تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ عالمی برانڈز کے علاوہ ریجنل اور لوکل برانڈز کی جانب سے ہر دوسرے روز نت نیا ماڈل مناسب قیمت میں متعارف کرائے جارہے ہیں۔ادھر غیر ملکی موبائل فون کمپنیاں پاکستان میں اپنی برانڈز کی تشہیر کے لیے بھی بھاری رقم خرچ کررہی ہیں تاہم موبائل فونز کی درآمد پر ہر سال کثیر مالیت کا زرمبادلہ بھی ملک سے باہر جارہا ہے جس سے یقیناً بیرونی تجارت کا توازن بھی بگڑ رہا ہے۔ اسٹیٹ بینک آف پاکستان کے اعداد و شمار کے مطابق گزشتہ تین سال کے دوران پاکستان میں 2 ارب ڈالر سے زائد مالیت کے موبائل فونز درآمد کیے گئے ہیں جن کی پاکستانی روپے میں مالیت 2 کھرب روپے سے زائد بنتی ہے۔

پاکستان میں تھری جی اور فورجی ٹیکنالوجی کی آمد کے بعد اسمارٹ فونز اور فیچر فونز کی فروخت میں تیزی سے اضافہ ہورہا ہے۔ موبائل براڈ بینڈ صارفین بشمول تھری جی اور فورجی کی مجموعی تعداد ایک کروڑ 30 لاکھ تک پہنچ چکی ہے جن میں تھری جی صارفین کی تعداد ایک کروڑ 28 لاکھ جبکہ فورجی صارفین کی تعداد ایک لاکھ 40 ہزار تک پہنچ گئی ہے۔ یہ تعداد مستقبل قریب میں یقینی طور پر مزید بڑھے گی اور اس ٹیکنالوجی سے مستفید ہونے والوں کی تعداد بھی تیزی سے بڑھے گی ۔ میرے لیے حیرت کا باعث سمارٹ موبائل فونز اور جدید ٹیکنالوجی کا تیزی سے پھیلاؤ نہیں بلکہ دکھ اور افسوس اس بات کا ہے کہ ہمارے ہاں

ہزاروں تعلیمی درسگاہیں سافٹ ویئر اور آئی ٹی کی تعلیم کے نام پر کاروبار تو کر رہی ہیں لیکن نہ حکومتیں اس انڈسٹری کو مقامی سطح پر سپورٹ کر رہی ہے اور نہ ہی اس شعبے سے وابستہ ماہرین اور کارکن ملک کے اندر ہی پرائیویٹ سطح پر معیاری پیداوار کرکے روزگار کے مواقع پیدا کرنے سمیت مقامی معیشت مضبوط کرنے کی طرف توجہ دے رہے ہیں۔

میرے نزدیک اس خرابی کی ایک بڑی وجہ ہمارا تعلیمی وتدریسی نظام بھی ہے کیونکہ ہمارے ہاں بہترین درسگاہیں بھی طلباء سے صرف بھاری فیسیں وصول کر رہی ہیں انہیں مخصوص سے نصاب میں الجھا دیا جاتا ہے اور تھکا دینے والے سمسٹر سسٹم سے گزار کر آخر میں ڈگریاں ہاتھوں میں تھما کر رخصت کر دیا جاتا ہے۔ یہ نوجوان روزگار کے لیے مارے مارے پھرتے ہیں اور اکثریت مایوس ہو کر دوسرے ممالک کا رخ کر لیتے ہیں یا کوئی اور پیشہ اپنا لیتے ہیں۔ دوسری طرف آئی ٹی وسائنس میں دنیا ترقی کرتے کرتے یہاں تک پہنچ چکی کہ فرانس کے ماہرِ ارضیات نے سیٹلائٹ تصاویر اور سافٹ ویئر کی مدد سے زمین کے نیچے چھپے آبی ذخائر کا پتا لگانے کے کامیاب تجربات کر لیے۔ فرانسیسی ماہرین کے مطابق اب زمین کی پرتوں کو ایسے دیکھا جا سکتا ہے جس طرح کوئی پیاز کے چھلکے اتار کر اس کے اندر جھانکتا ہے، اس طرح دنیا کے پیاسے ترین علاقوں مثلاً سوڈان، کینیا، ایتھیوپیا اور دیگر ممالک میں اسی واٹیکس سسٹم کے تحت پانی تلاش کیا جا کیا

جارہا ہے۔ میں سوچتا ہوں کہ جب دنیا کے دیگر ممالک ترقی کرتے کرتے اتنے آگے نکل گئے تو ہمارے ہاں یہ خرابیاں کیوں ہیں ۔ ہم سالانہ دو کھرب روپے کے موبائل دوسرے ممالک سے خریدنے کے بجائے خود کیوں نہیں بنا سکتے؟ سافٹ ویئر کے میدان میں ہمارے چند نوجوانوں نے اپنی ذہانت سے جو نام بنایا ان کی ہم نے میڈیا میں بہت واہ ،واہ کی لیکن کیا سال میں دو، چار لوگ ہی اس ملک میں ایسے پیدا ہو رہے ہیں اور کیا انکی تعداد اتنی ہی رہے گی ؟

طویل عرصے سے دیار غیر میں قیام پذیر تھوراڑ سے تعلق رکھنے والے ہمارے ایک سینئر دوست سردار علی شاہنواز درست کہتے ہیں کہ کمپیوٹر، لیپ ٹاپ اور موبائلز پر گوگل ، یوٹیوب ، سوشل میڈیا ہم دوسرے لوگوں (غیر مسلموں)کا بنایا ہوا استعمال کرتے ہیں اور برا بھلا بھی انہیں کہتے ہیں، یہ دوغلا پن ہمیں اب ختم کرنا ہوگا اور اپنے دماغ کھولتے ہوئے سائنس و ٹیکنالوجی میں ترقی کرنا ہوگی تبھی ہم ترقی یافتہ دنیا کے ساتھ مقابلے کی دوڑ میں شامل ہو سکیں گے ۔ ہاں جہاں تک بات رہی ان حیلے بہانوں کی کہ ملک میں کرپشن ہے ، میرٹ کی پامالی ہے اور جب ملک میں مثالی نظام حکومت قائم ہو گا تو ہم ترقی کرنا شروع کریں گے تو میرے خیال میں ایسا فوری طور پر ممکن نہیں کیوں کہ جس مغرب نے ہمارے اوپر یہ جمہوری نظام مسلط کیا تھا اس کی بجا طور پر کوشش یہی رہے گی کہ ہم اس کے ماتحت ہی رہیں لیکن کیا ہمارے اپنے دماغ نہیں جو اس

چنگل سے نکلنے کے راستوں پر کام کریں۔

کون، کون، جاگ رہا ہے؟

قارئین کے سامنے آج کچھ اہم ایشوز لیکر حاضر ہوا ہوں، چونکہ بطور صحافی ہمارا کام حکومتی، سماجی و عوامی مسائل کو سامنے لانا ہے اس لیے کوشش کی ہے کہ ایسے کچھ مسائل عوام اور ذمہ دار، اداروں کے سامنے لائے جائیں،اس کے بعد حکومت، عوام سیاسی، سماجی، مذہبی و دیگر تنظیموں، یونینز اور ملکی سلامتی کے اداروں کی ذمہ، داریوں میں شامل ہو جائیگا کہ وہ ان مسائل کو حل کرانے میں اپنا کردار ادا کریں۔

چند اہم ایشوز یہ ہیں۔

آزاد کشمیر میں سرکاری سطح پر قائم سب سے بڑی اور قدیم خورشید نیشنل لائبریری کی غیر ملکی فنڈ سے تعمیر کردہ عمارت اسے واپس دینے کے بجائے حکومت اسے دوسری ادارے کو دینے پر بضد ہے۔ حکومت نے تعلیم، ریسرچ و تاریخ سے عدم دلچسپی کا مظاہرہ کرتے ہوئے عمارت ڈھائی سال قبل سپریم کورٹ آف آزاد کشمیر کو اس کی اپنی عمارت کی تعمیر تک متبادل کے طور پر دی تھی،کتابوں کے لیے مناسب عمارت نہ ہونے کی وجہ سے جگہ کی کمی کے باعث ہزاروں کتابیں اور قیمتی مواد گراونڈ فلور پر پڑے پڑے خراب ہو رہا ہے جبکہ قیمتی کتابیں دیمک لگنے سے ضائع ہو رہی ہیں۔آزاد کشمیر کی یہ سب سے بڑی اور قدیم لائبریری 2005ء کے

زلزلہ میں تباہ ہوئی تھی۔ 35 ہزار سے زائد کتابوں، جریدوں اور مجلّوں پر مشتمل لائبریری کو اپنے پاوں پر کھڑا کرنے اور نایاب کتب کے بچاوکے لیے 2013ء میں نئی عمارت بننے کے بعد اسے ریسرچ اور مطالعے کے لیے کھولا تو گیا لیکن محض ایک سال بعد ہی لائبریری کی عمارت کو ایک دوسرے سرکاری ادارے کو متبادل کے طور پر دے دیا گیا تھا، اب سپریم کورٹ کی اپنی عمارت مکمل ہو جانے کے بعد یہی عمارت دوبارہ لائبریری کو دیئے جانے کی بجائے قانون ساز اسمبلی کے اجلاسوں کے لیے اس لیے دی جارہی ہے کہ آزاد کشمیر قانون ساز اسمبلی عمارت رواں سال مسمار کرکے نئی عمارت کی تعمیر شروع کی جائے گی۔ دوسری جانب 2008 ء میں 15 کروڑ روپے کی لاگت سے آزاد کشمیر میں شروع کیا گیا تحصیل کی سطح پر لائبریریاں قائم کرنے کا منصوبہ بھی حکومتی عدم دلچسپی کے باعث 8 سال گزر جانے کے بعد بھی تاحال مکمل نہ ہو سکا۔

دوسرا اہم ایشو یہ ہے کہ تحریک آزادی کشمیر کو بیس کیمپ کے طور پر دنیا بھر میں متعارف کرانے کے لیے آزاد کشمیر میں سرکاری سطح پر قائم کیے گئے ریڈیو اسٹیشنز کا ہے۔ وفاقی اور آزاد کشمیر حکومت کی عدم دلچسپی کی وجہ سے جہاں کشمیر کی مختلف اکائیوں خاص کر مقبوضہ کشمیر کے عوام سے رابطہ کمزور پڑ چکا ہے۔ وفاقی حکومت نے آزادی کے بعد اپریل 1948 ء کو ریڈیو آزاد کشمیر تراڑ کھل کی نشریات کا باقاعدہ آغاز کیا تھا، آزاد کشمیر کا یہ پہلا ریڈیو اسٹیشن تین

ٹرکوں میں قائم کیا گیا تھا جبکہ مظفر آباد ریڈیو اسٹیشن 1960ء میں قائم کیا گیا لیکن اب ان دونوں ریڈیو اسٹیشنز سے نشریات بند ہیں۔ وفاق میں قائم مختلف حکومتوں نے اپنے اعلانات اور وعدوں کے باوجود آزاد کشمیر کے پہلے تراڑ کھل ریڈیو اسٹیشن کو واپس کیا اور نہ ہی مظفر آباد میں قایم سرکاری ریڈیو اسٹیشن میں مضبوط ٹرانسمیٹر لگا کر اس کی روح کے مطابق فعال کرنے کے اقدامات کیے گئے۔ دوسری طرف آزاد کشمیر ٹی وی بھی ڈمی طور پر قائم رکھا گیا ہے۔ اس میں ملازم تو موجود ہیں لیکن ان کو نہ سہولیات مہیا ہیں اور نہ ہی اس طرف توجہ وفاقی یا آزاد کشمیر حکومت کی کوئی توجہ ہے۔ جبکہ پاکستان کے رولز آف بزنس کے تحت وزارت امور کشمیر قائم کرنے کا اصل مقصد تحریک آزادی کشمیر کو مختلف فورمز پر اجاگر کرنا تھا لیکن پاکستان میں موجود اربوں روپے کی کشمیر پراپرٹی سے بھاری آمدن حاصل کرنے کے باوجود اس وزارت نہ نہ تو مسئلہ کشمیر کو اجاگر کیا اور نہ ہی آزاد کشمیر میں قائم ان وفاقی ابلاغی اداروں کی بحالی میں کردار ادا کیا۔

تیسرا اہم مسئلہ یہ ہے کہ آزاد کشمیر میں لائن آف کنٹرول سے متصل علاقے وادی لیپہ کا زمینی رابطہ بھاری برفباری کی وجہ سے برف کے دوران دوسرے علاقوں سے کٹا رہتا ہے۔ لیپہ ویلی کو مظفر آباد سے ملانے والا واحد زمینی رابطہ ساڑھے 10 ہزار فٹ کی بلندی سے ہو کر گزرتا ہے۔ علاقے کا زمینی راستہ بحال نہ

ہونے اور لیپہ ٹنل کی عدم تعمیر پر ریشیاں کے مقام پر متاثرین نے گزشتہ ماہ احتجاجی ریلی نکالتے ہوئے اسلام آباد کی طرف مارچ کا اعلان کیا تھا۔ مظفرآباد سے 105 کلومیٹر دور 80 ہزار سے زائد آبادی پر مشتمل کنٹرول لائن سے متصل وادی لیپہ اپنے مخصوص حدود اربعہ کے باعث دفاعی اہمیت کا بھی حامل علاقہ ہے۔ وفاقی حکومت لیپہ ٹنل بنانے کا بارہا اعلان تو کر چکی ہے چند سال پہلے اس منصوبے کے لیے رقم بھی مختص ہوئی تھی جسے بعد میں سالانہ اے ڈی پی سی نکال دیا گیا تھا۔

چوتھا اہم مسئلہ یہ ہے کہ آزاد کشمیر میں قایم پیپلز پارٹی حکومت خطے میں تعلیمی انقلاب کے نعرے اور دعوے تو کرتی رہی ہے لیکن اداروں کو معیاری نہیں بنایا جا سکا۔ وفاقی ادارے اور اتھارٹیاں ہمارے ان تعلیمی اداروں پر بھروسہ نہیں کر رہے۔ ایسا ہی کچھ پاکستان انجنیئرنگ کونسل نے کیا، کونسل نے جامعہ آزاد کشمیر کو معیار پر پورا نہ اترنے کی وجہ سے ایکریڈیشن دینے سے انکار کر رکھا ہے۔ جامعہ کشمیر میں شعبہ سافٹ ویئر انجنیئرنگ کے سینکڑوں طلباء گزشتہ چند سالوں سے اپنی ڈگریوں کی پاکستان انجنیئرنگ کونسل سے ایکریڈیشن نہ ہونے کی وجہ سے سراپا احتجاج رہے ہیں اور حکومت سے مطالبہ کرتے رہے ہیں کہ جامعہ کشمیر میں 2009ء میں شعبہ سافٹ ویئر انجنیئرنگ کو پی ای سی کے رجسٹریشن کے معیار کے مطابق ماہر اساتذہ پر مشتمل الگ فیکلٹی نہیں بنا کر دی

جائے۔ایسا ہی حال ہماری دیگر جامعات اور میڈیکل کالجز کا ہے جن کے معیار پر سوالیہ نشان اٹھتے رہے ہیں اور طلبہ وطالبات مختلف تحفظات کا شکار رہتے ہیں۔

یہ چار اہم مسئلے آپ قارئین کے سامنے آچکے ہیں اب آپ اس جاگتے معاشرے کے لوگ بھی اپنی ذمہ داریاں نبھائیں اور ان ایشوز پر اپنے طور پر تحقیق وتصدیق کرتے ہوئے ان کو حل کرنے کی کوشش کریں۔

سائنسی ترقی کی دوڑ سے دور آزاد کشمیر

رواں ماہ صحافیوں کے 15 رکنی وفد میں شامل ہو کر 3 دن تک پنجاب حکومت کی میزبانی نصیب ہوئی ۔لاہور میں جہاں مختلف منصوبے اور تاریخی مقامات دکھائے گئے وہیں ارفع کریم آئی ٹی ٹاور کا دورہ اور بریفنگ بھی دی گئی۔ دورے کی تفصیلات سے پہلے آگاہ کرتا چلوں کہ یہ آئی ٹی پارک جس طالبہ کے نام سے منسوب ہے وہ فیصل آباد سے تعلق رکھنے والی مرحومہ ارفع کریم رندھاوا تھی، جس نے سال 2006 ء میں صرف 9 برس کی عمر میں مائیکرو سافٹ سرٹیفائیڈ پروفیشنل امتحان پاس کرکے عالمی ریکارڈ قائم کیا،ارفع کریم کو 2012ء میں مرگی کا دورہ پڑا، جس نے سانس کی ڈوری توڑ ڈالی تھی ۔اس طالبہ کی صلاحیتوں کے اعتراف میں وزیر اعلیٰ پنجاب شہباز شریف نے اس اہم پارک کو ارفع کریم کے نام سے منسوب کیا تھا۔ڈی جی پی آر پنجاب ٹیم کے ہمراہ آئی ٹی ٹاور کے دورے میں پنجاب آئی ٹی بورڈ کے چیئرمین ڈاکٹر عمر سیف اورانکی ٹیم نے اس شعبے میں پنجاب بھر میں ہونے والی پیش رفت کے حوالے سے آگاہ کیا۔ تعلیم ، صحت ، مال، پولیس و دیگر تمام سرکاری اداروں میں انفارمیشن ٹیکنالوجی کے عمل دخل کے اثرات اور مستقبل میں ہونے والے ممکنہ ثمرات سے آگاہ کیا۔ لاہور دورے کے بعد واپس مظفرآباد لوٹا تو سوچا کہ اس شعبے پر لکھنے سے پہلے کچھ مطالعہ کرلوں۔

ضروری بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اکیسویں صدی کی انسانی زندگی میں کمپیوٹر کو ایک لازمی حیثیت حاصل ہو چکی ہے جبکہ کمپیوٹر سائنس ایک ایسا بنیادی سائنسی مضمون ہے جس کے دائرہ کار میں میڈیسن انجینئرنگ ، علم حیاتیات ،ابلاغ، تجارت اور آرٹس یعنی زبانیں ، ادب ، تاریخ بھی آتے ہیں۔ پچھلے دو عشروں میں اس علم نے ابتدائی مرحلہ سے شروع ہو کر دنیا کی سب سے بڑی اور سب سے زیادہ ترقی یافتہ صنعت کی جگہ لے لی ہے۔ کمپیوٹر سائنس کی بنیادیں پختہ طور پر انجینئرنگ اور ریاضی کے علموں میں مضبوطی سے پیوستہ ہیں اور ساتھ ہی اس کا تعلق لسانیات ، نفسیات اور دوسرے مضامین یا علوم سے ہے۔ کمپیوٹر سائنس کا اثر دنیا کے ترقی یافتہ ممالک سے لیکر پسماندہ ترین علاقوں تک بغیر کسی تفریق کے پھیلا ہے۔ ہم چونکہ اپنی سستی اور نا اہلی کے باعث تیسری دنیا کے باسی تصور کیے جاتے ہیں اس لیے ہم تک کمپیوٹر سائنس کے ثمرات کچھ بعد میں پہنچائے گئے۔

پاکستان میں اب تھری جی اور فور جی کی آمد کے بعد اور خاص کر پنجاب میں آئی ٹی کے فروغ کی بدولت دنیا بھر میں آئی ٹی کمپنیوں کی سرمایہ کاری کے لیے یہ ملک ایک پر کشش مارکیٹ کے طور پر ابھرا ہے۔ اب شہریوں کو لاہور ، کراچی اور اسلام آباد میں اگر گاڑی کا تیل بدلوانا ہو، بیڑی تبدیل کروانی ہو یا گاڑی

کی کوئی اور خرابی دور کروانا ہو تو مکینک کی دکانوں کے چکر لگانے کی ضرورت نہیں، موبائل ایپ کی ٹیکنالوجی کی بدولت اب یہ سروس شہریوں کے دروازے پر دستیاب ہو رہی ہے، یہ سروس لاہور یونیورسٹی آف منیجمنٹ سائنسز کے سابق طلبہ کی ایک کمپنی 'آٹو جینی' نامی کمپنی کی جانب سے شروع کی گئی ہے۔ اسی طرح گذشتہ برس ملک میں ٹیکنالوجی کی بنیاد پر کام کرنے والی 29 نئی کمپنیوں یا سٹارٹ اپس میں تین کروڑ پچاس لاکھ ڈالرز کی غیر ملکی سرمایہ کاری ہوئی ان میں سے 24 کمپنیاں لاہور کی ہیں۔ پاکستان میں نوکریوں کے حصول کا سب سے بڑا ویب پورٹل روزی ڈاٹ پی کے گاڑیوں کی خرید و فروخت کی سب سے بڑی ویب سائٹ پاک ویلز اور جائیداد کی آن لائن خرید و فروخت کا سب سے بڑا ویب پورٹل زمین ڈاٹ کام بھی لاہور سے ہی چلائے جا رہے ہیں۔

صوبہ پنجاب میں آئی ٹی کے شعبے میں ہونے والی اس تیز ترقی کی وجہ وہاں موجود پنجاب انفارمیشن ٹیکنالوجی بورڈ کے 'پلان ایکس' اور لاہور یونیورسٹی آف منیجمنٹ سائنسز کے 'سینٹر آف انٹرپرینیورشپ' جیسے 'ٹیک انکوبیٹر' یا ٹیکنالوجی کو فروغ دینے کے ادارے ہیں۔ ان 'انکوبیٹرز' میں ٹیکنالوجی سے متعلق کاروباری آئیڈیا رکھنے والے ملک بھر سے آنے والے نوجوانوں کی نہ صرف حوصلہ افزائی کی جارتی ہے بلکہ انھیں تکنیکی اور مالی مدد بھی فراہم کی جا رہی ہے۔ یہی نہیں پنجاب آئی ٹی بورڈ نے اپنے سٹاف ڈویلپمنٹ ڈائریکٹوریٹ میں

ای۔ لرن پنجاب پروگرام شروع کر رکھا ہے جس کا بڑا مقصد سرکاری سکولوں کے نصاب کو ڈیجیٹائز کرکے طلبہ اور اساتذہ کو جدید ذرائع تعلیم وتدریس سے آراستہ کرنا ہے۔ دوسری جانب پنجاب انفارمیشن ٹیکنالوجی بورڈ کے مختلف منصوبے ناخواندگی، بیماری، بدعنوانی، رشوت ستانی، پست صنعتی و معاشی نمو اور گورننس کے مسائل حل کرنے میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔

ہمارے ہاں آزاد کشمیر میں ایسی جدید سہولیات سے فائدہ اٹھانے اور عوام کو بروقت اور باآسانی بنیادی سہولتیں دینے کیلئے مختلف ادوار کی حکومتیں اور ادارے ہچکچاہٹ کا شکار ہے ہیں،ایک بڑا المیہ یہ بھی ہے کہ علاقے میں معیاری تعلیمی درسگاہیں موجود نہیں نہ ہی طلبہ کی تعلیم وتربیت کے ساتھ روزگار کے مناسب مواقع موجود۔ 4 ہزار مربعہ میل والے آزاد کشمیر کی کل آبادی 45 لاکھ، جن میں 10 لاکھ بیرون ممالک میں، 2 لاکھ سے زائد افراد پاکستان کے مختلف مقامات پر ملازمت میں ہیں،آزاد کشمیر میں سرکاری ملازمین بھی سوا لاکھ کے قریب ہیں۔ دفاع، خارجہ امور، بڑے ترقیاتی منصوبوں سمیت فنانس کے تمام معاملات وفاقی حکومت کے کنٹرول میں ہیں۔ مختلف ادوار کی مقامی حکومتیں تین درجن سے زائد محکمے قائم کرکے ان میں افسران و ملازمین تو سیاسی بنیادوں پر بھرتی کرتی آئیں لیکن مختلف شعبہ جات کے پروفیشنلز کی خدمات نہیں لی گئیں جس وجہ سے سنجیدہ طبقے کا حکومتوں اور ان سرکاری اداروں پر بھروسہ ختم

ہو چکا ہے۔آپ آزاد کشمیر کے کان اداروں کی ویب سائیٹس ہی دیکھ لیں تو اندازہ ہو جائے گا کہ حکمران طبقہ اور پالیسی میکر عوام کو بنیادی معلومات تک رسائی دینے کے لیے کس حد تک سنجیدہ ہیں۔ محکمہ تعلیم، محکمہ مال، محکمہ پولیس اور صحت کو بائیو میٹرک نظام سے منسلک کرنے کی طرف حکومت کی دلچسپی نہیں۔ایسے میں آئیندہ یہاں قائم ہونے والے حکومت کو چاہیے ہو گا کہ وہ قومی و بین الاقوامی اداروں کی استعداد کار اور مقامی مارکیٹ کو مد نظر رکھتے ہوئے سائنس و ٹیکنالوجی کے حوالے پالیسی مرتب کرے اور اس پر عمل پیرا ہو۔

نشہ یا ثقافت۔۔۔؟؟

تحریر، مجیب الرحمٰن

جیب سے نکال کر بڑی مہارت سے مثلث، بیوی یا گول ہلکی سی پڑی کی آواز کش کش کے ساتھ بنانا شروع کرتے ہوئے اور پھر مزے کے ساتھ بنائی ہوئی چھنڈی ہونٹے کے نیچے رکھ لیتے ہیں۔جو غالباً6 سے 10 منٹ تک منہ میں پڑھی رہتی ہے لیکن جوں ہی ذائقہ ختم ہو جائے تو نسوار خورا سے پھینک کر نئی چھنڈی کی تیاری پکڑنا شروع کرتے ہیں اسی طرح لوگ دن میں دو پُڑی کئی ایک دن تک استعمال کرتے ہیں لیکن تین سے چار دن میں میں پُڑی خود بخود بیکار ہو جاتی ہے۔ چھنڈی اتنی ٹائٹ اور مضبوط ہوتی ہے اگر زور سے زمین پر دے ماریں تو ٹوٹتی نہیں اگر مساجد کے وضو خانوں، کمروں میں چارپائی یا کارپٹ کے نیچے استعمال شدہ چھنڈیاں آپ کی نظروں میں آتی ہوں گی۔ لیکن اگر کوئی ان کے خلاف بولنے پر آجائے تو عموماً یہ تذکرہ شروع ہو جاتا ہے کہ ''بابا تم کیوں جانو نسوار کا مزہ فوراً فوائد گننا شروع کر دیتے ہیں'' سر درد، دانتوں کے درد اور بڑی وار ہر پریشانی سے چھٹکارہ۔ ایک شاندار سا لطیفہ نسوار کے حوالے سے بہت مشہور ہے ایک بادشاہ نے اپنے درباریوں سے پوچھا کہ دنیا میں وہ کونسی

چیز ہے جس میں لینے والے کا ہاتھ اوپر اور دینے والے کا نیچے ہو تو ایک نشائی وزیر نے کہا کہ بادشاہ سلامت وہ نسوار ہی ہے کہ جس میں دینے والے کا ہاتھ نیچے اور لینے والے کا ہاتھ اوپر ہی ہوتا ہے جس میں وہ پُڑی پکڑ کر پیش کرتا ہے۔ یہ وہ شہ ہے کہ جس سے بلا جھجک بلا تعارف مانگا جا سکتا ہے کچھ لوگ تو اس کے شوق کی بدولت ڈبی میں سنبھال کر رکھتے ہیں بعض رات سوتے وقت بھی منہ میں رکھ کر سو جاتے ہیں اور صبح اٹھ کر ریفریش کرتے ہیں کچھ نسوار خور اپنے فن کا مظاہرہ کرکے اپنے لیے خود تیار کرتے ہیں تمباکو اٹھا کر چونا ملا کر راکھ میں مل کر نسوار جو کہ کالی، سبز بھورا اور کچھ سرخ رنگ کے قریب اور بعض "ست" میں ملا کر جو کہ نسوار کے اثر کو اور تیز کرتا ہے بنانا شروع کرتے ہیں جذباتی لوگ نسوار کے بارے میں اپنی ریسرچ کی وساطت سے بتاتے ہیں یہ کہ انسانی غصہ کو کنٹرول کرتا ہے یعنی دماغ کے حصے برین سٹریم (Brain Stem) پر اثر انداز ہوتے ہیں اگر نسوار خور اس کو استعمال نہ کریں تو وہ جھگڑالو، غصہ اور ہیبت ناک تصور کیا جاتا ہے جو ہر وقت شارٹ ہو اور ساتھ مثال دیتے ہیں کہ اکثر رمضان المبارک کے مہینے میں آپ نے دیکھا ہو گا نسوار آجکل پوری دنیا میں عام ہے پاکستان اور افغانستان میں جسے قومی پھل کے عنوان سے تصور کیا جاتا ہے۔ خصوصاً خیبر پختون خواہ میں شائقین بکثرت ملتے ہیں جس میں ہر عمر کے لوگ بچے، جوان لوگ حتیٰ کہ بعض بوڑھی عورتیں بھی اس نشے میں مبتلا پائی جاتی ہیں اگر کچھ لوگ اپنے دوستوں کے

اٹھنے بیٹھنے سے اس کے عادی ہو گئے ہوں تو کچھ لوگ اپنے آپ کو مصروف رکھنے کے لیے اس میں ضرور مشغول ہوئے ہوں گے۔ ایک دفعہ ایک شخص سے پوچھا گیا کہ بھائی آپ اس کے عادی کیسے ہوئے تو وہ کہنے لگا کہ میرے دانت میں درد تھا کسی نے کہا کہ نسوار کے ساتھ درد دور ہو جائے گا تو میں نے نسوار رکھ لی عارضی طور پر درد دور ہو ئی جب درد آجاتی ہے تو میں نسوار کی چھنڈی رکھنے پر آجاتا اسی طرح مجھے اس کی عادت ہوئی پاکستان میں نسوار کے لیے اسپیشل تمباکو صوابی سے آتا ہے جس پر حکومت پاکستان سالانہ ٹیکس بھی وصول کرتی ہے یہاں پر کچھ لوکل مشہور نسوار جیسے آلائی نسوار، نیشنل نسوار، کوہاٹی نسورا، یوسف شاہ نسوار کافی مشہور ہیں خیبر پختونخواہ میں بکثرت استعمال کو دیکھ کر لوگ اس بات کی تاکید کرتے ہیں کہ یہ پٹھانوں کی ثقافت ہے اور غلط فہمی میں کہتے ہیں کہ اسے پٹھانوں نے ایجاد کیا اور عربی کے مشہور مقولہ لوگوں کے سامنے رکھ دیتے کہ کہ ''نسوار جنت کی مٹی اور پٹھانوں کی سنت ہے'' (عربی سے ترجمہ

تو معزز قارئین یہ تحریر پڑھ کر آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ فیصلہ کر سکیں یہ ثقافت نہیں نشہ ہے اور اس سے پٹھانوں نے نہیں بلکہ ایک راہب نے ایجاد کیا۔ نسوار کی ابتداء امریکہ جو آج کل سُپر پاور تصور کیا جاتا ہے کہ ساتھ ہوئی جب کولمبس امریکہ کا موجد اپنے قافلے کے ساتھ 1493 سے 1496 میں نکلا تو

اس کے قافلے میں ایک راہب ریمن پن نے اپنی ذہنی تھکاوٹ دور کرنے کے لیے تمباکو چونا اور مختلف چیزوں کا آمیز بنا کر اپنے ساتھ کچھ ذخیرہ بھی کیا اور بعض موقعوں پر اس کا استعمال بھی کرتے تھے۔ کچھ لوگ یہ بات بھی کرتے ہیں کہ اس کے ساتھ دماغ تیز ہو جاتے ہیں تو پھر کولمبس بھی خود اس نشے کا عادی ہوا تھا۔ جس کی دماغ کی تیزی کی بدولت امریکہ دو براعظموں پر مشتمل ہے بہر حال نسوار کی جڑیں یہاں سے شروع ہوئیں۔1556 میں نسوار کی تیاری کا کام کافی زور پکڑتا گیا اور تقریباً طبقہ اشرافیہ میں کافی حد تک مقبول ہوا کچھ ہونا ہو بس نسوار کے معقولے کو عملی طور پر اسی دور میں اپنا نے اسے (Lisbon Jean Nicto) یا گیا نسوار کے کچھ نقائص کے بنیاد پر فرانسیسی سفیر بیماری کا سبب قرار دیا تو اس کے مخالفت میں تحریکیں اٹھنا شروع ہو گئیں۔ جیسا کہ کی جانب سے اس کی خرید و فروخت اور استعمالات (VII) سترویں صدی میں پوپ اربن اور ہر قسم کی تیاری پر پابندی لگا دی جو کہ تاریخ کے داستانوں میں محفوظ پڑی ہیں۔ میں امریکی حکومت نے اس پر ٹیکس لاگو کر دیا کیونکہ اس کو عیش و عشرت یا1794 پیسے اڑانے اور فضول خرچی کی نشانی سمجھی جانے لگی اس کے مواد فراہم کرنے والوں کے خلاف کاروائی بھی کی گئیں، اسی طرح اگر روس سے اس کی ابتداء کی بات کی جائے تو نے اسے ناک کے ذریعے سے نسوار کی استعمال (TSAR MICHEAL) وہاں ایک شائق کر دی اور کہا کہ اس کی دشواری کا مسئلہ حل ہو سکتا ہے بعض دفعہ اس کے ساتھ لوگ بہوش بھی ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے فرانس

کے بادشاہ لوئس نے اس پر حد مقرر کر دی اور کہا کہ یہ خود کشی کے زمرے میں آتے
کی طرح Impulse ہیں جو کہ انسانی اعصاب پر اثر انداز ہونے والا فیکٹر ہے نروس
سارے بدن میں پھیل جاتا ہے اور نشائی کچھ وقت کے لیے ہلکی سی اونگھ میں مبتلا ہو
جاتا ہے لیکن جوں ہی کوئی نسوار ہاتھ لگے تو بجلی کی طرح تروتازگی سارے جسم میں
نامی میگزین نے Gentle Women پھیل جاتی ہے اٹھارویں صدی میں پرتگال میں
اس پر تبصرے کیے ہیں ان کی اقسام بیان کیے ہیں۔ جو کہ نسوار کے لیے شہرت یافتہ باب
شمار کیا جاتا ہے اس کے ساتھ افریقہ کے کچھ علاقوں دیہاتوں میں منہ یا ناک کے ذریعے
سے اس کی استعمال شروع ہوئی۔ اگر برصغیر پاک و ہند کی بات کی جائے تو یہاں پر یہ
وغیرہ نے متعارف کروائی East Indian Company .برانڈ غیر ملکی کمپنیوں جیسے
انیسویں صدی سے لے کر بیسویں صدی تک نسوار کا استعمال .برصغیر پاک وہند میں کافی
مقبول ہو چکا تھا۔ چونکہ یہاں وسطی ایشیاء کے ممالک قازستان ، کرغیزستان ،تاجکستان
اور خاص طور پر افغانستان اسپیشل قسم کے تمباکو کو .برآمد کرتے آرہے تھے۔ جس کی
بدولت نسوار بنانے والوں نے اپنے فن کے مظاہرے کا موقع ضائع نہیں کیا۔ 2004 کی
عالمی رپورٹ کے متعلق روس میں 60710 ٹن یعنی 16500 ڈالر تک اس کا استعمال
پہنچ گیا تھا جو وسطی ایشیاء سے .برآمد کی جاتی رہی اگر ایک طرف سے استعمال کی شہرت
پائی تو دوسری طرف نسوار پر لگنے والی پابندیوں نے بھی اس کے استعمال اور مقبولیت
میں کافی حد تک اضافہ کیا۔ 2006 میں ترکمانستان کے

نے استعمالات پر پابندی لگائی تو دوسری طرف 2011اورBerdi Muhomedo نے اس کے خلاف Duma State میں بالترتیب قازقستان اور روس کے 2013 کے زمرے میں ڈالا گیا انNicto Addication اصلاحات پاس کیے ہیں اور اس کو تمام صورتحال کو دیکھ کر ہم کہنے کے قابل ہوں گے کہ نسوار عالمی فیشن اور برانڈ ہر طبقہ کے لوگ استعمال کرتے آرہے ہیں۔ نسوا کے نقائص بہت ہیں مثلاً منہ کے اعصاب کا کمزور ہو جانا، منہ سے بدبو کا آنا، معدے کی تیزابیت، پیپسین کو متاثر کرنا، دانتوں کا سڑ جانا تاہم ہونٹوں کی سرخی میں مدھم پن آجانا وغیرہ لیکن ہمارے معاشرے میں نصیحت اور رہنمائی کا اثر الٹ ہو جاتا ہے کسی کی اچھائی کے لیے نکلو تو وہی آستین کا سانپ بن جاتے ہیں تو پھر ہم اپنی زبان پر تالا لگاتے ہوئے کہتے ہیں کہ دانتوں سے محفوظ رہا کریں کہیں ایسا نہ ہو کہ دانتوں کی تیزی نصیحت کے عوض تمھیں کاٹ نا لیں۔ لہذا زبان خاموش رہیں کیونکہ نسوار نشہ ہے ثقافت نہیں اور نسوار خور کے سامنے نقصانات گنوانا اپنے ساتھ زیادتی ہے۔ لہذا قلم اپنی رائے کے اظہار سے ڈرتا نہیں کیونکہ جب قلم اٹھتا ہے تو جعل سازی کو فاش کر کے حقیقت اور سچائی کو عیاں کر دیتا ہے۔ بس صرف قلم اٹھنے کا انتظار ہی رہتا ہے۔

پیلی ٹیکسی کی ڈرائیونگ کا انوکھا تجربہ

، ایک دوست کے پاس پیلے رنگ کی ٹیکسی نما کار ہے
جسے وہ ذاتی سواری کے طور پر کبھی کبھار استعمال کرتا ہے۔
،چند ماہ پہلے وہ مجھے دوسرے شہر سے ملنے آیا
ایک دن اور رات ساتھ گزرے۔
واپسی کے وقت اسکی طبعیت ناساز ہوگی۔ پھر بھی اس کا جانا بھی ضروری قرار پایا۔
میں نے حالات کی نذاکت کو بھانپتے ہوئے ساتھ جانے کا فیصلہ کیا۔
ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی۔ وہ حیران تھا کہ میں 40، 50 سالہ پرانے ماڈل کی گاڑی کیسے چلاوں گا۔
شہر چھوڑنے سے قبل اسمبی گیٹ سے کچھ آگے ٹریفک شعبہ سے منسلک پلس بھائیوں نے روک دیا۔
مقامی و غیر مقامی کے سوالات کے جواب دیئے،گاڑی کا غذات دکھائے ،تو جانے دیا گیا۔
!شہر سے باہر نکلے تو دوست کہنے لگا کہ میر صاحب۔۔۔
یہ گاڑی آپ کے شایان شان نہیں۔

آپ کا کوئی جاننے والا آفیسر یا سیاست دان یہ چلاتے ہوئے آپ کو دیکھ گیا تو کیا سوچے گا؟

میں نے عرض کیا کہ مجھے لوگوں کی فکر کم،، آپ کا خیال زیادہ ہے۔

اتنے میں ایمز ہسپتال سے آگے نکلے تو پولس کا روائیتی ناکہ آگیا۔

اشارہ کیا گیا کہ گاڑی سائیڈ پر لگاؤ تو حکم کی تعمیل کی۔

گاڑی کا ملک دوست کاغذات اٹھا کر نکلنا چاہتا تھا کہ میں نے روک لیا۔

پولس وین کے اندر تھری سٹار والے پولیسیے بابو نے پوچھا کدھر سے آے ہو۔ کہاں جارہے۔؟

شریف شہری کے طور پر درست جواب دیے۔کاغذات دکھاے تو جانے دیا گیا۔

کچھ آگے.بڑھے تو چونگی والے نے رکنے کا اشارہ کیا۔

عرض کیا یہ ذاتی استعمال کی گاڑی ہے۔ تو جانے دیا گیا۔

دوست نے کہا کہ آگے کہیں سے پانی کی بوتل یا جوس کیلئے رکیے گا۔

سگار پینے کے ہم عادی نہیں، نسوار کبھی چکھنے کی ہمت نہ ہوئی۔

سو، بھوک کی شدت میں کمی لانے کیلئے مارکیٹ رکے تو پانی کی دو عدد بوتلیں، ساتھ کچھ سیب اور امرود لے لیے۔

کوئی 10 منٹ کا سفر طے کیا ہو گا کہ پھر سے پولس بھائیوں کی وین سائیڈ پر کھڑی ہماری منتظر دکھائی دی۔

ترش لہجے میں سوال کیا گیا۔ ٹیکسی اپنی ہے یا چوری کی۔ ؟

ایک اسٹار والے قدرے لمبے تڑنگے اس پولیسیے کو جواب دینا چاہتا تھا کہ دوست بول پڑا۔
گاڑی اپنی ہے۔ ٹیکسی کے طور پر نہیں ذاتی استعمال کرتا ہوں۔
دوست نے کاغذات دکھانے کی آفر بھی کی۔۔ لیکن چھوٹی پھیتی والے بابو بات
الجھانے کے موڈ میں تھے۔
میں دروازہ کھول کر اترا،، پوچھا،، کون سی چوکی یا تھانے سے ہو؟
جواب ملا، ہم جہاں کھڑے ہوں وہی ڈیوٹی کی جگہ ہوتی ہے۔
یہاں 5،7 منٹوں میں وہاں سے درجنوں گاڑیاں بنا کسی روک ٹوک کے گزر گئیں۔
پوچھا کیا چاہتے ہو؟ کہنے لگا کاغذات اور روٹ پرمٹ دکھایئے اور جایئے۔
بھلا ٹیکسی کا پرمٹ کون اور کیوں بنائے گا جبکہ علاقائی سیٹ اپ سے باہر جانا نہیں تھا۔
دوست نے کاغذات دکھائے تو پرمٹ پر سوال و جواب دونوں نے نپٹائے تو ہم پھر سے
روانہ۔
کوہالہ سے پہلے غیر ملکیوں کے اندراج کیلئے لگائے گئے ناکے پر پھر روکا گیا تو وہی رسمی
سوال جواب کا سلسلہ۔
کہاں سے آئے۔ کہاں جا رہے ہو۔
کہا آبائی شہر راولاکوٹ جا رہے، اول باشندہ ریاست ہیں۔ چاہے تو شناختی کارڈ دیکھ لو۔

پیلی ٹیکسی پر دونوں سواروں کے یہاں بھی 8 منٹ ضائع کرائے گئے۔
یقین مانیے۔ سوائے ہمارے باقی تمام گاڑیوں سے رسمی چیکنگ اور سوال جواب کیے گئے۔
خدشہ ہوا کہ شاید کسی نے مخبری کی ہو کہ پیلی ٹیکسی خاص ہے یا میری.برداشت چیک کر رہے۔
پھر گمان ہوا کہ شاید ملک کے امن کیلئے خطرہ قرار دیئے جا چکے تھے ہم۔
دھیر کوٹ کی حدود میں داخل ہوئے۔ تو دوست نے کہا کہ آپ اپنا تعارف کیوں نہیں کراتے یا کارڈ دکھاتے۔
بس اتنا عرض کیا کہ کارڈ دکھانے کی ہر جگہ عادت نہیں۔
نہ یہاں کسی ڈیوٹی پر ہوں۔ اوپر سے ان لوگوں کی دیوٹی پوچھ کچھ کرنا ہے۔
ہم قانون کی پاسداری نہیں کریں گے تو کہا جائے گا کہ یہ لوگ کیوں بااثر لوگوں پر تنقید کرتے ہیں۔
دھیر کوٹ سے پہلے ایک اور چونگی والے نے روکنے کا اشارہ کیا۔
رکے تو وہی سوال جواب اور روانگی۔
دھیر کوٹ پہنچے تو سکھ کا سانس لینے کی غلط فہمی ہوئی۔
شہر چھوڑا ہی تو آگے پھر سے پیلی ٹیکسی کو چونگی کیلئے روک لیا گیا۔
پھر سوال جواب ، اور آگے بڑھے۔
کوئی دو سے تین منٹ کا سفر کیا ہو گا کہ دھیر کوٹ پولس نے پیلی ٹیکسی پر شک

کرتے ہوئے روک لیا۔

گاڑی کی تلاشی لی گئی۔ کچھ نہ ملا سوائے ایک پنکچر زدہ ٹائیر کے۔

اب سوال و جواب۔ بابو جی۔ کہاں سے آئے اور کدھر جا رہے۔

راولاکوٹی بولی میں بتایا کہ مظفرآباد تھی آئے دیان راولاکوٹ جلنیاں۔

پھر کاغذات کی چیکنگ اور روانگی۔

غازی آباد سے نیچے جنگل میں ہوٹل کنارے رکے۔ عمر رسیدہ شخص کی بنائی گئی چائے کی چسکیاں لی پھر روانہ۔

ارجہ بازار میں پھر ٹریفک سے منسلک بھائیوں نے پیلی ٹیکسی کو دھر لیا،، سوال جواب اور روانگی۔

شغل شپہ لگائے رکھا کہ دوست کو ندامت نہ ہو کہ اس کے ساتھ خرابی صحت کی وجہ سے آیا تو یہ سب سہنا پڑا۔

دل ہی دل میں کڑھتا رہا لیکن زبان خراب نہ کی۔

ٹائیں کراس کے ناکے پر پھر سے روک لیا گیا۔ شاید آج کا دن تھا ہی چیکنگ کا۔

یہاں دوست کا قومی شناختی کارڈ دیکھا گیا تو پھر جانے دیا گیا۔

راولاکوٹ شہر کے داخلے پر پھر روک لیا گیا کہ چونگی دے جاو۔

دماغ کی بتی اس وقت تک کافی اوپر چڑھ چکی تھی لیکن برداشت کیا۔

دوست نے معاملہ رفعہ دفعہ کیا۔

گھر پہنچا تو دوست نے سیٹ سنبھالی۔ وہ اپنے ٹھکانے کو روانہ ہوا۔

ہم لوگ ساڑھے تین سے چار گھنٹے کا سفر 5 گھنٹے سے زائد میں طے کر آئے تھے۔
پولس بھائیوں نے نہ کچھ مانگا اور نہ ہم نے دیا لیکن بار بار پیلی ٹیکسی کو روک لیا جاتا تو میٹر گھومنا شروع ہو جاتا۔
ویسے ،، پبلک و پرائیویٹ گاڑیوں پر سفر کی عادت ہے لیکن ایسی ذلالت نہیں دیکھی جو پیلی ٹیکسی پر ہوئی۔
دوست بعد میں ملا تو اسے کہا گاڑی کا کوئی اور رنگ تبدیل کر دو تو بلا وجہ نہیں روکے جاو گے۔
اس نے حامی بھری۔ اب معلوم نہیں رنگ تبدیل کیا یا نہیں۔
سوچتا ہوں۔ نئے چیف سیکرٹری اور آئی جی پولیس کو مفت میں مشورہ دے دوں۔
!!بشیر میمن صاحب۔۔
آپ نے آئی جی پولیس آزاد کشمیر کا چارج سنبھالنے پر ذاتی سیکورٹی مکمل ختم کر کے اچھا کیا۔
اب دو، تین اہم روٹس پر کبھی بغیر وردی کے اور پرائیویٹ گاڑی پر سفر کریں اور ایک عام شہری یا سیاح کے طور پر سوالوں کے جواب دے کر دیکھیں۔
شاہرات پر کھڑی نفری اور چوکیوں پر تعینات عملے کی تربیت کرانے کا بندوبست بھی کریں۔
پولس والوں سے 24، 24 گھنٹے ایک ساتھ دیوٹی لینے کی بجائے شفٹ کا نظام اپنا لیں۔

آزاد کشمیر کے اہم داخلی اور خارجی راستوں پر چیکنگ کا نظام انتہائی سخت رکھیں۔
بلا تفریق تمام گاڑیوں کو چیک کیا جائے۔ یہ جگہ جگہ ناکے لگا کر لوگوں کو تنگ نہ کیا جائے۔

!! چیف سیکرٹری سکندر سلطان راجہ صاحب۔۔

ایک شہر میں چار چار چانگیوں کے بجائے ان کی تعداد کم اور چونگی میں اسی تناصب سے اضافہ کرادیں۔

تفریح کیلئے آنے اور جانے والوں کو یہ بلدیہ یا میونسپل کارپوریشن کے نام پر چونگیاں لینے والے اعلیٰ تعلیم یافتہ ملازمین عزت افزائی میں کثر نہیں چھوڑتے۔

بڑے داخلی راستوں پر باہر سے آنے والوں کیلئے ایک ہی چنگی ہونی چاہیے۔ جو رسید جاری کرے تو واپسی پر وہ رسید جمع کرا کے علاقہ چھوڑ سکے۔

ختم شد

عوام ٹیکے کیلئے تیار رہے !

اسد ممتاز

اسکول کا دور تھا، ہم تیسری جماعت کے طالب علم تھے۔ مجھ سمیت دیگر کئی دوستوں کے لیے ایک چیز ایسی تھی جس کا ڈر ہمیں سب سے زیادہ ہوا کرتا تھا۔ سال کے کسی ایک دن جب ہمارے کانوں میں " ویکسی نیشن " کا لفظ پڑتا تو ہر کوئی اپنے آپ کو اُس بھیانک ٹیکے سے بچانے کی تگ و دو میں لگ جاتا۔

اس لا حاصل سی جستجو کے بعد ہم پردے کے پیچھے سے آنے والے ہر مظلوم دوست کا چہرہ دیکھتے اور اندازہ لگاتے کہ ٹیکہ بازو میں لگا ہے یا کہیں اور !

پہلی صورت میں تو بچت ہوجایا کرتی تھی لیکن دوسری صورت میں دوستوں سے بہت " ہِٹ " لگا کرتی تھی۔

ٹیکے کی اس لیے یاد آئی کہ آزاد کشمیر میں ویکسی نیشن کا وقت بھی قریب ہے اور تاریخ بھی 21 جولائی کی پڑ چکی۔ تمام سیاسی پارٹیاں اپنے اپنے ٹیکے اور سرنجیں لیکر تیاری میں مصروف ہیں۔ کسی کا ٹیکہ تین سی سی کا ہے تو کسی نے اس دفعہ عوام کو چھ سی سی کا ٹیکہ لگانے کا ارادہ کر رکھا ہے۔ تمام پارٹیوں

کی دوائی کا رنگ اور ذائقہ الگ الگ ہے لیکن کمپوزیشن ایک ہی ہے۔ اسکول کے بچوں سے متضاد، عوام بھی بڑھ چڑھ کر ٹیکہ لگوانے کی تیاری میں مصروف ہیں اور پر امید ہیں کہ اس دفعہ ٹیکے میں نیند کی دوا کی جگہ شاید اصل دوا ہو جو اثر دکھائے اور ان کی تقدیر بدل جائے۔ اس دوران پانچ سال سے بے یار و مددگار پڑے ووٹرز کو ہمیشہ کی طرح سبز باغ دکھائے جا رہے ہیں۔ سڑکوں کے منہ کالے کیے جا رہے ہیں۔ کسی اسپتال کا دوسری تیسری دفعہ افتتاح کیا جا رہا ہے تو کہیں سالوں پرانے مکمل کیے گئے منصوبوں کے پرانے بورڈ ہٹا کر نئے چمکدار بورڈ لگائے جا رہے ہیں۔

نوکریوں اور تبادلوں پر ایمان بیچنے والوں سے جب الیکشن کے بعد سوال کیا جاتا ہے تو ان کی مظلومیت دیکھ کر رونا آتا ہے۔ عموماً حکمرانوں کو کرپٹ اور بے ایمان قرار دے کر اپنا پلو جھاڑ دیا جاتا ہے۔ لیکن جناب ! یا، تو آپ بھی اس کرپشن میں شامل ہیں یا آپ خاموش ہیں۔ دونوں صورتوں میں آپ بھی قصوروار ہیں۔ اس سب میں ہم عوام کا قصور یہ بھی ہے کہ ہم نے لفظ سیاست کو کرپشن، جھوٹ اور دھوکے کی حدود میں قید کر دیا ہے۔ جب کہ سیاست کا اصل مطلب عوامی امور کی مناسب دیکھ بھال ہے جو تقریباً تمام نبیوں کی سنت رہی ہے اور ہم اسے ترک کر بیٹھے ہیں۔ ہماری اسی کوتاہی کی بدولت یہ مفاد پرست سیاسی ٹولا آج ہم پر رائج ہے۔

یہ کوتاہی ہماری لاعلمی نہیں لاپرواہی کی وجہ سے ہے۔ گزشتہ دنوں کیے گئے ایک تعلیمی سروے کے مطابق اسلام آباد کے بعد آزاد کشمیر تعلیمی کارکردگی میں پاکستان کے تمام علاقوں سے آگے ہے مگر افسوس کہ سہولیات اور ترقی کے لحاظ سے سب سے پیچھے۔ یہ درست ہے کہ ہمیں اک متنازعہ خطہ بنا کر ہمیشہ سے نظرانداز کیا جاتا رہا مگر اس میں ہمارے ہی مفاد پرست لوگ جنہیں سابقہ و موجودہ حکمران کہتے شرم محسوس ہو رہی ہے، برابر کے شریک ہیں۔

ریاست جموں و کشمیر کو جنتِ نظیر اور پاکستان کی شہ رگ تو کہا جاتا ہے مگر اس کے ٹورزم پوٹینشل کو مکمل طور پہ ضایع کیا جاتا رہا اور کیا جارہا ہے ؟

زرداریوں ، نوازوں اور دیگر کے ٹکٹوں سے جیتنے والے آزاد کشمیر کی ٹورزم پہ لاہور اور اسلام آبا میٹرو جتنی انویسٹمینٹ تک نہیں کروا سکتے۔ آزاد کشمیر کی ٹورزم پر اگر انویسٹ کیا جائے، بہتر سڑکیں بنا دی جائیں تو شاید یہ ریاست خود کفیل ہونے کے ساتھ ساتھ دنیا کی ٹورزم کا مرکز بھی بن جائے۔ مگر ٹورزم تو دور یہاں شہر سے دور تعلیم اور بنیادی سہولیات جیسے پانی اور بجلی نایاب ہو جاتی ہے۔ شائد کشمیر پانی اور بجلی کا مطلب پورا ہونے تک ہی پاکستان کی شہ

رگ ہے۔

ریاستی بجٹ ، اس کے استعمال اور تعمیر و ترقی میں بھارتی زیرِ انتظام کشمیر کی زبانِ زدِ عام کٹھ پتلی حکومت بھی ہم سے زیادہ با اختیار ہے۔آزاد کشمیر میں وزارتوں کے لیے لڑنے اور مرنے والوں کو میرا مشورہ ہے کہ پاکستان کی قومی اسمبلی سے ایک بار قسمت آزمائی ضرور کریں کیونکہ اگر آپ اُس اسمبلی کے وزیر بھی بن جائیں تو کشمیر کا ڈمی وزیرِ اعظم آپکو جھک کر سلام کرے گا۔